اینڈ آف ٹائم

آخرت کی نشانیاں

سورۃ الکھف کی روشنی میں

ہارون یحیٰ

مترجم: ڈاکٹر تصدق حسین راجا

فہرست

عرض مترجم

ہارون یحییٰ کے قلمی نام سے سو(100) سے زائد کتابوں کے مصنف کا اصلی نام عدنان اختر ہے۔ وہ انقرہ (ترکی) میں 1956ء میں پیدا ہوئے اور ترکی کے نامور دانش وروں میں شمار ہوتے ہیں۔ ہارون یحییٰ نے صیہونیت، نسل پرستی، فری میسنری اور اس کے تاریخ عالم پر منفی اثرات اور سیاسیات پر کئی کتابیں لکھیں۔ قرآن اور مذہب کے موضوعات پر ہارون یحییٰ کی 100 کے قریب تصنیفات شائع ہو چکی ہیں۔ ان میں سے زیادہ کتب کے تراجم انگریزی، فرانسیسی، جرمن، اطالوی، روسی، اسپینی، عربی، پرتگالی، البانوی، بوسنیائی، پولش، اردو، انڈونیشیائی، قزق، ملائیائی زبانوں میں ہو چکے ہیں۔

ہارون یحییٰ کی وہ کتابیں جو قرآن اور مذہب پر ہیں ان کا مقصد اسلام کو ان لوگوں میں متعارف کرانا ہے جن کے لیے یہ دین ایک اجنبی دین ہے۔ مسلمانوں کے لیے ان کتابوں میں اللہ کے وجود کی نشانیاں اور اس کی مخلوق کے احسن تقویم ہونے کے بارے میں وضاحت اور اختصار سے ذکر کیا گیا ہے۔ دوسری طرف یہ مومنین کے عقیدے کو زیادہ راسخ بناتی ہیں۔ چند کتابوں میں ڈارونیت، مادہ پرستانہ اور ملحدانہ فلسفوں کے خلاف جنگ ہے۔

مصنف کی ہر کتاب کے سرورق پر مہر نبوت کی موجودگی علامتی معانی میں ان کتابوں کے متن سے مصنف کا رشتہ ظاہر کرتی ہے۔ یہ مہر نبوت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ قرآن اللہ کی آخری کتاب اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے آخری نبی ہیں۔ ان کتابوں کے مطالعہ کے بعد قارئین کے ذہنوں میں کوئی سوالیہ نشان باقی نہیں رہ جاتا کیونکہ ہر بات کو قرآن کی روشنی میں سادہ و سلیس اور دلنشین انداز میں بیان کیا جاتا ہے۔

ہر عمر اور ہر سماجی طبقۂ فکر کے فرد کے لیے ان کتابوں کو اس رواں اسلوب میں، قابل فہم انداز میں لکھا گیا ہے کہ یہ سب بڑی دلچسپی سے ان کا مطالعہ کرتے ہیں اور اکثر

ایک ہی نشست میں پوری کتاب پڑھ ڈالتے ہیں۔

مصنف نے یہ کتابیں اللہ کی خوشنودی کے حصول کے لیے لکھی ہیں اور ان کے تراجم کو زیادہ سے زیادہ لوگوں کے مطالعہ کے لیے پیش کرنا اس سمت میں ایک قدم ہے۔

آخرت کی نشانیاں (سورۃ الکھف میں) ہارون یحییٰ کی تصنیف "Signs of the End Times in Surah Al-Kahf" کا اُردو ترجمہ ہے جو ہارون یحییٰ کی کتابوں کا میرا آٹھواں ترجمہ ہے۔ اب تک (میری معلومات کے مطابق) ہارون یحییٰ کی کل بارہ کتابوں کے اردو تراجم شائع ہوئے ہیں جن میں سے آٹھ کا ترجمہ میرے حصے میں آیا ہے۔ ہمارا یہ ہر دلعزیز مصنّف اور مُسلم سکالر دنیائے علم و ادب میں اب ایک اجنبی نام نہیں رہا.........کون ہے جو آج ہارون یحییٰ اور اس کی تخلیقات سے واقف نہیں۔

میں نے اس سے قبل ہارون یحییٰ کی جس کتاب کا ترجمہ کیا اس کا نام تھا "Islam Denounces Terrorism" جسے میں نے اردو کے قالب میں ڈھالنے کے بعد اسے ''اسلام میں دہشت گردی جرم ہے'' کے نام سے شائع کرایا ہے۔ میری خواہش ہے کہ یہ کتاب پاکستان کے دینی مدارس کے نصاب میں شامل ہو جائے جس کے لیے میں نے وزارتِ مذہبی امور سے رجوع کیا ہے اور کتاب کا ایک نسخہ اپنے خط کے ساتھ صدر پاکستان کو بھی اسی مقصد کے لیے بھیجا ہے۔ میری ان دنوں اسلام آباد کے ایک معروف پبلشر سے بھی بات چیت جاری ہے تاکہ ہارون یحییٰ کی زیادہ سے زیادہ کُتب کا معیاری اُردو ترجمہ معیاری طباعت کے بعد قارئین تک پہنچ سکے۔

میں نے اِن کتب کے ترجمے کے دوران اکثر یہ محسوس کیا ہے کہ یہ وہ کتابیں ہیں جن کی زیادہ سے زیادہ سرکولیشن کے بڑے مثبت نتائج نکلیں گے...... ان کا خود مطالعہ کیجیے، احباب کو ان کے مطالعہ کا شوق دلائیے، طلبہ و طالبات اور اپنے بچوں کو یہ کتابیں تحائف کے طور پر دیں۔

ڈاکٹر تصدق حسین راجا

اسلام آباد۔ پاکستان

کچھ مصنف کے بارے میں

مصنف جو ہارون یحییٰ کے قلمی نام سے لکھتا ہے انقرہ (ترکی) میں 1956ء میں پیدا ہوا تھا۔ اس نے ابتدائی اور ثانوی تعلیم انقرہ میں پائی۔ پھر اس نے آرٹس کی تعلیم استنبول کی مرسنان یونیورسٹی سے حاصل کی اور فلسفہ استنبول یونیورسٹی میں پڑھا۔ مصنف نے 1980ء سے اب تک بہت سی کتابیں سیاسیات اور مذہب و سائنس کے موضوعات پر لکھی ہیں۔ ہارون یحییٰ ایک ایسے مصنف کے طور پر شہرت و ناموری حاصل کر چکے ہیں جس نے ایسی اہم کتب لکھیں جن میں ارتقا پسندوں کی فریب کاری کو طشت ازبام کیا گیا ہے اور ان کے دعووں کے بطلان کو منظر عام پر لا کر ڈارونیت اور جھوٹے نظریات کے درمیان پائے جانے والے تاریک ربط و ضبط کی قلعی کھول کر رکھ دی ہے۔

مصنف کا قلمی نام ''ہارون'' اور ''یحییٰ'' کے ناموں سے مل کر بنا ہے جو دو ایسے محترم پیغمبروں کی یاد دلاتا ہے جو لامذہبیت کے خلاف لڑے۔ اس مصنف کی کتابوں کے سرورق پر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہرِ نبوّت ایک علامتی معانی رکھتی ہے جو ان کتابوں کے اوراق میں موجود موضوعات کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ یہ مہر اس بات کا ثبوت پیش کرتی ہے کہ قرآن خدا کی آخری کتاب ہے جو اس کا آخری کلام ہے اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی آخر الزمان ہیں۔ مصنف قرآن و سنت کی رہنمائی میں ان نظریات کے بنیادی عقائد کو غلط ثابت کرتا ہے جن میں خدا کا تصور نہیں پایا جاتا اور خدا کے آخری کلام کے ذریعے مذہب کے خلاف اُٹھائے گئے اعتراضات کو مکمل طور پر رد کر کے معترضین کو خاموش کرا دیتا ہے۔ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جنہوں نے حتمی

حکمت و دانائی اور اخلاقِ حسنہ حاصل کیا ان کی مہر کو مصنف نے اس علامت کے طور پر استعمال کیا ہے کہ وہ خدا کے آخری کلام کو کہنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

مصنف کی تمام تصانیف ایک ہی مقصد کے گرد گھومتی ہیں:

"قرآن کا پیغام لوگوں تک پہنچانا" تا کہ بنیادی عقائد سے متعلق معلومات کے بارے میں سوچنے میں ان کی حوصلہ افزائی کی جا سکے۔ مثلاً خدا کی موجودگی، اس کی واحدانیت، تصورِ آخرت اور نظام ہائے ملحدانہ کے گمراہ کن کاموں اور فرسودہ بنیادوں کو عیاں کرنا۔

ہارون یحییٰ کے قارئین کا وسیع حلقہ بہت سے ممالک بھارت سے امریکا، برطانیہ تا انڈونیشیا، پولینڈ تا بوسنیا، سپین تا برازیل پھیلا ہوا ہے۔ اس کی کچھ کتب کا ترجمہ انگریزی، فرانسیسی، جرمن، اطالوی، پرتگیزی، اردو، عربی، البانی، روسی، بوسنیائی اور (Uygeur Turkish) سنکیانگ شمال مغربی چین میں بولی جانے والی زبان اور انڈونیشیائی زبانوں میں ہو چکا ہے اور دنیا بھر کے قارئین ان سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

یہ کتابیں دنیا بھر میں پسند کی جاتی ہیں۔ بہت سے لوگوں میں ان کے مطالعے کے بعد خدا میں یقین پیدا ہو جاتا ہے اور بہت سے ایسے ہوتے ہیں جو اپنے عقیدے میں گہری دلچسپی لینے لگتے ہیں۔ ان کتابوں میں جو توانائی اور مخلصانہ آسان و سہل اسلوب اپنایا گیا ہے وہ ہر اس شخص کو متاثر کرتا ہے جو ان کتب کا مطالعہ کرتا ہے۔ ان اعتراضات سے قطع نظر جو ان کتب پر کیے جاتے ہیں یہ کتابیں تیزی سے اثر انداز ہوتی ہیں، ان کے خاطر خواہ نتائج نکلتے ہیں اور انہیں ناقابل تردید تصور کیا جاتا ہے۔ ایسا ممکن نہیں کہ جو لوگ ان کتب کا مطالعہ کرتے ہیں اور ان پر خلوص نیت سے غور و فکر کرتے ہیں وہ مادی فلسفے، الحاد یا کسی دوسرے غلط نظریے کی وکالت کر سکیں اگر وہ ایسا کریں گے تو یہ محض جذباتی ضد ہو گی کیونکہ یہ کتابیں تو ان باطل نظریات کی اساس کو مسترد کر چکی ہوتی ہیں۔ آج تردید اور انکار کی تمام معاصر تحریکیں شکست کھا چکی ہیں اور اس کے لیے ہمیں ہارون یحییٰ کی کتابوں کا ممنون ہونا پڑتا ہے۔

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ یہ سب کچھ قرآن مجید کی حکمت و دانائی اور سہل و قابل فہم اسلوب کا نتیجہ ہے۔ مصنف کو یقیناً اپنے آپ پر ناز نہیں، وہ تو صرف یہ چاہتا ہے

کہ خدا تک جانے والے صراطِ مستقیم کی تلاش میں سرگرداں افراد کے لیے اس کی کتابیں ایک نشان راہ ثابت ہوں۔ ان کتب کی اشاعت میں اس کے پیشِ نظر کوئی مادی منفعت نہیں ہے۔

ان حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے وہ افراد جو ان کتب کے مطالعہ میں لوگوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں، جو کتابیں دل کی "آنکھیں" کھول دیتی ہیں اور خدا کے زیادہ مطیع و فرمانبردار بندے بننے میں ان کی رہنمائی کرتی ہیں وہ ایک نہایت قیمتی خدمت سرانجام دیتے ہیں۔

ایسی کتابوں کی تشہیر کرنا جو لوگوں کے ذہنوں میں انتشار پیدا کرتی ہوں انسانوں کو نظریاتی اختلال اور بدنظمی کی طرف لے جاتی ہوں اور جن کا پڑھنے والوں پر کوئی اثر نہیں ہوتا اور یہ لوگوں کے دلوں سے شکوک و شبہات رفع نہیں کرتیں محض وقت کا زیاں ہوگا۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ ایسی کتابیں جو مصنف کی ادبی حیثیت کو منظر عام پر لانے کے لیے لکھی گئی ہوں اور جن کا مقصد لوگوں کے عقیدے کی حفاظت کرنا نہ ہو یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنا گہرا اثر چھوڑ سکیں۔ جس کسی کو اس بات میں شک محسوس ہو اسے صاف نظر آئے گا کہ ہارون یحییٰ کی کتابوں کا اصل مقصد یہ ہے کہ کفر و الحاد پر قابو پایا جائے اور قرآن کی اخلاقی اقدار کو عام کیا جائے اس خدمت سے جو کامیابی حاصل ہوئی ہے اور ان کتب کا جو پڑھنے والوں پر اثر ہوا ہے یہ قاری کے عقیدے اور یقین کامل میں جھلکتی ہے۔

ایک بات ذہن نشین کرنے کی ہے: مسلسل ظلم و تشدد باہمی فساد اور ان تمام مشکلات کا جن سے مسلمان آج دوچار ہیں اصل سبب یہ ہے کہ ان کا عقیدہ و ایمان کمزور ہو گیا ہے۔

ان تمام چیزوں کا خاتمہ صرف اس صورت میں ہو سکتا ہے جب کفر اور تشکیک کو نظریاتی شکست دے دی جائے اور اس بات کا یقین ہو جائے کہ ہر فرد تخلیق کائنات کے مظاہر و عجائبات اور قرآنی اخلاقیات کے بارے میں جانتا ہے تاکہ لوگ اس کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ آج دنیا کی جو حالت ہے اس پر غور کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ لوگوں کو ظلم و تشدد، بدعنوانی اور تصادم کی طرف دھکیلا جا رہا ہے۔ اس صورت حال میں ضرورت اس بات کی ہے کہ یہ خدمت نہایت مؤثر طور پر تیزی کے ساتھ لوگوں تک پہنچائی جائے۔ اگر

ایسا نہ کیا گیا تو بہت دیر ہوجائے گی۔

اس بات کے کہنے میں کوئی مبالغہ نہیں کہ ہارون یحیٰی کی کتب نے یہ اہم کردار سنبھال لیا ہے۔ خُدا نے چاہا تو یہ کتابیں اکیسویں صدی میں امن و سلامتی، روحانی مسرت، عدل و انصاف اور وہ خوشی لائیں گی جس کا قرآن میں وعدہ فرمایا گیا ہے۔

مصنف کی کتابوں میں نیو مسانک آرڈر، یہودیت اور فری میسنری کا ذکر بھی ہے۔ ان تباہ کاریوں کا ذکر بھی ہے جو ڈارونیت انسانیت کے لیے لائی، تاک میں بیٹھے ہوئے کمیونزم کا بیان بھی ہے، نظریۂ ڈارونیت، فاشزم، بوسنیا میں ''خفیہ ہاتھ'' کا بیان بھی ہے، جنگ و جدل کے سبب آنے والی تباہی بھی مذکور ہے، دہشت گردی کا ذکر بھی ہے، اسرائیلیوں کی طرف سے استعمال کردہ کردش کارڈ کا بیان بھی ہے اور ان سب کا حل بھی۔

مصنف کی مطبوعات میں قرآنی اخلاقیات آرٹیکل 3-2-1 ، ابلیس کا ایک ہتھیار۔ روما نویت، سچائیاں 2-1 ، مغربی دنیا خدا کی جانب مڑتی ہے۔ نظریۂ ارتقاء ایک فریب، ارتقاء پسندوں کو دیئے گئے مختصر جوابات، نظریۂ ارتقاء کے جھوٹ، تباہ شدہ اقوام، عقل والوں کے لیے، پیغمبر خدا حضرت موسیٰ ؑ۔ سنہری دور، خدا کی فنکارانہ معراج رنگوں میں، خدا کا جلال و جمال ہر طرف ہے، دنیا اور اس کی حقیقت، حقیقت وسچائی جاننا، ابدیت کا آغاز ہوچکا ہے، لازمانیت اور حقیقت تقدیر، ڈارونیت کا سیاہ جادو، ڈارونیت کا مذہب، نظریۂ ارتقا کے 20 سوالات میں موت، اللہ کی نشانیاں، قرآن سے سائنس تک رہنمائی، زندگی کا اصل آغاز، خلیے میں شعور، سلسلۂ معجزات، تخلیق کائنات، معجزات قرآن، کائنات میں فنکاری، ذاتی ایثار وقربانی اور عقلمندانہ رویّہ۔ جانوروں کے نمونے، ڈارونیت کی موت، گہری سوچ بچار، لاعلمی کی وکالت کبھی مت کریں، سبز معجزہ، ضیائی تالیف، خلیائی معجزہ، معجزۂ چشم، مکڑی کا معجزہ، چیونٹی کا معجزہ، مچھر کا معجزہ، معجزۂ نظام بریت۔ پودوں میں تخلیق کا معجزہ، معجزۂ ایٹم، شہد کی مکھی کا معجزہ، بیج کا معجزہ، ہارمون کا معجزہ، دیمک کا معجزہ، معجزہ بنی نوع انسان، معجزۂ تخلیق آدم، پروٹین کا معجزہ اور راز ہائے ڈی این اے شامل ہیں۔

مصنف نے بچوں کا ادب بھی تخلیق کیا ہے اس کی بچوں کے لیے لکھی گئی مطبوعات یہ ہیں: بچو! ڈارون جھوٹ بول رہا تھا، جانوروں کی دُنیا، آسمانوں کی شان وشوکت، ہمارے چھوٹے دوستوں کی دنیا، چیونٹیاں، شہد کی مکھیاں جو بہت عمدہ چھتے تعمیر کرتی ہیں۔

تجربہ کار ڈیم تعمیر کرنے والے: اُود بلاؤ۔

قرآنی موضوعات پر مصنف کی دیگر مطبوعات یہ ہیں: قرآن کے اساسی تصورات، قرآن کی اخلاقیاتی اقدار، عقیدے کو تیزی کے ساتھ سمجھنا 3-2-1، کیا کبھی سچائی اور حقیقت کے بارے میں سوچا گیا؟ کفر والحاد کے بارے میں خام فہم وادراک، خدا کے لیے وقف، جہالت والے معاشرے کو ترک کرنا، مومنین کا حقیقی گھر: جنت، علم قرآن، قرآن کا اشاریہ، خدا کی خاطر ہجرت، قرآن اور منافق کا کردار، منافق، تکبر، قرآن اور عبادت، قرآن اور ضمیر کی اہمیت، یومِ حشر، کبھی نہ بھولیے، قرآنی فیصلے جن سے اغماض برتا گیا، جہالت پر مبنی معاشرے میں انسانی کردار، قرآن اور صبر وتحمل کی اہمیت، قرآن اور عام معلومات، پختہ عقیدہ، اس سے قبل کہ آپ کو پچھتاوا ہو، ہمارے پیغمبروں نے فرمایا، مومنین کے لیے رحم و کرم، خوف خدا، کفر والحاد کا ڈراؤنا خواب، حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں واپس تشریف لائیں گے، قرآن اور حسین حیات انسانی، خدا کے جمال کا گلدستہ 4-3-2-1، ناانصافی جس کا نام ''تمسخر'' ہے آزمائش کا بھید، قرآن اور حقیقی دانائی، لامذہبیت کی مذہب کے خلاف جدوجہد، مکتبۂ یوسف، نیکی و اچھائی کے ساتھ اتحاد، پوری تاریخ میں مسلمانوں کے خلاف پھیلائے ہوئے بہتان، اچھے کلام کی پیروی کی اہمیت، آپ اپنے آپ کو کیوں فریب دیتے ہیں؟ اسلام: قرآن کی رو سے سکھ چین، جوش وجذبے اور تحریک کا مذہب، ہر شے میں اچھائی تلاش کرنا، نادان قرآن حکیم کی تشریح کس طرح کرتے ہیں؟ انکشافاتِ قرآن، مومنین کا حوصلہ و ہمت، قرآن میں امید افزا رہنے کی تلقین، قرآن میں عدل و انصاف اور تحمل و رواداری، اسلام کے اساسی عقائد، وہ جو قرآن کی آواز پر کان نہیں دھرتے۔ قرآن کو رہنمائی کی کتاب سمجھنا۔ گھات میں بیٹھا خطرہ: قُرآن میں بیان کی گئی غفلت صداقت وسچائی۔

☆......☆......☆

اس کتاب کی اشاعت کا مقصد

پیغمبرانِ خدا کی زندگیاں، ان کی اپنی اپنی قوم کو دعوتِ حق اور ان کی عملی زندگی کی وہ مثالیں جن کا تعلق ہم سے ہے اور ان کا ذکر قرآنِ حکیم میں آیا ہے، یہ وہ مثالیں ہیں جن کی مومنین کو تقلید کرنی چاہیے۔ مزید برآں قرآن میں مستقبل کی نشانیاں اور کچھ اسرار و رموز بھی ہیں جن پر مومنین کو غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے۔ ایسی ہی ایک سورۃ الکھف ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بہت سے مسلم سکالروں نے اس حوالے سے سورۃ الکھف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ قرآن میں اصحاب کہف، الرقیم، حضرت موسیٰؑ کی حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات، حضرت ذوالقرنینؑ کا ذکر ان سب میں بہت سے اسرار و رموز ہیں، جو آخرت کے بارے میں اشارے دیتے ہیں۔ ان میں سے ایک میں ہمارے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مبارکہ ہے: ''جو کوئی بھی اس کی (دجال) جہنم میں داخل ہو جائے اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے اور سورۃ الکھف کی ابتدائی آیت تلاوت کرے جس سے یہ اس کے لیے ٹھنڈی اور سلامتی کی ہو جائے گی بالکل اسی طرح جس طرح آتشِ نمرود حضرت ابراہیمؑ کے لیے ٹھنڈی اور سلامتی کی ہوگئی تھی۔'' (ابنِ کثیر)

سورۃ الکھف میں ایسی نشانیاں ہیں جن کی مومنین کے دفاع کے لیے ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ دجال اور ان غیر مذہبی تحریکوں کے خلاف لڑ سکیں جو بنی نوع انسان کے لیے وہ

بُرائی لاتی ہیں جس کو دجال دُنیا میں پھیلانا چاہتا ہے اور جس سے مسلمان بہت سے سبق سیکھ سکتے ہیں۔ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ اس سورۃ کو بغور پڑھا جائے، اسے زبانی یاد کرلیا جائے، اس جانب ایک واضح اشارہ ہے۔

اس کتاب ''آخرت کی نشانیاں'' کی اشاعت کا مقصد یہ ہے کہ قارئین سورۃ الکھف پر غور وفکر کریں جس میں دور حاضر کی بہت اہم نشانیاں ہیں تاکہ ان اسرار و رموز تک انہیں بصیرت حاصل ہو جائے اور وہ آنحضورﷺ کے فرمان پر عمل کرسکیں۔ وہ قارئین جو اس سورۃ کا بغور مطالعہ کریں گے وہ دیکھیں گے کہ اس میں آخرت کی نشانیاں موجود ہیں......ایک ایسے زمانے کی نشانیاں جس میں لامذہبیت کے نظام اور جھوٹ بہت پھیل جائیں گے۔ پھر اللہ انہیں تباہ کرنے کے لیے حق وصداقت بھیج دیتا ہے۔

☆......☆......☆

پیارے قارئین!

نظریۂ ارتقا کی موت پر ایک خصوصی باب شاملِ کتاب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ نظریہ روحانیت کے مخالف تمام فلسفوں کو بنیاد فراہم کرتا ہے۔ ڈارونیت چونکہ تخلیق اور اللہ کی نفی کرتی ہے اس لیے گذشتہ 140 برسوں میں بہت سے لوگوں نے یا تو اپنا مذہب ترک کر دیا، یا وہ شک و شبے میں مبتلا ہو گئے۔ اسی لیے یہ بتانا ضروری ہو گیا ہے کہ یہ نظریہ ایک دھوکہ ہے، ایک فریب ہے۔ یہ فریضہ مذہب سے بہت مضبوط تعلق رکھتا ہے۔ گویا اب یہ لازمی ہو گیا ہے کہ یہ اہم خدمت ہر فرد کے لیے سرانجام دی جائے۔ ہمارے قارئین کو ہماری مطبوعات میں سے صرف ایک کتاب کے مطالعہ کا اتفاق ہو سکتا ہے اس لیے ہم اسے ضروری سمجھتے ہیں کہ اس موضوع کا خلاصہ ایک باب کی شکل میں اس کتاب میں بھی شامل کر دیں۔

مصنف کی تمام کتابوں میں عقیدے سے متعلق تمام باتوں کو قرآنی آیات کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے اور لوگوں کو دعوت دی گئی ہے کہ وہ اللہ کا کلام سیکھیں اور اس کے مطابق زندگی بسر کریں۔ ایسے تمام موضوعات جن کا تعلق اللہ کی آیات سے ہو انہیں اس طرح بیان کیا جائے تا کہ نہ تو شک و شبے کی کوئی گنجائش رہ جائے نہ ہی قاری کے ذہن میں کوئی سوال اُبھرے۔ ایسا سادہ و آسان اور رواں اسلوب اختیار کیا گیا ہے کہ ہر عمر اور ہر سماجی گروہ کا فرد اِن کتابوں کو آسانی سے سمجھ سکے۔ اس مؤثر اور سہل و قابلِ فہم انداز بیان نے پوری کتاب کو ایک ہی نشست میں پڑھ لینا آسان بنا دیا ہے۔ ایسے افراد جو

روحانیت کو سختی سے رد کرتے ہیں ان حقائق سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے جن کا ذکر ان کتابوں میں کیا گیا ہے۔ ان کے لیے ان کتابوں میں موجود حقیقت اور سچائی کو مسترد کرنا ممکن نہیں رہ جاتا۔

مصنف کی اس کتاب کو اور اس کی دیگر تصانیف کو انفرادی طور پر پڑھا جا سکتا ہے یا دورانِ گفتگو کسی محفل میں زیر بحث بھی لایا جا سکتا ہے۔ ایسے قارئین جو اِن کتب سے مستفید ہوں گے وہ خود اس قابل ہو جائیں گے کہ دوسروں سے بات چیت کے دوران اپنے تاثرات بتا سکیں۔

مزید یہ کہ یہ دین کی ایک خدمت ہو گی جس میں ان کتب کو مطالعہ کے لیے قارئین تک پہنچایا جائے گا جو خالصتاً اللہ کی خوشنودی کے لیے لکھی گئی ہیں۔ مصنف کی تمام کتب بے حد دلنشین ہیں، اسی لیے ایسے افراد جو دین کو دوسروں تک پہنچانا چاہتے ہیں ان کو یہ ایک نہایت مؤثر طریقہ ہاتھ آئے گا کہ وہ دوسروں کو ان کتب کے مطالعہ کی ترغیب دیں۔

آپ کو مصنف کی ان کتب میں دوسرے لکھنے والوں کی کتابوں کی طرح نہ تو مصنف کے ذاتی نظریات ملیں گے نہ ہی مشکوک ماخذ پر مشتمل تشریحات۔ وہ ایسی تفصیلات سے اپنی تحریروں کو مزین نہیں کرتے جن سے شکوک وشبہات، مایوسی یا دلوں میں کج روی پیدا ہوتی ہے۔

☆......☆......☆

تعارف

قرآن میں وہ ساری ہدایات، احکامات اور معلومات موجود ہیں جن کی ایک مومن کو زندگی میں ضرورت ہوتی ہے۔ یہ اللہ کی نازل کردہ کتاب ہے جو قیامت کے روز تک معتبر رہے گی۔ اس کے معجزات میں سے سب سے بڑا معجزہ یہ ہے کہ یہ ہر زمانے کے انسانوں کے لیے موزوں اور مفید مطلب ہے۔ اللہ نے اسے دانائی سکھانے کی کتاب کے طور پر نازل فرمایا جو صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

ماضی کی اقوام کے قصص بتا کر یہ کئی طرح سے لوگوں کے لیے رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ پیغمبروں کی زندگیاں، مختلف اقوام میں ان کا بھیجا جانا اور ان کے کام مومنین کے لیے ایسی مثالیں ہوتی ہیں جن کی وہ پیروی کرتے ہیں۔ قرآن میں مستقبل کی نشانیاں ہیں اور چند اسرار و رموز ایسے ہیں جن کے بارے میں مومنوں کو سوچنا چاہیے۔ قرآن حکیم کی سورتوں میں سے ایک سورۃ الکھف ہے جو دعوت غور وفکر دیتی ہے۔

پیغمبر خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور متعدد مسلم سکالروں نے اسی وجہ سے سورۃ الکھف کا حوالہ دیا ہے۔ قرآن پاک میں دیا گیا اصحاب کھف کا ذکر، الرقیم، حضرت موسیٰ ؑ کا حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ معاملہ اور ذوالقرنینؑ کا تذکرہ اپنے اندر بہت سے اسرار رکھتا ہے جو آخرت کے بارے میں اشارات مہیا کرتے ہیں۔

سورۃ الکھف کے ساتھ ساتھ بہت سی احادیث مبارکہ آخرت کے بارے میں اشارے فراہم کرتی ہیں۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

> تم میں سے جو کوئی دجال کو دیکھنے تک زندہ رہے اسے چاہیے کہ سورۃ الکھف کی شروع کی آیات پڑھ کر اس پر پھونکے۔ (صحیح مسلم)

> جو کوئی بھی دجال کی جہنم میں داخل ہو جاتا ہے اسے چاہیے کہ اللہ کی پناہ مانگے اور سورۃ الکھف کی ابتدائی آیات تلاوت کرے۔ اس کے نتیجے میں اس جہنم کی آگ اس پر اسی طرح ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جائے گی جیسے وہ حضرت ابراہیمؑ کے لیے ہوئی تھی۔ (ابنِ کثیر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ الکھف کی تلاوت پر زور کیوں دیا اس کا ایک سبب یہ ہے کہ اس میں آخرت کے بارے میں اہم نشانیاں بتائی گئی ہیں۔ سورۃ الکھف میں ایسی نشانیاں موجود ہیں جو مومنین کو دجال کے خلاف اپنے دفاع اور جنگ میں درکار ہوں گی۔ یہ ان کے کام اس وقت بھی آئیں گی جب لامذہبیت پر مبنی تحریکیں بنی نوع انسان کو بُرائی کی جانب لے جا رہی ہوں گی۔ ان سے مسلمان بہت سے سبق بھی سیکھیں گے۔ ہمارے پیارے رسولؐ نے اسی لیے اس سورۃ کو زبانی یاد کرنے اور اسے پورے انہماک کے ساتھ پڑھنے کی تلقین فرمائی۔ ہم اس کتاب میں شروع سے آخر تک دیکھیں گے کہ اصحاب کھف کے وہ تجربات کیا تھے جو انہیں ایک لادینی دنیا میں پیش آئے وہ سبق جو حضرت موسیٰ ؑ نے حضرت خضر علیہ اسلام سے اور حضرت ذوالقرنینؑ سے سیکھے جنھوں نے پوری دنیا پر حکومت کی۔ یہ حکومت دنیا بھر میں اسلامی اقدار کے فروغ اور اشاعت کے لیے قائم کی گئی تھی۔ یہ وہ باتیں ہیں جن پر مومنین کو غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے۔

ان قصص کے پس منظر میں اسباب کیا ہیں ہم ان کی وضاحت کریں گے تاکہ قارئین سورۃ الکھف پر غور کریں جس میں دور حاضر کے لیے بہت سی اہم نشانیاں ہیں۔ اس سے وہ ان اسرار کے اندر تک دیکھ لینے کی بصیرت حاصل کریں گے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر عمل کریں گے۔ قارئین نے غور وفکر کیا تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اس سورۃ میں آخرت کی نشانیاں ہیں۔ ایک ایسی گھڑی جو سر پر کھڑی ہے جس میں کفر والحاد اور باطل نظام کا ہر طرف دور دورہ ہوگا اور پھر اللہ حق وصداقت کو بھیجے گا کہ اس نظام

کو تباہ کر دیا جائے۔

اللہ کی عین مرضی و منشا کے مطابق آخرت کا یہ زمانہ بہت قریب آ گیا ہے۔ اتنا قریب کہ لوگوں کو اب اس پر غور و فکر کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کو سورۃ الکھف پر غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے، اس کی آیات کو ذہنوں میں جگہ دینے اور اس کی ہر آیت کا قرآن کی دیگر آیات کی روشنی میں تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے۔

☆......☆......☆

سورۃ الکھف میں آخرت کی نشانیاں

''سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے نازل فرمائی اپنے (محبوب) بندے پر یہ کتاب اور نہیں پیدا ہونے دی اس میں ذرا کجی۔''

(الکھف: 18:1)

اس سورۃ کی پہلی آیت اللہ کا شکر گزار ہونے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اس اللہ کا شکر گزار جس نے بنی نوع انسان کو ہر شے عطا فرمائی ہے: ایک احسن طریقے کے ساتھ کام سرانجام دینے والا جسم، زمین پر زندگی گزارنے کے لیے موزوں ماحول، کائنات کو حسنِ ترتیب بخشا، خوراک، پانی اور نہ جانے کیا کیا نعمتیں عطا کیں۔ اللہ کی سخاوت و فیاضی لامحدود ہے۔ اس نے ہمیں وہ کچھ دیا کہ ہم اس کی نعمتوں کو شمار کرنا بھی چاہیں تو نہ کر سکیں۔ اس حقیقت کے بارے میں ہمیں درج ذیل آیت میں یاد دلایا گیا ہے:

''اور اگر تم شمار کرنا چاہو اللہ کی نعمتوں کو تو تم انہیں گن نہ سکو گے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔'' (النحل۔ 16:18)

مومنین کی ایک نمایاں صفت یہ ہوتی ہے کہ وہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں پر شکر گزار ہوتے ہیں اور انہیں یہ ہمیشہ یاد رہتا ہے کہ رب العالمین کے عطا کردہ انعامات بنی نوع انسان کے لیے ایک آزمائش ہوتے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ النساء کی آیت 147 میں ارشاد باری یوں ہوتا ہے ''......یہ لوگ، ہمیشہ شکر ادا کرنے والوں میں ہوتے ہیں''۔ تاہم اس

کے باوجود زیادہ تر لوگ ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے والے نہیں ہوتے۔ حضرت سلیمانؑ جو اللہ کے پیغمبر تھے، ان کے الفاظ سورۃ النمل میں اس طرح بیان فرمائے گئے ہیں:

''یہ میرے رب کا فضل (وکرم) ہے تاکہ وہ آزمائے مجھے کہ آیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری اور جس نے شکر کیا تو وہ شکر کرتا ہے اپنے بھلے کے لیے اور جو ناشکری کرتا ہے وہ اپنا نقصان کرتا ہے۔ بلاشبہ میرا رب غنی بھی ہے اور کریم بھی۔'' (النمل: 27:40)

آخرت جب قریب آ جائے گی تو لوگ شکرگزاری سے مکمل طور پر دور ہو جائیں گے۔ وہ یہ فراموش کر بیٹھیں گے کہ ان کے پاس جو کچھ بھی ہے اللہ کا عطا کردہ ہے۔ یہ دنیاوی زندگی میں پوری طرح محو ہو جائیں گے۔ وہ یہ خیال کریں گے کہ ان کی دولت اور سارا اثاثہ ان کی اپنی محنت اور دماغی کوشش کا نتیجہ ہے۔ ایسے لوگوں کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اس طرح تو وہ اللہ کی ناشکری کے مرتکب ہو رہے ہیں کیونکہ انسان کو جو کچھ ملتا ہے اللہ ہی اسے دیتا ہے۔ اس حقیقت کو درج ذیل آیات میں بیان فرمایا گیا ہے:

''اور عطا فرمایا تمہیں ہر اس چیز سے جس کا تم نے اس سے سوال کیا اور اگر تم گننا چاہو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو تو تم ان کا شمار نہیں کر سکتے۔ بیشک انسان بہت زیادتی کرنے والا از حد ناشکرا ہے''۔ (ابراہیم: 14:34)

''اور تمہارے پاس جتنی نعمتیں ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہیں، پھر جب تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو اس کی جناب میں گڑگڑاتے ہو۔ پھر جب اللہ تعالیٰ دور فرما دیتا ہے تکلیف کو تم سے تو فوراً ایک گروہ تم میں سے اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے۔ اس طرح وہ ناشکری کرتے ہیں ان نعمتوں کی جو ہم نے انہیں عطا کی ہیں۔ پس اے (ناشکرو) لطف اُٹھا لو چند روز تمہیں (اپنا انجام) معلوم ہو جائے گا''۔ (النحل۔16:53-55)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ اللہ ہی انہیں ہر شے عطا کرتا ہے اور یہ لوگ اس صداقت کو مسترد کر کے دوسروں کو اس خالق حقیقی کے ساتھ شریک ٹھہرانے لگتے ہیں۔ ابلیس کا طریقہ کار یہ ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ کی شکرگزاری سے دور لے

جاتا ہے۔ وہ انہیں ناشکری کی طرف لے جاتا ہے تاکہ وہ اللہ کے انعامات کو بھلا کر صراط مستقیم سے ہٹ جائیں۔ قرآن نے ابلیس کی اس پرفریب چال کو یوں بیان فرمایا ہے:

''(شیطان نے کہا) پھر میں ضرور آؤں گا ان کے پاس (بہکانے کے لیے) ان کے آگے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں اور ان کے بائیں سے اور تو نہ پائے گا ان میں سے اکثر کو شکرگزار۔ فرمایا نکل جا یہاں سے ذلیل (اور) راندہ ہوا جس کسی نے پیروی کی تیری ان سے تو یقیناً میں بھردوں گا جہنم کو تم سب سے''۔ (الاعراف۔ 7:17-18)

یقیناً اس دنیا میں لوگوں کو ان کی ناشکری کا نتیجہ دیکھنا پڑتا ہے۔ لوگوں کی غفلت شعاری اور ناشکری کی حقیقت غربت، محرومی و تہی دستی، اخلاقی پستی، روحانی تنزل اور ایسی ہی بہت سی دوسری چیزوں میں سرفہرست ہے۔ شکرگزاری پر انعامات سے نوازا جاتا ہے اور ناشکری رنج وغم سے دوچار کر دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اور یاد کرو جب (تمہیں) مطلع فرمایا تمہارے رب نے (اس حقیقت سے) کہ اگر تم پہلے احسانات پر شکر ادا کرو تو میں مزید اضافہ کر دوں گا اور اگر تم نے ناشکری کی (تو جان لو) یقیناً عذاب شدید ہے۔'' (ابراہیم۔14:7)

جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کا اس کی نعمتوں پر شکر ادا نہیں کرتے انہیں سخت عذاب دیا جاتا ہے۔ اس سزا پر انہیں اس دنیا میں بھی دکھ ہوتا ہے اور آخرت میں بھی۔

گزرے ہوئے واقعات ہمیں بہت سے قیمتی سبق سکھا جاتے ہیں۔ بیسویں صدی میں ایسے لوگوں کی حکمرانی تھی جو مذہب کے خلاف تھے، ایسے لوگ جو کمیونزم، فاشزم (اشتراکیت، فسطائیت) کے پیروکار تھے۔ انہوں نے لوگوں کو سچے مذہب کی اچھائی سے دور کرنے کے لیے اللہ کے تصور کو ان کے ذہنوں سے دور کرنے کا پرکشش راستہ اختیار کرنے پر اُکسایا۔ یوں ان کے ماننے والوں نے اللہ کے وجود سے انکار کر دیا تھا۔ پھر وہ اس کی شکرگزاری سے بھی نکل گئے۔ انہیں ایک طویل مدت تک بڑے بڑے حادثات اور

الیوں کا سامنا رہا۔ ان لوگوں کی ناشکری کی سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنے کچھ انعامات چھین لیے تھے۔ قرآن سے پتا چلتا ہے کہ ناشکری کی سزا درج ذیل ہے:

''اور بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال وہ یہ کہ ایک بستی تھی جو امن اور چین سے (آباد) تھی۔ آتا تھا اس کے پاس رزق بکثرت، ہرطرف سے پس اس (کے باشندوں) نے ناشکری کی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی۔ پس چکھایا انہیں اللہ تعالیٰ نے (یہ عذاب کہ پہنا دیا انہیں) بھوک اور خوف کا لباس ان کارستانیوں کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے۔'' (النحل۔16:112)

ہم نے بیسویں صدی میں جو قحط، غربت، خوف اور دیگر تکلیفیں دیکھیں اس کا سبب لوگوں کی ناشکری تھا۔ قرآن بتاتا ہے کہ ایسے لوگوں کو سزا ملے گی:

''یہ بدلہ دیا ہم نے انہیں بوجہ ان کی احسان فراموشی کے اور بجز احسان فراموش کے ہم کسے ایسی سزا دیتے ہیں؟'' (سبا۔34:17)

''درست کرنے والی ہے تاکہ ڈرائے سخت گرفت سے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور یہ مژدہ سنائے اُن اہل ایمان کو جو کرتے ہیں نیک اعمال کہ بیشک ان کے لیے بہت عمدہ جزا ہے۔'' (الکھف۔18:2)

اس آیت سے قرآن کی اہمیت کا اور اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ایک سچی کتاب ہے۔ قرآن بنی نوع انسان کی رہنمائی کرتا، لوگوں کو دائمی زندگی کی یاددلاتا اور انہیں صراطِ مستقیم دکھاتا ہے۔ یہ وحی کی شکل میں نازل ہوئی اور یہ راستہ وہ واحد راستہ ہے جو ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی، رحم و کرم اور فردوس بریں کیسے حاصل کرنی ہے۔ یہی نیکی و بدی کا پیمانہ مہیا کرتی ہے۔ جیسا کہ سورۃ البقرہ کی آیت 120 میں ارشادِ باری تعالیٰ یوں ہوتا ہے: ''اللہ کا بتایا ہوا راستہ ہی سیدھا راستہ ہے''۔ ہمارا پروردگار ہم پر یہ منکشف کرتا ہے کہ مومنین کو قرآن کو مضبوطی سے تھام لینا چاہیے؛ آنحضور سے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''پس مضبوطی سے پکڑے رہیے اس (قرآن) کو جو آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے۔ بیشک آپ سیدھی راہ پر ہیں اور بیشک یہ بڑا شرف ہے آپ کے لیے اور

آپ کی قوم کے لیے اور (اے فرزندانِ اسلام) تم سے جواب طلبی ہوگی۔'' (الزخرف۔43:43-44)

سورۃ الکھف کی آیت: 2 میں اس جانب اشارہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ کی وحی کردہ اس کتاب پر عمل کرنے کی اہمیت کیا ہے۔ تمام مومنین کی عمر بھر کے لیے یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات، ہدایات کی پابندی سے تعمیل کریں اور زندگی میں کوئی مشکل یا پریشانی نہ تو انہیں اس سے ہٹا سکے نہ انہیں غافل کر سکے۔ حالات کچھ بھی ہوں انہیں ثابت قدم اور پرعزم رہنا ہے۔ اس آیت سے ہماری توجہ اس جانب بھی مبذول کرائی گئی ہے کہ ہمیں دوسروں کو بھی تنبیہہ کرنی ہے۔

اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس اہم ذمہ داری کے بارے میں اکثر و بیشتر یاد دلاتا رہتا ہے اور نیکی کا حکم دینے اور بُرائی سے روکنے کے حکم کی ضرورت کی طرف اشارہ فرماتا رہتا ہے۔ وہ ہمیں اسے ایک عبادت کے کام کے طور پر اپنا لینے کی ہدایت فرماتا ہے اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں انہیں نجات کی خوشخبری سناتا ہے:

''توبہ کرنے والے (اللہ کی) عبادت کرنے والے، حمد وثنا کرنے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیکی کا حکم دینے والے اور بُرائی سے روکنے والے اور نگہبانی کرنے والے اللہ کی (مقررہ) حدوں کی (اے میرے رسول!) خوشخبری سنا دیجیے ان (کامل) مومنوں کو۔'' (التوبہ۔9:112)

اس کی بہترین مثال پیغمبرانِ خدا ہیں۔ وہ پیغمبر جنہیں اللہ نے چاہا کہ وہ یہ اہم فریضہ سرانجام دیں اور اپنی قوموں کو مختلف طریقوں سے تنبیہہ کریں۔ انہیں سچے دین کی جانب بُلائیں، جنہم یاد دلائیں اور جنہم کے مسلسل عذاب کے بارے میں بتائیں۔ اللہ تعالیٰ اس حقیقت کو اس طرح وحی کی شکل میں نازل فرماتے ہیں:

''پس میں نے خبردار کر دیا ہے تمہیں ایک بھڑکتی ہوئی آگ سے۔ اس میں نہیں جلے گا مگر وہ انتہائی بدبخت''۔ (الیل۔92:14-15)

سورۃ الکھف کی آیت:2 بھی نیک عمل کی اہمیت کی جانب اشارہ کرتی ہے جس

میں ان اچھے اعمال کا ذکر ہے جن کی سچے دل سے بجا آوری سے اللہ کی خوشنودی، رحمت اور جنت جیتی جاسکتی ہے۔ ایک اور آیت میں یہی پیغام درج ذیل الفاظ میں دیا گیا ہے:

''جو عزت کا طلبگا ہو (وہ جان لے) کہ ہر قسم کی عزت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اسی کی طرف چڑھتا ہے پاکیزہ کلام اور نیک عمل پاکیزہ کلام کو بلند کرتا ہے اور جو لوگ فریب کاریاں کرتے ہیں، بُرے کاموں کے لیے ان کے لیے شدید عذاب ہے، ان کا مکروفریب تباہ ہو کر رہے گا۔'' (فاطر۔35:10)

بہت سی دوسری آیات میں بھی ہمارے پروردگار نے ان اچھے اعمال کا ذکر فرمایا ہے جن کے بدلے میں انہیں انعامات سے نوازا جاتا ہے۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

''اور خوشخبری دیجیے انہیں جو ایمان لائے اور کیے نیک عمل (کہ) یقیناً ان کے لیے باغات ہیں۔ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں۔ جب کھلایا جائے گا ان باغوں سے کوئی پھل (تو صورت دیکھ کر) کہیں گے یہ تو وہی ہے جو ہمیں پہلے کھلایا گیا تھا اور دیا گیا انہیں پھل (صورت میں) ملتا جلتا اور ان کے لیے جنت میں پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے''۔(البقرہ۔2:25)

''اسلام کے پیروکار ہوں یا یہودی، عیسائی ہوں یا صابی جو کوئی بھی ایمان لائے اللہ پر اور دن قیامت پر اور نیک عمل کرے تو ان کے لیے ان کا اجر ہے ان کے ربّ کے ہاں اور نہیں کوئی اندیشہ ان کے لیے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''(البقرہ۔2:62)

''بیشک جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور عجز و نیاز سے جھک گئے اپنے پروردگار کی طرف یہی لوگ جنتی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔'' (ھود۔11:23)

سورۃ الکھف کی آیت:2 میں ایک اور اہم بات کا ذکر آیا ہے: مومنین کے لیے جنت کی بشارت۔ کئی آیات میں پیغمبروں کو یہی کچھ کرنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ مومنین کو یہ خوشخبری سنائی گئی ہے کہ ان کی تمام مشکلات اور تکلیفیں عارضی ہیں۔
انہیں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اللہ کا کرم، مہربانی اور مدد ہمیشہ ان کے شامل حال رہتی

ہے۔ آخرت کے انعامات کے آجانے کی بات مومنین کے دلوں میں ایک جذبہ اور تحریک پیدا کرتی اور انہیں ان انعامات کے حصول کی کوشش پر مائل کرتی ہے۔ ایک آیت میں ارشاد باری تعالیٰ یوں ہوتا ہے:

''صرف اس لیے ہم نے آسان کردیا ہے قرآن کو آپ کی زبان میں اُتار کر تاکہ آپ مژدہ سنائیں، اس سے پرہیزگاروں کو اور ڈرائیں، اس کے ذریعے اس قوم کو جو بڑی جھگڑالو ہے۔'' (مریم۔19:97)

یہ سب باتیں وہ ہیں جو سورۃ الکھف کی آیت:2 میں بیان فرمائی گئی ہیں جن پر زمانہ قریب کے اور آخرت سے تھوڑا عرصہ پہلے کے مسلمانوں کو غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کو غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ قرآن کو مضبوطی سے تھام لینے سے لوگ اس بُرائی سے محفوظ ہو جائیں گے جو دوسری برائی سے اور مذہب کے مخالف نظریات سے جنم لیتی ہے۔ انہیں آخرت کے عذاب سے مشکلات کے بارے میں بھی آگاہ کیا گیا ہے۔ آخرت کے آنے سے قبل کے دور کے مسلمانوں کو قرآنی تعلیمات کی روشنی میں نیک عمل کرنے چاہئیں۔ ان کے لیے جنت کے انعام کی خبر دی گئی ہے اور جہنم کے عذاب سے بچنے کی تنبیہہ کی گئی ہے۔ انہیں تلقین کی گئی ہے کہ وہ اللہ کے قوانین کے بارے میں اپنے آپ کو اشتباہ میں نہ ڈالیں۔

''وہ ٹھہریں گے اس (جنت) میں تاابَد''۔ (الکھف۔18:3)

کچھ لوگ اللہ کے وجود سے انکار کرتے ہیں اور جنت وجہنم کی دائمی زندگی کے قریب آنے پر یقین نہیں رکھتے۔ ان کے لیے موت کا مطلب عدم میں داخل ہو جانا یا فناہ ہو جانا ہے۔ ان کے نزدیک یوم حساب کا کوئی تصور نہیں ہوتا۔ کچھ ایسے بھی ہیں جو جہنم پر یقین تو رکھتے ہیں مگر ان کے خیال میں جہنم کا عذاب محدود مدت کے لیے ہوگا۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ گناہوں کی پاداش میں لوگ جہنم میں مختصر سے عرصے کے لیے رہیں گے تاکہ گناہوں کی سزا بھگت لیں اور پھر جنت کی نعمتوں سے مستفید ہوں گے۔ مگر قرآن اس قسم کی کسی عارضی سزا کا ذکر نہیں کرتا۔ اللہ نے درج ذیل صداقت بیان فرمائی ہے:

''اس (بیباکی) کی وجہ یہ تھی کہ وہ کہتے تھے کہ بالکل نہیں چھوئے گی ہمیں

دوزخ کی آگ مگر چند دن گنے ہوئے اور فریب میں مبتلا رکھا انہیں ان کے دین کے معاملہ میں ان باتوں نے جو وہ خود گھڑا کرتے تھے۔'' (آل عمران۔3:24)

سورۃ الکھف کی آیت:3 میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ لوگ جہنم کے بارے میں غلط سمجھتے تھے۔ اس میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ کفر و الحاد میں پھنسے ہوئے لوگ جو ایمان نہیں لائیں گے ان کا ہمیشہ کے لیے ٹھکانا جہنم ہوگا۔ وہ لوگ جو دنیاوی زندگی میں اس قدر غرق ہو جاتے ہیں کہ اللہ کے وجود تک کو فراموش کر دیتے ہیں، یہ لوگ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ اختیار نہیں کرتے اور نہ ہی قرآن میں دیئے گئے احکامات پر عمل کرتے ہیں۔ ان کا دائمی ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ اللہ عدل و انصاف کرنے والا ہے۔ قرآن اس بات کو بھی واضح کرتا ہے کہ وہ لوگ جو کفر پر قائم رہتے ہیں انہیں ہمیشہ کے لیے جہنم کی آگ میں جلنا ہوگا:

''بیشک مجرم عذاب جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے (یہ عذاب) اور وہ اس میں آس توڑ بیٹھیں گے اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے تھے۔ اور وہ پکاریں گے اے مالک! بہتر ہے کہ تمہارا رب ہمارا خاتمہ ہی کر ڈالے۔ وہ جواب دے گا کہ تمہیں تو یہاں ہمیشہ (جلتے) رہنا ہے''۔ (الزخرف۔43:74-77)

جیسا کہ درج بالا آیات میں ہم نے دیکھا کہ جہنم میں بھی کفار یہ نہیں سمجھیں گے کہ اللہ پر یقین کر لیا جائے بلکہ وہ اس خالق حقیقی کی طرف کبھی رُخ نہ کریں گے۔ وہ ایک فرشتے کو پکاریں گے اور کہیں گے ''بہتر ہوگا کہ تمہارا خدا ہمارا خاتمہ ہی کر ڈالے''۔ اس سے وہ یہ ثابت کرنا چاہیں گے کہ وہ اب بھی نافرمانوں میں ہیں۔ قرآن میں اللہ فرماتے ہیں کہ وہ کفار جو یہ پوچھتے ہیں:

''کیا ہمیں واپس بھیجا جا سکتا ہے تاکہ ہم عمل کریں اس کے برعکس جو ہم کیا کرتے تھے۔'' (الاعراف۔7:53)

''اور اگر آپ دیکھیں جب وہ کھڑے کیے جائیں گے آگ پر تو کہیں گے اے

کاش! (کسی طرح) ہم لوٹا دیئے جائیں تو (پھر) نہیں جھٹلائیں گے اپنے رب کی نشانیوں کو اور ہم ہو جائیں گے ایمانداروں سے بلکہ عیاں ہو گیا ان پر جسے چھپایا کرتے تھے پہلے اور اگر انہیں واپس بھیجا جائے (جیسے اُن کی خواہش ہے) تو پھر بھی وہی کریں جس سے روکے گئے تھے اور بیشک وہ جھوٹے ہیں۔'' (الانعام۔6:27-28)

دوسری آیات میں بتایا گیا ہے کہ دنیا میں لوگوں کو کافی وقت دیا جاتا ہے مگر وہ باطل خیالات ترک نہیں کرتے:

''یا یہ کہنے لگے جب عذاب دیکھے' کاش! مجھے ایک بار پھر موقع دیا جائے تو میں نیکوکاروں میں سے ہو جاؤں گا۔ ہاں! ہاں! آئی تھیں تیرے پاس میری آیتیں پس تو نے انہیں جھٹلایا اور تُو گھمنڈ کرتا رہا اور تُو کفر کرنے والوں میں سے تھا۔'' (الزمر۔39:58-59)

اس ساری تفصیل سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ ایسے لوگ اپنے آپ کو کبھی تبدیل نہیں کرتے۔ اللہ جو مومنوں کے لیے بڑا رحیم ہے وہ ان کفر کرنے والوں کو جنت نہیں دے گا اور ہمیشہ مومنین کے ساتھ ہوگا۔ جنت اپنی تمام تر نعمتوں کے ساتھ ایک ایسا مقام ہے جس میں رہنے والے لوگوں کو کوئی شے ایسی نہیں ملے گی جسے اللہ ناپسند کرتا ہو۔ اپنے فرمانبردار بندوں سے وہ مالک حقیقی اسی رحم و کرم اور عدل و انصاف سے پیش آتا ہے۔

جنت کی دائمی نعمتیں صرف مومنین کے لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''یہ وہ (نیک بخت) ہیں جن کا بدلہ بخشش ہے اپنے رب کی طرف سے اور جنت رواں ہیں جس کے نیچے ندیاں ہمیشہ رہیں گے ان میں کیا ہی اچھا بدلہ ہے کام کرنے والوں کا''۔ (آلِ عمران۔ 3:136)

''اور جو نافرمانی کرے گا اللہ کی اور اس کے رسول کی اور تجاوز کرے اللہ کی (مقررہ) حدوں سے داخل کرے گا اسے اللہ آگ میں ہمیشہ رہے گا اس میں اور اس کے لیے عذاب ہے ذلیل کرنے والا۔'' (النساء۔4:14)

''کیا وہ نہیں جانتے کہ جو کوئی مخالفت کرتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی تو اس

کے لیے آتشِ جہنم ہے ہمیشہ رہے گا اس میں، یہ بہت بڑی رُسوائی ہے۔" (التوبہ۔9:63)

"اور تاکہ ڈرائے ان (نادانوں) کو جو یہ کہتے ہیں کہ بنا لیا ہے اللہ تعالیٰ نے (فلاں کو اپنا) بیٹا نہ انہیں اللہ تعالیٰ (کی ذات و صفات) کا کچھ علم ہے اور نہ ان کے باپ دادا کو۔ کتنی بڑی ہے وہ بات جو نکلتی ہے ان کے مونہوں سے، وہ نہیں کہتے مگر (سرتاسر) جھوٹ"۔(الکھف۔5-18:4)

درج ذیل دو آیات میں ان عیسائیوں کا ذکر ہے جو اللہ کو سمجھنے میں بہت بڑی غلطی کا شکار ہوئے ہیں۔ تثلیث کا عقیدہ گھڑ کر عیسائی اپنے سچے مذہب سے دُور ہو گئے ہیں۔ انہوں نے ایسا کیوں کر کیا اس کا ذکر درج ذیل آیات میں یوں آیا ہے:

"اے اہلِ کتاب نہ غلو کرو اپنے دین میں اور نہ کہو اللہ تعالیٰ کے متعلق مگر سچی بات بیشک مسیح عیسیٰ پسر مریم تو صرف اللہ کے رسول ہیں اور اس کا کلمہ جسے اللہ نے پہنچایا تھا مریم کی طرف اور ایک روح تھی اس کی طرف سے پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور نہ کہو تین (خدا ہیں) باز آ جاؤ (ایسا کہنے سے) یہ بہتر ہے تمہارے لیے بیشک اللہ تو معبودِ واحد ہی ہے پاک ہے وہ اس سے کہ ہو اس کا کوئی لڑکا۔ اسی کا (ملک) ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کارساز"۔ (النساء۔4:171)

"اُنہوں نے کہا بنا لیا ہے اللہ تعالیٰ نے کسی کو بیٹا۔ وہ پاک ہے، وہ تو بے نیاز ہے اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ نہیں تمہارے پاس کوئی دلیل اس (بیہودہ بات) کی۔ کیا بہتان باندھتے ہو اللہ تعالیٰ پر جس کا تمہیں علم ہی نہیں"۔ (یُونس۔10:68)

"یہ ہے عیسیٰ بن مریم (اور یہ ہے وہ) جس میں لوگ جھگڑ رہے ہیں۔ یہ زیبا ہی نہیں اللہ تعالیٰ کو کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے۔ وہ پاک ہے جب وہ فیصلہ فرما دیتا ہے کسی کام کا تو بس صرف اتنا حکم دیتا ہے اس کے لیے کہ ہو جا تو وہ کام ہو جاتا ہے۔" (مریم۔35-19:34)

بلاشبہ یہ ان لوگوں کی ذہنیت ہے جو دوسروں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوا کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں، نہ اس کا کوئی ہمسر ہے نہ اولاد۔ کائنات میں جو کچھ ہے اللہ اس کا بلاشرکتِ غیرے حاکم ہے اور وہی آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔ آخرت کے قریب کے زمانے میں جو مسلمان دنیا میں موجود ہوں گے یہ ان کا فرض بنتا ہے کہ وہ لوگوں کے غلط اعتقادات کی اصلاح کریں۔

"تو کیا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرطِ غم سے تلف کر دیں گے اپنی جان کو ان کے پیچھے اگر وہ ایمان نہ لائے اس قرآن کریم پر افسوس کرتے ہوئے۔" (الکھف۔18:6)

اس آیت میں ان لوگوں کے بارے میں بتایا گیا ہے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اسلام پر کوئی جواب نہ دیا اور ان لوگوں کا جو مومنین تھے۔ مومنین اللہ کے نیکی کے حکم پر عمل کرتے اور بُرائی سے دُور رہتے ہیں۔ یہ دوسروں کو اللہ پر ایمان لے آنے کی دعوت دیتے ہیں اور قرآن میں جس حق وصداقت کا ذکر ہے اس کے بارے میں انہیں مطلع کرتے ہیں۔ تاہم بہت سے لوگ پیغمبروں کی دعوتِ حق سے پھر جاتے ہیں اور اپنے انکار پر پکے ہو جاتے ہیں، جیسا کہ اِس آیت میں مذکور ہے:

"اور کفار نے کہا ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے آپ پر جب تک آپ رواں نہ کر دیں ہمارے لیے زمین سے ایک چشمہ۔" (بنی اسرائیل۔17:90)

کفار ایسی حق کی دعوتوں کا جواب مختلف طریقوں سے دیتے ہیں کچھ تو پیغمبروں سے معجزوں کا مطالبہ کرتے ہیں جیسا کہ اس آیت میں بتایا گیا ہے:

"یقیناً قیامت آ کر رہے گی ذرا شک نہیں ہے اس میں لیکن بہت سے لوگ (قیامت پر) ایمان نہیں لاتے"۔ (المومن۔40:59)

جبکہ دوسرے مومنین کا تمسخر اُڑاتے ہیں۔ موخرالذکر کی مثال ذیل میں بیان فرمائی گئی ہے:

"اور جب کہا جائے انہیں ایمان لاؤ جیسے ایمان لائے (اور) لوگ تو کہتے ہیں

کیا ہم ایمان لائیں جس طرح ایمان لائے بیوقوف۔ خبردار! بیشک وہی احمق ہیں مگر وہ جانتے نہیں''۔ (البقرہ۔ 2:13)

ہر پیغمبر کا اس کی قوم نے اسی طرح تمسخر اڑایا اور اکثر مختلف قسم کی تکلیفیں دیں۔ مثال کے طور پر حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو دعوت ایمان دینے کے لیے تمام طریقے استعمال کیے مگر انہوں نے یہ دعوت قبول نہ کی۔ درج ذیل آیت میں اس کا ذکر یوں آتا ہے:

''نوح ؑ نے عرض کی اے میرے ربّ! میں نے دعوت دی اپنی قوم کو رات کے وقت اور دن کے وقت۔ لیکن میری دعوت کے باعث ان کے فرار (اور نفرت) میں اضافہ ہوا اور جب بھی میں نے انہیں بُلایا تاکہ تو ان کو بخش دے تو (ہر بار) انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیں اور اپنے اوپر لپیٹ لیے اپنے کپڑے اور اَڑ گئے (کفر پر) اور پرلے درجے کے متکبر بن گئے پھر (بھی) میں نے ان کو بلند آواز سے دعوت دی۔ پھر انہیں کُھلے بندوں بھی سمجھایا اور چپکے چپکے بھی انہیں (تلقین) کی۔ پس میں نے کہا ابھی وقت ہے معافی مانگ لو اپنے رب سے۔ بیشک وہ بخشنے والا ہے''۔ (نُوح۔ 71:5-10)

ان آیات سے ہمیں معلوم ہوا کہ زیادہ تر لوگ زمانے اور مقام کا خیال کیے بغیر سچے دین کی طرف دی جانے والی دعوت کو قبول نہیں کرتے۔ مگر یہ بات فراموش نہ کی جائے کہ ان کے اس روّیے سے مومنین مایوس نہیں ہوتے، کیونکہ یہ جانتے ہیں کہ ان لوگوں کو صرف اللہ ہی ایمان کی دولت سے نواز سکتا ہے۔ مومنین جس قدر اچھے الفاظ میں ان سے بات کریں، ان کی گفتگو اور دعوت حق کے الفاظ اور زبان جس قدر بھی متاثر کرنے والی ہو جب تک اللہ ایسا نہ چاہے مومنین میں ایمان داخل تو نہیں کر سکتے۔ دیگر آیات سے بھی یہی سچائی مترشح ہوتی ہے:

''اور ہم نے بھیجا ہر امّت میں ایک رسول (جو انہیں یہ تعلیم دے) کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور دُور رہو طاغوت سے۔ سو ان میں سے کچھ وہ لوگ تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور ان میں سے کچھ ایسے بھی

تھے جن پر گمراہی مسلط ہو گئی۔ پس سیروسیاحت کرو زمین میں اور اپنی آنکھوں سے دیکھو کس قدر عبرتناک تھا انجام (رسولوں کو) جھٹلانے والوں کا۔ (اے حبیب) آپ خواہ کتنے ہی حریص ہوں ان کے ہدایت یافتہ ہونے پر مگر اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا جنہیں وہ (پیہم سرکشی کے باعث) گمراہ کر دیتا ہے اور نہیں اُن کے لیے کوئی مدد کرنے والا۔'' (النحل۔ 16:36-37)

ان تمام آیات سے معلوم ہوا کہ کوئی کسی کو ایمان لانے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اس لیے مومنین کا کام صرف دعوت حق دینا ہے۔ یہ فریضہ سرانجام دینے کے بعد انہیں اب یہ کام اللہ پر چھوڑ دینا چاہیے کہ وہ ان لوگوں کو ایمان عطا فرما دے۔ اللہ پر یقین رکھتے ہوئے، صبر وتحمل سے کام لے کر اور نہایت احسن طریقے سے دین کی دعوت دینے کا لوگوں کے دلوں پر بڑا اثر ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''پس آپ انہیں سمجھاتے رہا کریں۔ آپ کا کام تو سمجھانا ہی ہے۔ آپ ان کو جبر سے سمجھانے والے تو نہیں ہیں۔ مگر جس نے روگردانی کی اور کفر کیا تو اللہ اس کو سخت عذاب دے گا۔ بیشک انہیں (آخر) ہمارے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے۔ پھر یقیناً ہمارے ہی ذمے ان کا حساب لینا ہے۔'' (الغاشیہ۔ 88:21-26)

صرف اللہ ہی ایمان کی دولت عطا کرتا ہے تاکہ کسی کو مومن بنا دے۔ دوسری بھی کئی آیات میں، جو نیچے مذکور ہیں اس حقیقت کو بیان فرمایا گیا ہے:

''اور اگر چاہتا آپ کا ربّ تو ایمان لے آتے جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کے سب' کیا آپ مجبور کرنا چاہتے ہیں لوگوں کو یہاں تک کہ وہ مومن بن جائیں اور کوئی بھی ایسا شخص نہیں کہ وہ ایمان لا سکے بغیر حکم الٰہی کے اور (سنت الٰہی یہ ہے کہ) وہ ڈالتا ہے (گمراہی کی) آلودگی ان لوگوں پر جو بے سمجھ ہیں۔'' (یُونس۔ 10:99-100)

''بیشک آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کو آپ پسند کریں البتہ اللہ تعالیٰ

ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت یافتہ لوگوں کو۔"
(القصص۔28:56)

سورۃ یوسف میں بھی اس موضوع پر بحث کی گئی ہے۔ اس حقیقت کے باوجود کہ دعوت حق کس قدر درست ہے جن لوگوں کو ہدایت نہیں ملی وہ ایمان لا ہی نہیں سکتے۔ مسلمانوں کی ذمہ داری صرف دعوت ایمان اور مشورہ دینا ہے اور اس کے بعد کا مرحلہ اللہ پر چھوڑ دینا چاہیے کہ کوئی مومن بنتا ہے یا کافر ہی رہتا ہے۔ اللہ ان کی سعی و کوشش کو قبول فرما کر انہیں اس کا اجر دے گا اور اس کے برعکس جو دعوت حق کو ماننے سے انکار کریں گے انہیں سزا ملے گی۔ سورۃ یوسف میں اس سچائی کو یوں بیان فرمایا ہے:

"اور نہیں ہیں اکثر لوگ خواہ آپ کتنا ہی چاہیں' ایمان لانے والے اور نہیں طلب کرتے آپ ان سے اس (درسِ ہدایت) پر کچھ معاوضہ نہیں ہے یہ مگر نصیحت سب جہانوں کے لیے اور کتنی ہی (بیشمار) نشانیاں ہیں جو آسمانوں اور زمین (کے ہر گوشہ) میں (سجی ہوئی) ہیں جن پر یہ (ہر صبح و شام) گزرتے ہیں اور وہ ان سے روگردانی کیے ہوتے ہیں اور نہیں ایمان لاتے ان میں اکثر اللہ کے ساتھ مگر اس حالت میں کہ وہ شرک کرنے والے ہوتے ہیں۔ کیا وہ بے غم ہو گئے ہیں اس بات سے کہ آئے ان پر چھا جانے والا اللہ تعالیٰ کا عذاب یا آ جائے ان پر قیامت اچانک اور انہیں اس کی آمد کا شعور تک نہ ہو۔ آپ فرما دیجیے یہ میرا راستہ ہے میں تو بُلاتا ہوں صرف اللہ کی طرف۔ واضح دلیل پر ہوں میں اور (وہ بھی) جو میری پیروی کرتے ہیں اور ہر عیب سے پاک ہے اللہ تعالیٰ اور نہیں ہوں میں مشرکوں میں سے"۔ (یوسف۔12:103-108)

"بیشک ہم نے بنایا ان چیزوں کو جو زمین پر ہیں اس کے لیے باعث زینت و آرائش تاکہ ہم انہیں آزمائیں کہ ان میں سے کون عمل کے لحاظ سے بہتر ہے۔" (الکھف۔18:7)

اکثر لوگ یہ نہیں جانتے کہ اس دنیا کی زندگی ان کے لیے ایک آزمائش ہے کہ اللہ

کی نظر میں ان کی حقیقی قدروقیمت کیا طے ہوتی ہے یا وہ اس حقیقت سے آگاہ تو ہوتے ہیں لیکن اسے نظرانداز کرنے کا انتخاب کر لیتے ہیں۔ اسی لیے وہ دنیا میں اس قدر محو ہو جاتے ہیں اور انہیں نہ موت یاد رہ جاتی ہے نہ آخرت کی دائمی زندگی:

"اور ہم ضرور آزمائیں گے تمہیں کسی ایک چیز کے ساتھ یعنی خوف اور بھوک اور کمی کرنے سے (تمہارے) مالوں اور جانوں اور پھلوں میں اور خوشخبری سنایئے ان صبر کرنے والوں کو"۔ (البقرہ۔2:155)

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کی زندگی کا مقصد اور موت کے بارے میں درج ذیل آیت میں فرمایا:

"جس نے پیدا کیا ہے موت اور زندگی کو تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے اور وہی دائمی عزت والا' بہت بخشنے والا ہے"۔ (الملک۔67:2)

صرف یہ کہہ دینا کہ "میں ایمان لے آیا" اللہ کی خوشنودی، اس کا کرم اور جنت حاصل کرنے کے لیے کافی نہیں ہے بلکہ لوگوں کو اپنے ایمان کا عمر بھر ثبوت دینا ہے اور ہر حال میں ایمان سلامت رکھنا ہے۔ بیماری میں، مشکل اور بھوک میں، دولت کی موجودگی میں، طاقت کی موجودگی میں اور بااثر ہونے کے باوجود اللہ کی طرف رجوع کرنا اور اس کے احکام کی سختی سے پابندی کرنا لازمی ہے کیونکہ

"کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ انہیں صرف اتنی بات پر چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ کہیں کہ ہم ایمان لے آئے اور انہیں آزمایا نہیں جائے گا اور بیشک ہم نے آزمایا تھا ان لوگوں کو جو ان سے پہلے گزرے۔ پس اللہ تعالیٰ ضرور دیکھے گا انہیں جو (دعوائے ایمان میں) سچے تھے اور ضرور دیکھے گا (ایمان کے) جھوٹے (دعویداروں) کو"۔ (العنکبوت۔3-29:2)

لیکن بہت سے لوگ اس دُنیا کی خوشیوں کو آخرت کی زندگی کے انعامات پر ترجیح دیتے ہیں۔ نئے سے نئے ماڈل کی سپورٹس کار، ایک عالیشان بنگلہ، ہیرے جواہرات اور قیمتی پارچہ جات کی موجودگی کو ہی غلطی سے مقصد حیات سمجھا جاتا ہے۔ وہ امارت کی دوڑ

میں اور امیر ہونے کی کوشش کرتے ہیں، پہلے سے زیادہ شہرت کے حصول کی کوشش میں رہتے ہیں اور پوری زندگی اسی قسم کی چیزوں کے تعاقب میں گزار دیتے ہیں مگر کسی بھی شے سے انہیں اس وقت تک فائدہ نہ پہنچے گا جب تک اس کا صحیح اور مناسب استعمال نہیں کریں گے جیسا کہ درج ذیل آیات میں بتایا گیا ہے:

''آراستہ کی گئی لوگوں کے لیے ان خواہشوں کی محبت یعنی عورتیں اور بیٹے اور خزانے، جمع کیے ہوئے سونے اور چاندی کے اور گھوڑے نشان لگائے ہوئے اور چوپائے اور کھیتی۔ یہ سب کچھ سامان ہے دنیوی زندگی کا اور اللہ ہے جس کے پاس اچھا ٹھکانا ہے (اے میرے رسول!) آپ فرمایئے کیا بتاؤں میں تمہیں اس سے بہتر چیز۔ ان کے لیے جو متقی بنے ان کے ربّ کے ہاں باغات ہیں رواں ہیں ان کے نیچے نہریں۔ ہمیشہ رہیں گے ان میں اور ان کے لیے پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور حاصل ہوگی انہیں خوشنودی اللہ کی اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھنے والا ہے اپنے بندوں کو''۔ (آل عمران۔3:14-15)

ان تمام آیات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس دنیا کی زندگی عارضی ہے اور اس کی دلکشی گمراہ کر دیتی ہے۔ آخرت کے قریب کے زمانے میں، جیسا کہ تاریخ میں ایسا ہوتا آیا ہے، تمام موجود چیزیں (مثلاً محلات، بڑے بڑے کارخانے، پُل، سونا، ہیرے جواہرات، مال و دولت سے بھرے ہوئے بنک، سٹاک کے حصص، کاریں، تیز رفتار کشتیاں اور ہوائی جہاز) لوگوں کو آزمانے کے لیے تخلیق کی جاتی ہیں۔ انسانی معاشروں میں ان چیزوں کا کسی کے پاس ہونا یا نہ ہونا مخصوص مفاہیم رکھتا ہے مگر اللہ کی نظر میں ان کی کوئی قیمت نہیں۔

جو شے زیادہ اہم ہے وہ اللہ پر ایمان، اخلاص، اچھی سیرت ہے۔ ہر انسان نے ایک روز موت کا ذائقہ چکھنا ہے جسے اس وقت یہ احساس ہوگا کہ آخرت کی دائمی زندگی ہی اصل زندگی ہے اس لیے دنیا کی زندگی کی کشش سے بے راہ ہو جانا حماقت ہے۔ وہ مومنین جنہیں یہ سچائی معلوم ہو جاتی ہے وہ آخرت کی دائمی زندگی کے بدلے میں اس دنیا کی زندگی اور املاک قربان کر دیتے ہیں اور اس سودے پر خوشی محسوس کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مومنین سے فرماتا ہے:

''یقیناً اللہ نے خرید لی ہیں ایمانداروں سے ان کی جانیں اور ان کے مال اس عوض میں کہ ان کے لیے جنت ہے۔ لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں۔ پس قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں۔ وعدہ کیا ہے اللہ نے اس پر پختہ وعدہ تورات اور انجیل اور قرآن (تینوں کتابوں) میں اور کون زیادہ پورا کرنے والا ہے اپنے وعدے کو اللہ تعالیٰ سے (اے ایمان والو!) پس خوشیاں مناؤ اپنے اس سودے پر جو کیا ہے تم نے اللہ سے اور یہی تو سب سے بڑی فیروزمندی ہے۔'' (التوبہ۔9:111)

''اور ہم ہی بنانے والے ہیں ان چیزوں کو جو زمین پر ہیں (ویران کر کے) چٹیل میدان، غیر آباد''۔ (الکھف 18:8)

جیسا کہ اس سے قبل کہا گیا دنیا کی ساری خوبصورتی اور دولت بنی نوع انسان کو آزمانے کے لیے تخلیق کی گئی ہے۔ اس آیت میں ہمارا مالک و خالق ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ہماری ملکیتیں، مال و دولت، سازو سامانِ حیات خواہ کتنے ہی قیمتی اور عالیشان کیوں نہ ہوں، بالآخر انہیں ایک روز مٹی میں مل جانا ہے۔

اگر اللہ چاہے تو وہ ان تمام اشیاء کو اچانک ختم کر سکتا ہے جو لوگوں کو اس کی یاد سے غافل کر دیتی ہیں اور اس طرح وہ لوگ تہی دست ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اللہ قادرِ مطلق ہے۔ دولت بھی وہی عطا کرتا ہے اور غربت بھی۔ وہ چونکہ ہر شے کا مالک ہے اس لیے جو شے جسے چاہتا ہے دے دیتا ہے۔ اس کی مرضی ومنشا میں کون شریک ہوسکتا ہے۔ قرآن میں اس بارے میں کئی مقامات پر ذکر آیا ہے۔ ان میں سے چند آیات یہ ہیں:

''اسی کے قبضے میں ہیں کنجیاں آسمانوں اور زمین (کے خزانوں) کی۔ کشادہ کرتا ہے رزق کو جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کے لیے چاہتا ہے) بیشک وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے''۔ (الشوریٰ 42:12)

''کیا انہوں نے (بارہا) مشاہدہ نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ کشادہ کر دیتا ہے رزق کو جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کے لیے چاہتا ہے) بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لے آئے ہیں۔ (الروم۔30:37)

''اللہ تعالیٰ کشادہ کرتا ہے رزق کو جس کے لیے چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اور تنگ کرتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔'' (العنکبوت۔29:62)

''کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ غار والے اور رقیم والے ہماری ان نشانیوں میں سے ہیں جو تعجب خیز ہیں۔ (یاد کرو) جب پناہ لی ان نوجوانوں نے غار میں۔ پھر انہوں نے دُعا مانگی اے ہمارے ربّ! ہمیں مرحمت فرما' اپنی جناب سے رحمت اور مہیا فرما ہمارے لیے اس کام میں ہدایت''۔(الکھف۔10-18:9)

ان آیات میں اس گروہ کی غیر معمولی صورت حال کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے تجربات عام تجربات سے ہٹ کر مابعد الطبیعیاتی قسم کے ہیں۔ ان کی پوری زندگی معجزانہ باتوں سے بھری ہوئی ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ احادیث مبارکہ ایسی ہیں جو آخرت سے متعلق معلومات فراہم کرتی ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ وہ لوگ جو قربِ آخرت کے دنوں میں زندہ ہوں گے انہیں مافوق الفطرت تجربات پیش آئیں گے۔

اس آیت سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ آخرت کے قریبی زمانے کے نوجوانوں کی ذمہ داریاں بڑھ جائیں گی کیونکہ انہیں مخالف مذہبی فلسفوں کے خلاف نظریاتی جدوجہد میں اہم کردار ادا کرنا ہوگا۔ انہیں سچا دین پیش کرنا ہوگا اور ظلم و بربریت کے خلاف جنگ کرنی ہوگی۔ دوسری آیات میں بتایا گیا ہے کہ ان نوجوانوں کی اہمیت اس لیے بھی زیادہ ہوگی کہ یہ لوگوں کو مذہب کے بارے میں بتائیں گے۔ مثال کے طور پر ہمیں سورۃ الکھف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ''نوجوان ملازم'' کے بارے میں بتایا گیا ہے اور ایک دوسری آیت میں مذکور ہے کہ صرف چند لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے ان پر ایمان لائے تھے:

''پس نہ ایمان لائے موسیٰ پر بجز ان کی قوم کی اولاد کے (وہ بھی) ڈرتے ہوئے فرعون سے اور اپنے سرداروں سے کہ کہیں وہ انہیں بہکا نہ دے۔'' (یونس۔10:83)

سورۃ الکھف کی آیت:10 ہمیں بتاتی ہے کہ ان نوجوانوں نے مروجہ ظالمانہ نظام سے بچنے کے لیے ایک غار میں پناہ تلاش کر لی تھی۔ اس نظام میں یہ نہ تو اپنے خیالات کا کھلے بندوں اظہار کر سکتے تھے، نہ سچ بول سکتے تھے نہ اللہ کے دین کو اپنا سکتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے آپ کو لوگوں سے دُور کر لیا تھا۔

غالباً اس آیت میں اس بات کی طرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے کہ آخرت کے قریبی دور میں بھی ایسی ہی مطلق العنان حکومت قائم ہوگی۔ اس لیے کہ وہ حکومتیں جو کمیونزم' فاشزم یا دیگر نظریات پر قائم ہوتی ہیں وہ انسانوں کی آزادیاں سلب کر لیتی ہیں اور مذہبی زندگی گزارنے پر ظلم ڈھاتی ہیں۔ اصحاب کہف نے اپنے لوگوں کو چھوڑ کر غار میں پناہ لی تھی کیونکہ ان پر بھی اسی قسم کا ظلم وستم روا رکھا گیا تھا۔ قربِ آخرت کے زمانے کے مسلمانوں کو غالباً نظروں سے اوجھل رہنا ہوگا تاکہ کمیونسٹوں اور فاشسٹوں کے ظالمانہ نظاموں سے محفوظ رہ سکیں۔ وہ لوگ جو معاشرے سے دُور رہنے میں کامیاب ہو جائیں گے وہ کبھی کبھار ہی دوسروں کو دکھائی دیں گے۔

مگر اسے بیکارپن کا دَور نہ تصور کیا جائے اس لیے کہ اصحاب کہف نے غار میں پناہ لیتے وقت اللہ کی مدد اور اس کی رحمت طلب کی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ خود کو بہتر بنانے کا عزم بھی کیا تھا۔ آخرت کے قریبی دور میں وہ مسلمان جو ظالموں کی حکومت میں زندہ ہوں گے اپنے آپ کو چھپا لیں گے اور اللہ کی رحمت اور مدد کے امیدوار ہوں گے، اس طرح وہ اپنی زندگی بہتر بنا کر مذہب دشمن تحریکوں کے خلاف جدوجہد کر سکیں گے۔

اصحاف کہف نے جو دعا اللہ سے مانگی وہ اس سورۃ کی آیت 10 میں مذکور ہے۔ اس آیت سے ہماری توجہ اس حقیقت کی جانب بھی مبذول کرائی گئی ہے کہ مومنین کو یہ کبھی نہ بھولنا چاہیے کہ صرف اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے جو کچھ ہوتا ہے۔ تمام انسان اس ذات باری تعالیٰ کے محتاج ہیں اور وہ محض اپنی کوشش، ذہانت یا طاقت سے اس وقت تک کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتے جب تک اللہ ایسا نہ چاہے۔ یہ خود تو اتنے بے بس ہیں کہ ہاتھ تک نہیں اُٹھا سکتے' نہ چل سکتے ہیں' نہ سانس لے سکتے ہیں جب تک کہ اللہ کی مرضی نہ ہو' پھر یہ کسی بات کے نتیجے کو کیسے دیکھ سکتے ہیں۔ بہت سی آیات لوگوں کو یہ یاددلاتی ہیں کہ ہمیشہ اللہ کی مدد پر بھروسہ کرو، اسی کی رحمت کے طلب گار رہو کیونکہ تم خود بہت کمزور ہو۔

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ صرف اللہ کے حکم سے ہوتا ہے جو کچھ بھی ہوتا ہے۔ مثلاً

''پس تم نے نہیں قتل کیا انہیں بلکہ اللہ نے قتل کیا انہیں اور (اے محبوب) نہیں پھینکی آپ نے (وہ مُشتِ خاک) جب آپ نے پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تا کہ احسان فرمائے مومنوں پر اپنی جناب سے۔ بہترین احسان بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔'' (الانفال۔8:17)

اللہ ہی ہر شے کا خالق ہے اور ہر بات اس کے حکم سے ہوتی ہے۔ دوسری طرف بنی نوع انسان کو اخلاص اور تسلیم و رضا میں آزمایا جاتا ہے۔ اصحابِ کہف اس حقیقت سے باخبر تھے، انہوں نے غار میں پناہ لینے کے فوراً بعد اللہ سے رجوع کیا اور اپنی بندگی کا اظہار کرتے ہوئے دُعا کی۔ وہ یہ جانتے تھے کہ اللہ ان کے شعور میں اضافہ فرما کر تمام چیزوں کو ہر پہلو سے سمجھنے میں آسانی پیدا کر دے گا۔ پہلا کام انہوں نے یہ کیا کہ اپنے اللہ سے مدد چاہی۔ جیسا کہ یہ صورت حال بتاتی ہے سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ لوگ سچے مسلمان ہوں جو اپنے مالک و خالق سے ہر شے مانگتے ہوں۔

''پس ہم نے بند کردیئے ان کے کان (سننے سے) اس غار میں کئی سال تک جو گنے ہوئے تھے۔'' (الکھف۔18:11)

جس طرح اصحابِ کہف نے اس مروجہ نظام سے اور اس نظام کے ظلم وستم سے بچنے کے لیے، جس میں خدا کوئی تصور نہ تھا، غار میں پناہ لے لی تھی۔ اسی طرح آخرت کے قریبی زمانے کے مسلمان اپنے آپ کو چھپالیں گے تا کہ وہ کمیونزم، فاشزم اور دشمنانِ اسلام اور دشمنانِ اخلاقی اقدار کے ظالمانہ نظاموں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکیں۔ اُن لوگوں کا وجود اصحابِ کہف سے ملتا جلتا ہوگا۔ اُن پر ظلم ہوگا، انہیں اپنے خیالات کے اظہار کی اجازت نہیں ہوگی، نہ یہ اپنی مرضی سے اپنے مافی الضمیر کو بیان کر سکیں گے۔

تاہم یوں پوشیدہ ہو جانے کے اس دَور کے بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ تو امن و سلامتی اور اطمینان کے آنے والے دنوں کے انتظار کا وقت ہوگا۔ یہ الفاظ کہ ''پس ہم نے بند کر دیئے ان کے کان (سننے سے) اس غار میں کئی سال تک جو گنے ہوئے تھے'' اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ مومنین کا چھپ جانے کا عرصہ اس

طرح گزرے گا کہ ان کے دلوں میں اطمینان ہو اور وہ یوں محسوس کریں جیسے وہ حالتِ نیند میں ہیں۔

مسلمانوں کے لیے یہ دَور ذاتی ترقی، تعلیم، حصول علم اور اپنے عقیدے کو مضبوط تر بنانے کا دَور ہوگا۔ کفار اور اخلاقی اقدار کے دشمنوں کے ظلم و تشدد، ناانصافی اور معاشرے پر ڈھائے جانے والے مظالم کا اُن پر کوئی اثر نہ ہوگا۔ مومنین اس ساری مشکل سے دُور ہوں گے گویا وہ کسی غار میں ہیں اور اللہ کے خاص فضل و کرم سے یہ صورت حال ان کی حفاظت کرے گی۔

یہ لوگ آج بھی مذہب دشمن نظاموں کے ظلم وستم کا شکار ہیں۔ یہ انتشار اور ناانصافی آخرت کی نشانی ہے۔ تاہم مسلمان یہ جانتے ہیں کہ اللہ نے چاہا تو یہ مشکل دَور ختم ہو کر رہے گا۔ یہی احساس انہیں انتہائی خوشی و مسرت سے ہمکنار کرتا ہے۔

''پھر ہم نے انہیں بیدار کر دیا تا کہ ہم دیکھیں کہ ان دو گروہوں میں سے کون صحیح شمار کر سکتا ہے اس مدت کا جو وہ (غار میں) ٹھہرے تھے۔'' (الکھف۔18:12)

جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اصحابِ کہف ایک خاص مدت تک اس کے اندر رہے۔ پھر جب اللہ نے چاہا تو وہ بیدار ہو گئے۔ اسی طرح دورِ آخرت میں اہل ایمان اس وقت تک پوشیدہ رہیں گے جب تک کہ اللہ کی طرف سے مقرر کیا گیا عرصہ ختم نہیں ہو جاتا۔ پھر ہر راز پر سے پردہ اُٹھ جائے گا۔ مسلمان دوسرے لوگوں کے ساتھ آزادی کے ساتھ رہیں گے اور انہیں دین کی سچائی اللہ کے وجود اور قرآن میں بتائے گئے اخلاق کے بارے میں بتائیں گے۔

صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ یہ عرصہ کتنا طویل ہوگا جیسا کہ اس آیت میں مذکورہ ہے کہ اس کے برسوں، دنوں اور گھنٹوں کی تعداد کے بارے میں صرف اللہ علم رکھتا ہے۔ سورۃ الجن میں اللہ کی اس صفت کا بیان ہے جسے ''المحصی'' (شمارکنندہ) کہا گیا ہے (ہر چیز کا شمار کر لینے والا، وہ جو ہر شے کی تعداد کے بارے میں جانتا ہے خواہ وہ لامحدود ہی کیوں نہ ہو)

''تا کہ وہ دیکھ لے کہ انہوں نے اپنے ربّ کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں (درحقیقت پہلے ہی) اللہ ان کے حالات کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور ہر چیز کا اس نے شمار کر رکھا ہے۔'' (الجن۔72:28)

''(اے حبیب) ہم بیان کرتے ہیں آپ سے ان کی خبر ٹھیک ٹھیک۔ بیشک وہ چند نوجوان تھے جو اپنے ربّ پر ایمان لائے اور ہم نے ان کے (نورِ ہدایت) میں اضافہ کر دیا۔'' (الکھف۔18:13)

یہ آیت ایک مضبوط ایمان اور رہنمائی کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے کیونکہ اللہ کی موجودگی میں ایک بڑا کام جو انسان نے سرانجام دیا ہو اس کی قدر و قیمت اس وقت تک کچھ نہ ہوگی جب تک اس نے قرآن میں مذکور احکامات کی تعمیل نہ کی ہو اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر نہ چلا ہو۔ اس دنیا کی انسان کی کامیابی، اعلیٰ ملازمت یا شہرت آخرت میں اس کے کسی کام نہ آئے گی کیونکہ جس چیز کی صحیح معنوں میں اہمیت ہوگی وہ ایمان اور اللہ کی فرمانبرداری ہے جو اپنے ماننے والوں کی رہنمائی یوں فرماتا ہے:

''یہ ذی شان قیامت ذرا شک نہیں اس میں۔ یہ ہدایت ہے پرہیزگاروں کے لیے۔ وہ جو ایمان لائے ہیں غیب پر اور صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز اور اس سے جو ہم نے انہیں روزی دی خرچ کرتے ہیں اور وہ جو ایمان لائے ہیں اس پر (اے حبیبؐ!) جو اُتارا گیا ہے آپ پر اور جو اُتارا گیا آپ سے پہلے اور آخرت پر بھی وہ یقین رکھتے ہیں۔ وہ ہی لوگ ہدایت پر ہیں اپنے ربّ (کی توفیق) سے اور وہی دونوں جہانوں میں کامیاب ہیں۔'' (البقرہ۔5-2:2)

ایک اور آیت میں ہمارے ربّ نے مومنین کو یہ خوشخبری سنائی ہے کہ انہیں کوئی خوف اور غم نہ ہوگا:

''ہم نے حکم دیا اُتر جاؤ اس جنت سے سب کے سب پھر اگر آئے تمہارے پاس میری طرف سے (پیغام) ہدایت تو جس نے پیروی کی میری ہدایت کی نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔'' (البقرہ۔2:38)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ مسلمانوں کے لیے ان کے کاموں میں کامیابی رکھ دیتے ہیں۔ اگر وہ مشکلات کا مقابلہ کر رہے ہوں تو اللہ ان کی مدد فرماتا ہے۔ درج ذیل آیت میں اس سچائی کو یوں بیان فرمایا گیا ہے:

''اللہ مددگار ہے ایمان والوں کا۔ نکال لے جاتا ہے انہیں اندھیروں سے نُور کی

طرف اور جنہوں نے کفر کیا ان کے ساتھی شیطان ہیں۔ نکال لے جاتے ہیں انہیں نُور سے اندھیروں کی طرف۔ یہی لوگ دوزخی ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔'' (البقرہ۔2:257)

''اور ہم نے مضبوط کر دیا ان کے دلوں کو جب وہ راہِ حق میں کھڑے ہو گئے تو انہوں نے (برملا) کہہ دیا ہمارا پروردگار وہ ہے جو پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا۔ ہم ہرگز نہیں پکاریں گے اس کے سوا کسی معبود کو (اگر ہم ایسا کریں) تو گویا ہم نے ایسی بات کہی جو حق سے دُور ہے۔ (الکھف۔18:14)

اس آیت سے مومنوں کے صبر و تحمل، عزم صمیم اور قوتِ ارادی کا پتا چلتا ہے۔ صرف اللہ پر یقین رکھنے والے لوگوں میں یہ صفات پائی جاتی ہیں'' اور ہم نے مضبوط کر دیا'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ہر شے کے بارے میں حکم جاری فرماتا ہے اور مومنوں کو قوت بخشتا ہے تا کہ وہ تمام مشکلات کا مقابلہ صبر اور عزم کے ساتھ کر سکیں۔

اللہ نے جس کسی کا جو مقدر لکھ دیا ہے وہ اُس سے آگے جا ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ جو لوگ اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ اللہ نے ہی ہر ایک کا مقدر لکھ دیا ہے اور اس کے خلاف کوئی نہیں جا سکتا، انہیں صبر آ جاتا ہے۔ ان کا یہ علم کہ اللہ ہر شے کی تخلیق اپنے فرمانبردار بندوں کے لیے بہترین طریقے سے کرتا ہے۔ انہیں تسلی اور اطمینان بخشتا ہے۔ اللہ ایسے لوگوں کو نجات کی اچھی خبر سناتا ہے اور اپنے ان بندوں کے لیے بہت بڑے انعام کی نوید دیتا ہے جو صبر سے کام لیتے اور اس اخلاق حسنہ کا مظاہرہ کرتے ہیں اس مضمون کو درج ذیل آیات میں یوں بیان فرمایا ہے:

''جو (مال و زر) تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور (جو رحمت کے خزانے) اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں وہ باقی رہیں گے اور ہم ضرور عطا کریں گے انہیں جنہوں نے (ہر مصیبت میں) صبر کیا ان کا اجر ان کے اچھے (اور مفید) کاموں کے عوض جو وہ کیا کرتے تھے۔ جو بھی نیک کام کرے مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اسے عطا کریں گے ایک پاکیزہ زندگی اور ہم ضرور دیں گے انہیں ان کا اجر ان کے اچھے (اور مفید) کاموں کے عوض جو وہ کیا کرتے تھے۔'' (النحل۔97-16:96)

"اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی ۔ اور آپس میں نہ جھگڑو ورنہ تم کم ہمت ہو جاؤ گے اور اکھڑ جائے گی تمہاری ہوا اور (ہر مصیبت میں) صبر کرو اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔" (الانفال۔8:46)

"......تم میں سے بیس آدمی صبر کرنے والے اگر ہوں تو وہ غالب آئیں گے دو سو پر اور اگر ہوئے تم میں سے سو آدمی (صبر کرنے والے) تو غالب آئیں گے ہزار کافروں پر کیونکہ یہ کافر وہ لوگ ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے۔" (الانفال۔8:65)

مومنین کی صفات میں عزم صمیم اور ثابت قدمی کے ساتھ ساتھ ایمان اور اللہ پر بھروسہ شامل ہیں۔ وہ لوگ جو مقدر پر یقین رکھتے ہیں اور اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں وہ مشکلات کے وقت حوصلہ نہیں ہارتے کیونکہ وہ یہ جانتے ہیں کہ بالآخر اللہ ہی سب کچھ کرنے پر قادر ہے۔ اس لیے یہ لوگ ہر موقعہ پر خوش آمدید کہتے ہیں اور اس کے ذریعے کسی انعام کے حصول کی توقع رکھتے ہیں۔ وہ اچھے کام خوشی خوشی سرانجام دیتے ہیں۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اصحابِ کہف اپنے غائب رہنے کے بعد جب باہر آئے تو بادشاہِ وقت کی موجودگی میں آئے۔ اس زمانے میں بُت پرستی اور اللہ کا انکار وسیع پیمانے پر پھیلا ہوا تھا۔

لوگ مذہبی اخلاقیات سے بہت دُور تھے اور مسلمانوں پر ابھی تک ظلم وستم روا رکھا جاتا تھا۔ اس صورت حال کے باوجود اصحابِ کہف نے بادشاہ کو بتایا کہ وہ اپنا مذہب کبھی نہیں چھوڑیں گے اور صرف خدائے واحد کی پرستش جاری رکھیں گے جو معبود حقیقی ہے ان کے نزدیک اس کے برعکس کچھ کہنا اللہ کے خلاف جُرم ہوگا یہاں تک کہ بادشاہ کے حفظِ مراتب کا خیال کرتے ہوئے بھی وہ ایسا نہ کر سکیں گے۔

ایک ظالم حکمران کے سامنے اس قدر جرأت اور عزم صمیم کا اظہار یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ پکے مسلمان تھے۔ اللہ مومنین کو بہترین نفع بہم پہنچانے کے لیے ان کے مقدر میں سب کچھ لکھ دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک وہ نہ چاہے انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اصحابِ کہف چونکہ یہ حقیقت جانتے تھے اس لیے وہ اللہ پر اس مثالی بھروسے اور توکل کا مظاہرہ کر سکتے تھے۔

آخرت کے قریب کے زمانے میں لوگ بتوں کی پرستش شروع کر دیں گے اور اپنے گمراہ کُن اور مضحکہ خیز نظریات پھیلانا شروع کر دیں گے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ پکے مسلمان اپنے عقیدے پر قائم رہیں گے اور ایسا کرنے میں وہ اسی جرأت و ہمت اور عزم کا مظاہرہ کریں گے جس کا اظہار انہوں نے ظالم حکمرانوں کی موجودگی میں کیا تھا۔

مشرقی ترکستان کے مسلمان نصف صدی سے زائد عرصے سے جبری کمیونسٹ نظام تلے پسے جا رہے ہیں۔

"یہ ہماری قوم ہے جنہوں نے بنا لیا ہے اس کے سوا غیروں کو (اپنے) خدا۔ کیوں نہیں پیش کرتے ان (کی خدائی) پر کوئی ایسی دلیل جو روشن ہو۔ ورنہ پھر اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتا ہے" (الکھف۔18:15)

جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اصحابِ کہف نے بت پرستوں کو دعوت ایمان دی۔ انہیں اللہ نے دین کی طرف بُلایا، انہیں اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرانے سے باز رکھنے کی کوشش کی، انہوں نے اُن لوگوں سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے انکار کا ثبوت پیش کریں۔ جب وہ ایسا نہ کر سکے تو ان بت پرستوں کو جھوٹا اور بہتان تراش قرار دیا۔

آج بھی مسلمان ان لوگوں سے ثبوت مانگتے ہیں جو اللہ کے علاوہ بتوں کو بھی مانتے ہیں۔ قربتِ آخرت کے زمانے میں ایک ایسا بت پرستانہ عقیدہ موجود ہوگا جس میں مادے اور ناگہانی واقعہ کی پرستش کی جاتی ہو۔

ڈارونیت کا دعویٰ ہے کہ کائنات کا کوئی مقصد نہیں ہے اور یہ محض حادثاتی واقعات کے نتیجے میں وقوع میں آ گئی تھی اور صرف فطرت کے طاقتور اراکین زندہ رہیں گے۔ مذہب سے مُتصادم یہ نظام وہ ہے جس کی بنیاد کسی تصادم، ٹکراؤ اور ظلم پر رکھی گئی ہے۔ درحقیقت ان ناگہانی حادثات کے وقوع پذیر ہونے کے دعوے سوائے بہتان تراشی کے کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ یہ بہتان تراشی ڈارونیت پرستوں نے اللہ پر کی ہے۔ اس اللہ پر جو قادرِ مطلق ہے اور جس نے اس کائنات کی ہر شے تخلیق کی ہے۔

اپنے پرفریب دعووں کو تقویت دینے کے لیے یہ لوگ دھوکہ دہی اور جھوٹ سے کام لیتے اور خود ساختہ ثبوت پیش کرتے ہیں۔ ڈارونیت کی تاریخ ایسے فریبوں سے بھری

ہوئی ہے جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ انسان مختلف ارتقائی منازل سے گزر کر موجودہ شکل کو پہنچا۔ ڈارونیت ثبوت گھڑ لیتی ہے اور تصوراتی تصاویر اور مناظر پیش کرتی ہے تا کہ لوگوں کو یہ یقین دلا سکے کہ موجودہ انسان ماضی کے ارتقائی عمل کے نتیجے میں وجود میں آیا ہے۔ اس سلسلے میں یہ سائنسی ثبوت کو موڑ توڑ کر پیش کرنے کی جسارت کے سوا کچھ نہیں۔

اس کے نتیجے میں ڈارونیت آخرت کے قریب کے زمانے میں وہ مذہب دشمن نظریہ ہے جس سے مسلمانوں کو واسطہ پڑے گا۔ آج کے مسلمان اصحابِ کہف کی طرح ان ڈارونیت پسندوں سے ثبوت مانگ رہے ہیں جو اللہ سے انکار کر کے اتفاق کی پرستش کر رہے ہیں تا کہ اپنے مؤقف کو صحیح ثابت کر سکیں۔ ان کے جواب میں ڈارونیت پسند مزید جھوٹ بولتے اور فریب دیتے ہیں مگر وہ آج تک واضح اور سچا ثبوت کوئی بھی نہ پیش کر سکے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے پاس اپنے دعووں کا کوئی ثبوت ہے ہی نہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمایئے ہارون یحیٰی کی کتاب۔ ''نظریۂ ارتقاء۔ ایک فریب'' مترجم: ڈاکٹر تصدق حسین راجا)

ڈارونیت کا یہ دعویٰ کہ کائنات کی ہر شے محض اتفاق کی پیداوار ہے اللہ پر صریحاً بہتان ہے۔ اس غلط اور بے بنیاد بات کے بارے میں سورۃ الکھف کی آیت نمبر 15 میں یوں ارشاد ہوا:

''ورنہ پھر اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتا ہے۔''

''اور جب تم الگ ہو گئے ہو ان (کفار) سے اور ان معبودوں سے جن کی یہ پوجا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا تو اب پناہ لو غار میں۔ پھیلا دے گا تمہارے لیے تمہارا رب اپنی رحمت (کا دامن) اور مہیا کر دے گا تمہارے لیے اس کام میں آسانیاں''۔(الکھف۔18:16)

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اصحابِ کہف نے نظامِ فکر سے اپنے آپ کو بالکل الگ تھلگ کر لیا تھا۔ اس سے مومنین اور ان کفار کے درمیان ایک نظریاتی تصادم پیدا ہو گیا تھا جو ان پر مظالم ڈھا رہے تھے۔

کفار کے ظلم وستم کی وجہ سے اصحابِ کہف نے بالکل الگ ہو جانے کی ضرورت محسوس کی۔ چنانچہ انہوں نے غار میں پناہ لے کر کفار سے تمام رشتے توڑ لیے تھے۔ اس دوران ان پر اللہ کی رحمت نازل ہوئی جس نے ان کے لیے بہت سی باتیں کئی لحاظ سے آسان فرما دی تھیں' ان کے پروردگار کی سب سے بڑی مدد یہ تھی کہ اس نے انہیں کفار کے منفی اثرات سے بچا لیا تھا۔

لامذہبی معاشرے مسلمانوں کی مقدس اقدار پر حملہ کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ وہ ان کے اعتقادات اور کاموں کا تمسخر اڑاتے ہیں۔ ان وجوہ کی بنا پر مومنین کے لیے اسی میں عافیت ہوتی ہے کہ وہ ان لوگوں سے دُور رہیں۔ اس طرح یہ مسلمان کفار کی دشمنی سے دامن بچا کر مذہب کی خدمت کے زیادہ مواقع حاصل کرتے ہیں۔ اس سے ذاتی ترقی کے لیے بھی وقت مل جاتا تھا اور مسلمان علم کے حصول اور ثقافتی و سماجی سرگرمیوں میں زیادہ سے زیادہ حصہ لینے کے لیے بھی زیادہ وقت حاصل کر سکتے ہیں۔ شکر ہے اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جو اللہ انہیں عطا کرتا ہے وہ اپنے لوگوں کی زیادہ مدد کر کے انہیں بہتر زندگی گزارنے میں معاونت کرتے ہیں، یوں انہیں واحد راہ نجات سے آگاہ کیا جاتا ہے: قرآنی اقدار کو اختیار کرنا۔

''اور تُو دیکھے گا سُورج کو جب وہ اُبھرتا ہے تو ہٹ کر گزرتا ہے ان کے غار سے دائیں جانب اور جب وہ ڈوبتا ہے تو بائیں طرف کتراتا ہوا ڈوبتا ہے اور وہ (سو رہے) ہیں ایک کشادہ جگہ غار میں (سُورج کا) یوں (طلوع وغروب) اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے (حقیقت یہ ہے) کہ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ کر دے تو نہیں پائے گا اس کے لیے کوئی مددگار اور رہنما۔'' (الکھف۔18:17)

اس آیت میں مسلمانوں کے گھروں کے ذکر کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ ان میں سُورج کی روشنی پہنچنی چاہیے۔ گھر میں صبح اور غروب آفتاب تک روشنی جانی چاہیے تا کہ اس گھر کے مکین دھوپ کے مثبت اثرات سے مستفید ہو سکیں کیونکہ اس سے صحت مند فضا پیدا ہوتی ہے یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہو کہ گھر کشادہ اور کھلے اور آرام دہ ہوں تا کہ ان میں زندگی گزارنے والے لوگ خوش و خرم رہ سکیں۔

مسلمانوں کو اپنے گھر بناتے وقت یہ خیال رکھنا چاہیے کہ یہ گھر کشادہ و کھلے، ہوادار، پُرسکون اور روشن ہوں۔

جیسا کہ پہلے یہ ذکر آ چکا ہے اس آیت میں اللہ کی ہدایت و رہنمائی کی جانب توجہ مبذول کرائی گئی ہے۔ اس میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ نجات صرف انہیں ملتی ہے جنہیں اللہ کی ہدایت و رہنمائی حاصل ہو جاتی ہے اور جن کے حصے میں یہ نہ آئے وہ دائمی عذاب میں رہتے ہیں۔

سورۃ الکھف کی آیت :17 میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ وہ مومنین جو دوسروں کو دعوتِ ایمان دیتے ہیں انہیں ایسا صبر وسکون کے ساتھ بغیر کسی تصادم کے کرنا چاہیے۔ انہیں یہ بات کبھی فراموش نہ کرنی چاہیے کہ ایمان کی دولت سے نوازنا تو اللہ کا کام ہے جیسا کہ اس نے اس آیت میں ارشاد فرمایا ہے:

''کوئی زبردستی نہیں ہے دین میں۔ بیشک خوب واضح ہو گئی ہے ہدایت گمراہی سے تو جو انکار کرے شیطان کا اور ایمان لائے اللہ کے ساتھ تو اس نے پکڑ لیا مضبوط حلقہ جو ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔''
(البقرہ۔2:256)

جن لوگوں کو دعوت ایمان دی گئی ہے اگر وہ اسے مسترد کردیتے ہیں تو دعوت دینے والوں کو اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے فریق مخالف کے ساتھ زبردستی نہیں کرنی چاہیے۔

''اور (اگر تو دیکھے تو) تو انہیں بیدار خیال کرے گا حالانکہ وہ سو رہے ہیں اور ہم ان کی کروٹ بدلتے رہتے ہیں (کبھی) دائیں جانب اور (کبھی) بائیں جانب اور ان کا کتا پھیلائے بیٹھا ہے اپنے دونوں بازو ان کی دہلیز پر۔ اگر تو جھانک کر انہیں دیکھے تو ان سے منہ پھیر کر بھاگ کھڑا ہو اور تو بھر جائے ان کے (منظر) کو دیکھ کر ہیبت سے'' (الکھف۔18:18)

آج کچھ مسلمان اسی قسم کی نیند کی حالت میں ہیں۔ اسی لیے مادہ پرستانہ نظریات سے پھیلنے والی بُرائی کا ان پر اثر نہیں ہورہا۔ یہ نظریات لوگوں کو مذہب سے دُور لے جانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ مسلمان قرآنی اخلاقیات کے مطابق زندگی گزار رہے ہیں

اور ان پر اخلاقی دیوالیہ پن، انتشار اور مادہ پرستی کے ظلم وتم کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

غالباً اصحابِ کہف کی نیند کی حالت ان کے اررونی سکون کا نتیجہ تھی اور اس بھروسے اور توکل کی وجہ سے تھی جو انہیں اس لیے حاصل تھا کہ وہ اللہ کی مقرر کردہ تقدیر پر یقین رکھتے تھے۔ اللہ ہر شے کو تخلیق کرنے سے قبل اس کی تقدیر لکھ دیتا ہے اور تمام واقعات مومنین کے فائدے کی شکل میں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ ہمارا رب فرماتا ہے:

''اور ہرگز نہیں بنائے گا اللہ تعالیٰ کافروں کے لیے مسلمانوں پر (غالب آنے کا) راستہ۔'' (النساء۔4:141)

یہ یقیناً ایک اچھی خبر ہے جس سے مومنین کو اطمینان وسکون ملتا ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ ہر شے مسلمانوں کے لیے مثبت اور نفع بخش ہے۔ مسلمانوں کے لیے ایک اور احساس تحفظ ان کے اندر کا اطمینان وسکون ہے جس کا ان سے اللہ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ اپنے فرمانبردار بندوں کو کامیابی سے ہمکنار کرے گا۔ درج ذیل آیت میں مومنین کو یہ خوشخبری سنائی گئی ہے:

''وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے تم میں سے اور نیک عمل کیے کہ وہ ضرور خلیفہ بنائے گا انہیں زمین میں جس طرح اس نے خلیفہ بنایا ان کو جو ان سے پہلے تھے اور مستحکم کردے گا ان کے لیے دین کو جسے اس نے پسند فرمایا ہے ان کے لیے اور وہ ضرور بدل دے گا انہیں ان کی حالتِ خوف کو امن سے۔ وہ میری عبادت کرتے ہیں۔ کسی کو میرا شریک نہیں بناتے اور جس نے ناشکری کی اس کے بعد تو یہی لوگ نافرمان ہیں۔''
(النور۔24:55)

دوسرے لفظوں میں اللہ اپنے فرمانبردار بندوں کی مشکلات کے باوجود اُن کی حفاظت فرمائے گا۔ آج کے مسلمانوں کے اطمینان کا ایک سبب اصحابِ کہف کی طرح یہی ہے۔ مسلمانوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ہر کام اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے اور یہی حقیقت انہیں اطمینان بخشتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری توجہ ان مومنین کے عزم صمیم کی جانب مبذول کراتا ہے جو اس کے سامنے سرِتسلیم خم کرتے، اپنے مقدر پر یقین رکھتے اور اللہ پر توکل کرتے ہیں۔

اسی موضوع پر یہ آیت ملاحظہ فرمایئے:

''آپ فرمایئے ہرگز نہیں پہنچے گی ہمیں کوئی تکلیف بجز اس کے جو لکھ دی ہے اللہ نے ہمارے لیے۔ وہی ہمارا حامی و ناصر ہے اور اللہ پر ہی توکل کرنا چاہیے مومنوں کو۔'' (التوبہ۔9:51)

ہمیں پوری دُنیا میں ایک تصادم نظر آتا ہے۔ لوگ بھوک اور غربت کے خلاف برسرپیکار ہیں اور اخلاقی دیوالیہ پن میں ڈرامائی طور پر اضافہ ہو رہا ہے۔ اس منفی صورت حال سے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ لوگوں کو صبر اور دردمندی کے ساتھ یہ بتایا جائے کہ وہ قرآنی اقدار کو اپنائیں جو دنیا میں اچھائی اور فلاح و بہبود لاسکتی ہیں:

......اور ان کا کُتا پھیلائے بیٹھا ہے اپنے دونوں بازو......'' (الکھف۔18:18)

سورۃ الکھف کی آیت:18 میں جانوروں سے محبت کے بارے میں بھی ذکر ہے اور یہ کہ مسلمان حفاظت و رکھوالی کے لیے باغ میں کتا رکھ سکتے ہیں۔ کتے دوستانہ عادات کے مالک ہوتے ہیں اور ان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ یہ اپنے مالک کے وفادار ہوتے ہیں۔ یہ خطرے کو فوراً بھانپ لیتے ہیں اور مقابلے کے لیے فوراً تیار ہو جاتے ہیں۔ اس لیے مسلمانوں کو احتیاطاً ایک محافظ کتا رکھ تو لینا چاہیے لیکن اُن کا اپنے اللہ پر یقین کامل ہونا چاہیے۔ اس آیت سے یہ مطلب بھی نکل سکتا ہے کہ مسلمان جانوروں کو اس لیے بھی پال سکتے ہیں کہ یہ ان سے محبت کرتے ہیں اور ان کا خیال رکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی مثال دی جاسکتی ہے جیسا کہ درج ذیل آیت میں بتایا گیا ہے:

''جب پیش کیے گئے آپ پر سہ پہر کو تین پاؤں پر کھڑے ہونے والے تیز رفتار گھوڑے۔ تو آپ نے کہا مجھے ان گھوڑوں کی محبت پسند آئی ہے۔ اپنے رب کی یاد کے لیے (پھر انہیں چلانے کا حکم دیا) یہاں تک کہ چُھپ گئے پردے کے پیچھے (حکم دیا) واپس لاؤ انہیں میرے پاس۔ تو ہاتھ پھیرنے لگے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر''۔ (سورہ ص۔33-38:31)

''اور اسی طرح ہم نے انہیں بیدار کردیا تاکہ وہ ایک دوسرے سے آپس میں پوچھیں۔ کہنے لگا ایک کہنے والا ان سے کہ تم یہاں کتنی مدت ٹھہرے ہو بعض

نے کہا ہم ٹھہریں ہوں گے ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔ دوسرے نے کہا تمہارا رب بہتر جانتا ہے جتنی مدت تم ٹھہرے ہو۔ پس بھیجو کسی کو اپنے ساتھیوں سے اپنے ایک سکے کے ساتھ شہر کی طرف ۔ پس وہ دیکھے کہ کس کے ہاں عمدہ پاکیزہ کھانا ملتا ہے۔ پس وہ لے آئے تمہارے پاس کھانا وہاں سے اسے چاہیے کہ خوش خلقی سے کام لے اور کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے دے۔'' (الکھف۔18:19)

مسلمان اس آیت میں کسی نتیجے پر پہنچنے سے قبل اپنی موجودہ حالت کا جائزہ لیتے ہیں۔ اس آیت کا تعلق ان کی اس بحث سے بھی ہے کہ وہ غار میں کتنا عرصہ رہے۔ انہوں نے کہا: ''تمہارا پروردگار بہتر جانتا ہے کہ تم وہاں کتنا عرصہ رہے۔'' اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی آخری فیصلہ نہ ہو سکے تو مومنین کہتے ہیں: ''اللہ بہتر جانتا ہے''۔ اور پھر نتیجہ اسی پر چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ غیب کا علم اسی کو ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس چیز کا علم نہ ہو اس پر بحث کرنا اللہ پر توکل کرنے کی علامت نہیں ہوتا۔ اس سے لوگوں میں افراتفری پھیلتی ہے ایسے موقعوں پر اللہ کے حضور جھک جانا اور مقدر کو یاد رکھنا اہم ہوتا ہے۔

اس آیت میں مومنین کے لیے دیگر پیغامات بھی ہیں۔ اصحابِ کہف نے سب سے پہلے تو اپنے اس ساتھی سے خالص ترین پاکیزہ کھانا لانے کے لیے کہا جسے انہوں نے شہر کھانا لانے کے لیے بھیجا تھا۔ مومنین کو پاکیزگی اور صفائی کا کس قدر خیال ہوتا ہے اس کا ذکر کئی آیات میں آیا ہے' مثلاً اس آیت میں:

''......اور حلال کرتا ہے ان کے لیے پاک چیزیں اور حرام کرتا ہے ناپاک چیزیں۔'' (الاعراف۔7:157)

اور اللہ تعالیٰ نے مومنین کو حکم دیا: ''اور اپنے لباس کو پاک رکھیے''۔ (المدثر۔74:4)

درج ذیل دو آیات میں بھی اچھے اور پاک رزق کا ذکر ہے:

''پس کھاؤ اس سے جو رزق دیا تمہیں اللہ نے جو حلال (اور) طیّب ہے اور شکر کرو اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو''۔ (النحل۔16:114)

''کھاؤ ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں اور اس میں حد سے تجاوز نہ کرنا ورنہ اُترے گا تم پر میرا غضب اور وہ (بدنصیب) اُترتا ہے جس پر میرا غضب تو یقیناً گر کر رہتا ہے''۔ (طٰہٰ۔20:81)

سورۃ الکھف کی آیت:19 سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مومنین اپنے کھانے پینے کی چیزیں شہروں سے خریدتے ہیں۔ غالباً ایسا وہ اس لیے کرتے ہیں کیونکہ شہروں میں کھانے کے سامان کی بہت سی قسمیں ملتی ہیں۔ مومنین کے لیے شہروں میں ایک فائدہ اور یہ ہے کہ دعوتِ ایمان کا آغاز شہروں سے ہی ہوتا ہے:

''اور یہ (قرآن) کتاب ہے ہم نے اُتارا ہے اس کو بابرکت۔ یہ تصدیق کرنے والی ہے اُس (وحی) کی جو اس سے پہلے (نازل ہوئی) اور اس لیے تاکہ نہ ڈرائیں۔ آپ مکہ (والوں) کو اور اس کے اردگرد ہیں اور جو ایمان لائے ہیں آخرت کے ساتھ وہ ایمان رکھتے ہیں اس پر (بھی) اور وہ اپنی نماز کی پابندی کرتے ہیں''۔ (الانعام۔6:92)

سورۃ الکھف کی آیت :19 مومنین کو یہ بھی یاد دلاتی ہے کہ وہ ہمیشہ نرمی اور خوش اخلاقی کا ثبوت دیں کیونکہ قرآنی اقدار اسی کی تلقین کرتی ہیں۔

اصحابِ کہف کے اس ذکر سے ایک مفہوم یہ بھی نکلتا ہے کہ آخرت کے قریب کے زمانے کے مسلمان مذہب دشمن نظریات مثلاً فاشزم یا کمیونزم کی خرابیوں سے محفوظ رہنے کے لیے گھروں میں رہیں گے۔ یا یہ مطلب بھی لیا جا سکتا ہے کہ مومنین حسب ضرورت گھروں میں زیادہ طویل مدت تک رہیں گے تاکہ سائنس اور دیگر علوم میں ترقی کر سکیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ آپؐ نے ان لوگوں کو ''گھروں میں رہنے کا'' مشورہ دیا تھا جنہوں نے قربِ آخرت کے حوالے سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خیالات معلوم کرنا چاہے تھے۔(ابوداؤد)

''وہ لوگ اگر آگاہ ہو گئے تم پر تو وہ تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کر دیں گے یا تمہیں (جبراً) لوٹا دیں گے اپنے (جھوٹے) مذہب میں اور (اگر تم نے ایسا کیا) تو تم کبھی بھی فلاح نہیں پا سکو گے۔'' (الکھف۔18:20)

''وہ تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کر دیں گے'' سے خوف و ہراس کی ایک شکل سامنے آتی ہے۔ ایسے لوگ فی زمانہ ایسے نظریات کے حامل ہوتے ہیں جن میں خدا کا تصور نہ پایا جاتا ہو۔ مثال کے طور پر ایسے دہشت گرد جن کا تعلق کمیونزم سے ہو وہ اپنی ریاست دشمنی میں اس کے افسروں پر پتھر برساتے اور پولیس کی نفری پر بھی سنگ باری کرتے ہیں۔ اِن حملوں کا مقصد انہیں کمزور کرنا اور ان کے حوصلے پست کرنا ہوتا ہے تاکہ کمیونسٹوں کو اپنے مذہب دشمن عزائم کا احساس ہو سکے اور وہ ملک بھر میں انتشار اور تصادم کی فضا پیدا کرنے میں کامیاب ہو سکیں۔

انہیں اس میں ایک بار کامیابی حاصل ہو جائے تو یہ مذہب کے وفادار لوگوں اور ان کے انکار کو بدلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ یہ چاہتے ہیں کہ تمام لوگ ریاست کے خلاف ہو جائیں۔ سڑکوں پر نکل آئیں اور ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار ہو جائیں مگر ایسی حکومت دشمن تحریکوں کا کوئی نتیجہ نہیں نکلتا اور ان کے پیروکاروں کو کامیابی حاصل نہیں ہوتی کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

''اور وہ لوگ جو توڑتے ہیں اللہ (سے کیے ہوئے) وعدے کو اسے پختہ کرنے کے بعد اور کاٹتے ہیں ان رشتوں کو جن کے متعلق حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ نے کہ انہیں جوڑا جائے اور (فتنہ و) فساد برپا کرتے ہیں زمین میں۔ یہی لوگ ہیں جن پر لعنت ہے اور ان کے لیے بُرا گھر ہے۔'' (الرعد۔13:25)

جب صورت حال یہ ہو تو قربِ آخرت میں زندہ لوگوں کو ان نظریات کے خون کے چھینٹوں سے دُور رہنا چاہیے جنہوں نے اس دنیا کو بُرائی کے سوا کچھ نہیں دیا۔ ان کو ان لوگوں کا ساتھ نہیں دینا چاہیے جو دوسروں کو خراب کرتے ہیں نہ ہی انہیں مذہب دشمن نظریات سے نہ ان کی ترغیبات سے اثر لینا چاہیے۔

وہ لوگ جو ان نظریات سے متاثر ہوتے ہیں جن میں خدا کا تصور سرے سے موجود ہی نہیں ہوتا وہ اس کا حل ظلم و تشدد، غیض و غضب اور بغاوت میں دیکھتے ہیں۔ اس دہشت گردی کی موجودگی سے معاشرہ انتشار کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ لوگوں کو یہ بتایا جائے کہ انہیں اللہ سے کیوں ڈرنا چاہیے اور وہ اس کے عذاب سے کیسے دُور رہ سکتے ہیں۔

"اور بستی والوں کو ہم نے اچانک آگاہ کر دیا ان (اصحابِ کہف) پر تاکہ وہ جان لیں کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور بلاشبہ قیامت کے آنے میں کوئی شبہ نہیں۔ جب وہ بستی والے جھگڑ رہے تھے آپس میں ان کے معاملے میں تو بعض نے کہا کہ (بطور یادگار) تعمیر کروان کے غار پر کوئی عمارت۔ ان کا ربّ ان کے احوال سے خوب واقف ہے' کہنے لگے وہ لوگ جو غالب تھے اپنے کام پر کہ بخدا ہم تو ضرور ان پر ایک مسجد بنائیں گے۔" (الکہف۔18:21)

اس آیت میں قربِ آخرت اور آخرت کی گھڑی کی واضح نشانیاں ملتی ہیں۔ اصحابِ کہف کی دریافت اچھائی کی نشانی ہوسکتی ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ افراد گو ایک دوسرے سے دُور رہے پھر بھی ایک روز ایک دوسرے سے آن ملیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سچائی کو اس آیت میں ظاہر فرمایا ہے:

"......پس آگے بڑھ جاؤ دوسروں سے نیکیوں میں۔ تم کہیں ہو' لے آئے گا اللہ تعالیٰ تم سب کو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ (البقرہ۔2:148)

اس آیت میں اس فیصلے کا بھی ذکر ہے کہ اصحابِ کہف جس مقام پر ملے تھے وہاں ایک مسجد تعمیر کی جائے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے نیک بندے جہاں اپنی زندگی گزاریں وہاں عبادت گاہیں تعمیر کی جاسکتی ہیں تاکہ انہیں یاد رکھا جاسکے۔ اس کے علاوہ یہ مقامات عبادت اور علم کے مراکز کا کام بھی دے سکتے ہیں تاکہ مفید خیالات کو پھیلانے میں مدد مل سکے۔ یہ مقامات مومنین کے اجتماعات کے مرکز بن سکتے ہیں تاکہ وہ یہاں جمع ہو کر اللہ کو یاد کرسکیں۔

بہت سی آیات میں ان عبادت گاہوں کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے جہاں صرف اللہ کو یاد کیا جاتا ہے۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

"وہ (مظلوم) جن کو نکال دیا گیا تھا ان کے گھروں سے ناحق صرف اس بات پر کہ انہوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ بچاؤ نہ کرتا لوگوں کا انہیں ایک دوسرے سے ٹکرا کر تو (طاقتور کی غارتگری سے) منہدم ہو جاتیں خانقاہیں اور گرجے اور کلیسے اور مسجدیں جن میں اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کثرت

سے کیا جاتا ہے اور اللہ ضرور مدد فرمائے گا اس کی جو اس (کے دین) کی مدد کرے گا۔ یقیناً اللہ قوت والا (اور) سب پر غالب ہے۔" (الحج۔22:40)

"اور بیشک سب مسجدیں اللہ کے لیے ہیں۔ پس مت عبادت کرو اللہ کے ساتھ کسی کی"۔(الجن۔72:18)

"کچھ کہیں گے کہ اصحابِ کہف تین تھے چوتھا ان کا کتا تھا۔ کچھ کہیں گے وہ پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا۔ یہ سب تخمینے ہیں بن دیکھے اور کچھ کہیں گے وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔ آپ فرمائیے (اس بحث کو رہنے دو) میرا ربّ بہتر جانتا ہے ان کی تعداد کو (اور) نہیں جانتے ان (کی صحیح تعداد) کو مگر چند آدمی۔ سو بحث نہ کروان کے بارے میں بجز اس کے کہ سرسری سی گفتگو ہو جائے اور نہ دریافت کروان کے متعلق (اہل کتاب) میں سے کسی اور سے۔" (الکہف 18:22)

جیسا کہ اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے کہ کچھ لوگ اصحابِ کہف کے بارے میں اندازہ لگاتے رہے کہ ان کی صحیح تعداد کیا تھی۔ تاہم اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ ان کی صحیح تعداد کے بارے میں صرف ہمارا اللہ جانتا ہے کیونکہ غیب کی چیزوں کا علم صرف وہی رکھتا ہے اور وہ اپنے منتخب بندوں کو اس کا کچھ حصہ بتا دیتا ہے۔ اس آیت کے تسلسل میں بیان فرمایا گیا ہے کہ ایسے اندازے لگانا غلط بات ہے۔ ایسے قضیوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ "اَن دیکھی چیزوں کا اندازہ لگایا جا رہا ہے"۔ اس کا حوالہ قرآن پاک کی دیگر آیات میں بھی آیا ہے:

"اس وقت کہیں گے ہم ایمان لے آئے ان پر۔ لیکن اب کیونکر پا سکتے ہیں ایمان کو اتنی دُور جگہ سے۔ حالانکہ وہ کفر کرتے رہے ان سے اس سے پہلے اور دُور سے بن دیکھے یاوہ گوئیاں کرتے رہے اور رکاوٹ کھڑی کر دی جائے گی ان کے درمیان اور ان چیزوں کے درمیان جو وہ دل سے چاہتے ہوں گے۔ جیسے ان کے ہم مشرب لوگوں کے ساتھ پہلے کیا گیا تھا۔ وہ ایسے شک میں مبتلا تھے جو دوسروں کو بھی شک میں ڈالنے والا تھا۔ (سبا۔54-34:52)

تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ایسے فضول دلائل سے اجتناب کریں اورصرف یہ کہیں: ’’اللہ بہتر جانتا ہے‘‘۔

انہیں یہ جواب دینا چاہیے:

’’تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے۔ بیشک تو ہی خوب جاننے والا ہے تمام غیبوں کا۔‘‘ (المائدہ۔5:116)

کیونکہ بہت سی آیات میں آیا ہے کہ اَن دیکھی اورغیب کی چیزوں کوصرف اللہ جانتا ہے ان میں سے ایک آیت درج ذیل ہے:

’’اور اسی کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی نہیں جانتا انہیں سوائے اس کے اور جانتا ہے جو خشکی میں اور سمندر میں ہے۔ اورنہیں گرتا کوئی پتہ مگر وہ جانتا ہے اس کو اورنہیں کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز مگر وہ لکھی ہوئی ہے روشن کتاب میں۔‘‘ (الانعام۔6:59)

اس قسم کے دلائل میں لوگوں کے خیالات عموماً سنی سنائی باتوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ صاف ظاہر ہوا کہ لاعلمی پر منحصر دلائل کو سننے میں کوئی دانشمندی نہیں ہے جیسا کہ اس آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے: ’’اور نہ پیروی کرو اس چیز کی جس کا تمہیں علم نہیں۔ بیشک کان اور آنکھ اور دل، ان سب کے متعلق (تم سے) پوچھا جائے گا۔‘‘ (بنی اسرائیل۔17:36)۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ لوگوں کو سنی سنائی باتوں کو موضوعِ گفتگو نہیں بنانا چاہیے۔

’’جو ان کے متعلق جانتے ہیں وہ بہت تھوڑے ہیں‘‘ سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا علم صرف چند افراد کو ہوسکتا تھا۔ مثلاً ان میں سے ایک تو حضرت خضر علیہ السلام ہو سکتے ہیں جن کے معجزانہ حالات کا ذکر آگے آئے گا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خضر علیہ السلام کے شاگرد بھی یہ علم رکھتے ہوں جن میں اللہ کی مرضی اور الہام شامل ہو۔ قرآن میں بتایا گیا ہے کہ اللہ غیب کا کچھ علم اپنے پیغمبروں کو عطا کر دیتا ہے:

’’(اللہ تعالیٰ) غیب کو جاننے والا ہے پس وہ آگاہ نہیں کرتا اپنے غیب پر کسی کو۔ بجز اس رسول کے جس کو اس نے پسند فرما لیا ہو۔ (غیب کی تعلیم کے

لیے) تو مقرر کر دیتا ہے اس رسول کے آگے اور اس کے پیچھے محافظ‘‘ (الجن۔72:26-27)

اللہ نے غیب کا کچھ علم آنحضورﷺ کو عطا کیا اور پھر آپ ﷺ سے فرمایا:

’’(اے حبیب!) یہ قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم وحی کرتے ہیں آپ کی طرف۔ اور آپ ان کے پاس نہیں تھے جب وہ متفق ہو گئے تھے اس بات پر درآنحالیکہ وہ مکر کر رہے تھے‘‘۔ (یوسف۔12:102)

اللہ نے اپنے پیغمبر نوحؑ کو مستقبل کے چند ایسے واقعات کے بارے میں علم دیا تھا جو اللہ کے اس پیغمبر کو پیش آنے والے تھے‘ فرمایا:

’’اے نُوحؑ! (کشتی سے) اُترئیے امن وسلامتی کے ساتھ ہماری طرف سے اور برکتوں کے ساتھ جو آپ پر ہیں اور ان قوموں پر جو آپ کے ہمراہ ہیں۔ اور (آئندہ) کچھ قومیں ہوں گی ہم لطف اندوز کریں گے انہیں پھر پہنچے گا انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب۔ یہ قصہ غیب کی خبروں سے ہے جنہیں ہم وحی کر رہے ہیں آپ کی طرف۔ نہ آپ جانتے تھے اسے اور نہ ہی آپ کی قوم اس سے پہلے۔ پس آپ صبر کریں یقیناً نیک انجام پرہیزگاروں کے لیے ہے‘‘۔ (ھود۔11:48-49)

سورۃ الکھف کی آیت:22 میں بحث کا موزوں طریقہ بتایا گیا ہے: ’’......سو بحث نہ کرو ان کے بارے میں بجز اس کے کہ سرسری سی گفتگو ہو جائے......‘‘ دوسروں کے ساتھ بحث کرتے وقت مومنین کو چاہیے کہ قرآن سے ثبوت پیش کریں۔ مگر جو لوگ مذہب کو مسترد کر دیتے ہیں وہ اس کے برعکس کرتے ہیں۔ مومنین اور ان کے دین کے ساتھ اپنی عداوت کی بنا پر یہ لوگ جھگڑے کھڑے کر دیتے ہیں۔ منکرین جھوٹے دلائل پیش کرتے ہیں کیونکہ ان کی طبیعت معاندانہ ہوتی ہے اور یہ کج بحثی میں خوش ہوتے ہیں۔ وہ مومنین جو قرآنی تعلیمات پر عمل کرتے ہیں انہیں ان باتوں سے دُور رہنے کی ضرورت ہے انہیں وہ راستہ اختیار کرنا چاہیے جس سے وہ اللہ کی خوشنودی حاصل کر سکیں۔ اللہ انہیں ایک مثال پیش کرتا ہے کہ انہیں کفار کے ساتھ کیسے بات کرنی چاہیے:

''پس اس دین کی طرف آپ دعوت دیتے رہیے اور ثابت قدم رہیے جس طرح آپ کو حکم دیا گیا اور نہ اتباع کیجیے ان کی خواہشات کا۔ اور (برملا) فرمایئے کہ میں ایمان لایا ہر کتاب پر جو اللہ نے نازل کی۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں عدل کروں تمہارے درمیان۔ اللہ تعالیٰ ہمارا بھی ربّ ہے۔ ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال۔ کسی بحث و تکرار کی ضرورت نہیں' ہمارے اور تمہارے درمیان۔ اللہ ہم سب کو جمع کرے گا اور اسی کی طرف (سب نے) پلٹنا ہے'' (الشوریٰ۔ 42:15)

سورۃ الکھف کی آیت :22 میں مومنوں کو تلقین کی گئی ہے کہ دوسروں کے خیالات سے اجتناب کریں اور اہل کتاب کے سوا کسی کی نہ سنیں کیونکہ صرف اللہ ہی غیب کا علم رکھتا ہے۔ مومنین اس بات میں یقین رکھتے ہیں کہ دوسرے لوگوں کے ناقص اندازوں، علم، مفروضوں اور تشریحات کو کوئی وزن نہ دیں۔ اس قسم کی معلومات پر اعتبار کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔

''ہر گز نہ کہنا کسی چیز کے متعلق کہ میں اسے کرنے والا ہوں کل''
(الکھف ۔18:23)

وہ لوگ جو تقدیر کی حقیقت کو فراموش کر بیٹھے ہیں کل کے بارے میں منصوبہ بندیاں کرتے رہتے ہیں۔ اگلے ماہ کی منصوبہ بندی، آنے والے سال کی منصوبہ بندی اور ریٹائرمنٹ کے بعد کی منصوبہ بندی......بعض لوگ جائے کار پر بیٹھ کر اپنے کیریر کی منصوبہ بندی میں مصروف رہتے ہیں کہ اپنے بچوں کی شادیوں کے بعد وہ کیا کریں گے یا وہ دولت اور املاک کس طرح حاصل کریں گے۔ تاہم یہ آیت لوگوں کو یہ یاد دلاتی ہے کہ آنے والے کل ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے اس کا انہیں قطعاً کوئی علم نہیں ہے۔

ایسے لوگ جو زندگی میں مستقبل کے لیے لائحہ عمل تیار کرتے رہتے ہیں وہ دراصل اپنے مقدر کے بارے میں بھول جاتے ہیں اور ہر شخص کی تقدیر کا تعین اللہ کرتا ہے۔ پس اللہ نے کسی انسان کے کل کی جو تقدیر ''لکھ دی ہے''، وہ انسان اس کی منصوبہ بندی کرے یا نہ کرے اس نے ہو کر رہنا ہے۔ اس حقیقت کو درج ذیل آیت میں یوں بیان فرمایا گیا ہے:

''اور نہیں ہوتے آپ کسی حال میں اور نہ آپ تلاوت کرتے ہیں اس حال میں کچھ قرآن اور (اے لوگو!) نہ تم کچھ عمل کرتے ہو مگر (ہر حال میں) ہم تم پر گواہ ہوتے ہیں جب بھی تم شروع ہوتے ہو کسی کام میں ۔ اور نہیں چھپا ہوتا آپ کے ربّ سے ذرہ برابر بھی زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہیں کوئی چھوٹی چیز اس ذرہ سے اور نہ بڑی مگر وہ روشن کتاب (لوحِ محفوظ) میں ہے''۔
(یونس۔ 10:61)

تقدیر اللہ کا ہر اس شے کے بارے میں علم ہے جو ماضی میں وقوع پذیر ہو چکی ہے اور مستقبل میں ہوگی بہت سے لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ اللہ یہ کیسے جانتا ہے کہ مستقبل میں ہمارے ساتھ کیا پیش آنے والا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے:

اللہ کو زمان و مکان کے اندر پابند نہیں کیا جا سکتا کیونکہ دونوں اسی نے تخلیق کیے ہیں۔ ہم جنہیں ماضی، حال اور مستقبل کہتے ہیں اس کے لیے یکساں ہیں' ہم جس طرح کسی حکمران کے دور اقتدار کے آغاز، زمانہ وسط اور خاتمے کو دیکھتے ہیں اور درمیان کا سارا عرصہ بھی ہمارے سامنے ہوتا ہے' اسی طرح اللہ ہمارے وجود کے ''زمانے'' کو ایک اکائی کی حیثیت سے دیکھتا ہے، آغاز سے اختتام تک۔ تاہم ہمارا واسطہ کسی خاص واقعہ سے پڑتا ہے جس کے بارے میں خالق کائنات پہلے سے جانتا ہے۔ جب اس کا وقت آتا ہے تو ہم وہ تقدیر دیکھتے ہیں جو اللہ نے ہمارے لیے تخلیق کی ہے۔

یہ کہنا کہ کوئی بات ہو کر رہے گی درحقیقت اللہ کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہونے کے مترادف ہے جس کا نتیجہ بالآخر نقصان کی شکل میں نکلتا ہے۔ درج ذیل آیت میں اس کا ذکر یوں فرمایا گیا ہے:

''پھر جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو اللہ پورا پورا دے گا انہیں ان کے اجر اور زیادہ بھی دے گا انہیں اپنے فضل و کرم سے لیکن جنہوں نے عار سمجھا (بندہ بننے کو) اور تکبر کیا تو عذاب دے گا انہیں دردناک عذاب اور نہ پائیں گے اپنے لیے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار''۔(النساء۔4:173)

''مگر (یہ کے ساتھ یہ بھی کہو) اگر چاہا اللہ تعالیٰ نے اور یاد کر اپنے ربّ کو جب

تو بھول جائے (یہ بھی) کہو کہ مجھے اُمید ہے کہ دکھاوے گا مجھے میرا ربّ اس سے بھی قریب تر ہدایت کی راہ''۔ (الکھف ۔18:24)

جب مومنین کوئی بات بھول جائیں تو اللہ کا نام یاد کریں۔اس لیے کہ یاد کرنے کا ایک مثبت پہلو ہے اگر ایسا اس شخص کے فائدے میں ہوگا اور اللہ یہ چاہتا ہے تو ایسا ہو جائے گا۔ بھول جانے کی حالت میں اللہ کا نام یاد کرنا وہی کام کرے گا جو مرہم زخموں پر کرتا ہے ۔مگر کوئی بھی شخص یاد اسی صورت میں کرے گا جب اللہ کو یہ منظور ہوگا کیونکہ کوئی نہ کوئی فائدہ ضرور ہوگا۔

پھر ایک آیت میں رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ اس فتح کے لیے دُعا کریں جو بالکل قریب تھی۔ ہماری زندگی میں نصرت و کامیابی بعض اوقات طویل عرصے کے لیے حاصل ہوتی ہے اور کبھی کبھار یہ بہت مختصر مدت کے لیے ہوتی ہے۔بعض اوقات مختصر عرصے کی کامیابی کو نظر میں رکھے بغیر کوئی شخص بہت محنت کرتا ہے۔ یہ ضروری ہے کہ طویل عرصے تک پرعزم اور صابر رہنا چاہیے۔ اس قسم کی ثابت قدمی میں بڑی اچھائی اور علمی قدر و قیمت موجود ہوتی ہے۔ تاہم مومنین تھوڑے عرصے کی کامیابی کے لیے بھی اللہ سے درخواست کر سکتے ہیں۔اہم بات تو یہ ہے کہ سچے دل سے اللہ سے رجوع کیا جائے جیسا کہ پیغمبر خدا حضرت شعیبؑ نے کیا تھا۔ انہوں نے فرمایا:

''اور نہیں میرا راہ پانا مگر اللہ تعالیٰ کی امداد سے۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔'' (ھود۔11:88)

وہ لوگ جو اللہ پر توکل کرتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ اسی نے تمام چیزیں تخلیق کی ہیں وہ ہر وقت اس کی مدد کی توقع کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یاددلاتا ہے کہ اسی کی ذات کسی شخص کو آسانی کے ساتھ کامیابی سے ہمکنار کر سکتی ہے: ''اور ہم سہل بنا دیں گے آپ کے لیے اس آسان (شریعت) پر عمل''۔ (الاعلیٰ ۔87:8)

''اور (اہل کتاب کہتے ہیں کہ) وہ ٹھہرے رہے اپنے غار میں تین سو سال اور زیادہ کیے انہوں نے (اس پر) نو سال ۔ آپ فرمائیے اللہ بہتر جانتا ہے جتنی

مدت وہ ٹھہرے اسی کے لیے (علم) غیب ہے آسمانوں اور زمین کا وہ بڑا دیکھنے والا ہے اور سب باتیں سننے والا ہے۔ نہیں ان کا اس کے سوا کوئی دوست اور وہ نہیں شریک کرتا اپنے حکم میں کسی کو''۔ (الکھف ۔18:25-26)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اصحاب کہف کی حالت نیند 300 برس تک رہی۔ اور اس عرصے میں مزید 9 برس کا اضافہ کر دیا گیا تھا۔ یوں ان کی حالت نیند 309 برس کی مدت پر مشتمل تھی۔

سورہ کہف کی آیت:26 میں بتایا گیا ہے کہ غیب کا مکمل علم اللہ کو ہے کیونکہ اسی نے آسمانوں اور زمین میں ہر شے تخلیق کی ہے۔ ہمارے پروردگار کی اس صفت کو درج ذیل آیات میں بیان فرمایا گیا ہے:

''اور اللہ ہی کے لیے ہیں چھپی ہوئی چیزیں آسمانوں کی اور زمین کی۔ اور اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں سارے کام تو آپ بھی اسی کی عبادت کیجیے اور اسی پر بھروسہ رکھیے اور نہیں ہے آپ کا ربّ بے خبر اس سے جو تم لوگ کرتے ہو''۔ (ھود۔11:123)

''اللہ (وہ ہے کہ) کوئی عبادت کے لائق نہیں بغیر اس کے، زندہ ہے سب کو زندہ رکھنے والا ہے ۔ نہ اس کو اونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ کون ہے جو سفارش کر سکے اس کے پاس بغیر اس کی اجازت کے۔ جانتا ہے جو ان سے پہلے (ہو چکا) ہے اور جو اُن کے بعد (ہونے والا) ہے۔ اور وہ نہیں گھیر سکتے کسی چیز کو اس کے علم سے مگر جتنا وہ چاہے۔ سما رکھا ہے اس کی کرسی نے آسمانوں اور زمین کو۔ اور نہیں تھکاتی اسے زمین و آسمان کی حفاظت اور وہی ہے سب سے بلند عظمت والا'' (البقرہ۔2:255)

خالق کو مخلوق محدود نہیں کر سکتی۔ زماں کی حدوں سے اللہ آزاد ہے۔ ایک ملین یا ایک بلین برس جو انسانی وقت کے مطابق تو ایک بہت طویل عرصہ ہے لیکن اللہ کے لیے یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اس لیے کہ ہر شے جو اس کے سامنے موجود ہوتی ہے ایسی ہی ہے جیسے

یہ ایک لمحہ ہو۔ اللہ ہر شے کو دیکھتا اور سنتا ہے خواہ وہ ماضی بعید سے تعلق رکھتی ہو یا مستقبل سے وہ اسے پوری طرح دیکھتا ہے ہر پہلو سے، ہر سمت سے اور سمت کے بغیر بھی۔ وہ اس شے کے تمام پہلوؤں کو بھی جانتا ہے جس شے کا ہمیں یا کسی اور کو علم ہے۔ اس بارے میں درج ذیل آیت میں یوں آیا ہے:

"(نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا میرا ربّ جانتا ہے جو بات کہی جاتی ہے آسمان اور زمین میں۔ اور وہی ہر بات سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے" (الانبیاء۔21:4)

تمام لوگ چونکہ زمان و مکاں کے اسیر ہیں اس لیے وہ اس وقت تک غیب کے بارے میں نہیں جان سکتے جب تک اللہ انہیں اس کے بارے میں بتا نہ دے۔ صرف ہمارا پروردگار جو زمان و مکان کا خالق ہے ماضی حال اور مستقبل کو ان کے کل کی حیثیت سے دیکھتا اور سنتا ہے۔ وہ لامحدود ماضی اور مستقبل کے زمانے تاریخ، واقعات، مادے، تقدیر اور ہر شے پر حکومت کرتا ہے خواہ وہ جاندار ہو یا بے جان کیونکہ:

"اور مشرق بھی اللہ کا ہے اور مغرب بھی سو جدھر بھی تم رُخ کرو وہیں ذاتِ خداوندی ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ فراخ رحمت والا خوب جاننے والا ہے"۔ (البقرہ۔2:115)

وہی ذاتِ باری تعالیٰ تمام جانداروں کا حامی و مددگار ہے کیونکہ کوئی دوسرا نہیں ہے۔ بنی نوع انسان بیشک بے بس ہے اور اسی لیے تمام ادوار میں مشکلات کا سامنا کرتا ہے۔ مادی اور رُوحانی پریشانیوں سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ اللہ کے ہاں پناہ تلاش کی جائے جو ہمارا واحد دوست اور مددگار ہے، ہمیں چاہیے کہ ہم اسے اپنا واحد محافظ سمجھیں۔ درج ذیل آیات میں اس حقیقت کو بیان فرمایا گیا ہے:

"کیا تجھے علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ کر سکتا ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور تمہارا اللہ کے سوا کوئی یارومددگار نہیں" (البقرہ۔2:106-107)

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے (ساری) بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔

وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے اور نہیں ہے تمہارے لیے اللہ کے سوا کوئی حامی اور نہ کوئی مددگار" (التوبہ۔9:116)

"یقیناً میرا حمایتی اللہ ہے جس نے اُتاری یہ کتاب۔ اور وہ حمایت کیا کرتا ہے نیک بندوں کی" (الاعراف۔7:196)

آیت:26 کے اختتامی حصے میں بتایا گیا ہے کہ ہمارا ربّ کسی کو اپنا شریک نہیں کرتا اور اللہ ہر شے پر قادر ہے اور وہی زمان و مکاں اور تمام سمتوں کا واحد حکمران ہے، خواہ وہ ہمارے علم میں ہیں یا نہیں ہیں۔ اس کے کوئی شریک نہیں ہیں اور ایسا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ درج ذیل آیت سے واضح ہوتا ہے:

"(اے حبیب!) فرما دیجئے وہ اللہ ہے یکتا۔ اللہ صمد ہے نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے"۔ (الاخلاص۔112:1-4)

"اور پڑھ سنایئے (انہیں) جو وحی کیا جاتا ہے آپ کی طرف آپ کے ربّ کی کتاب سے۔ کوئی بدلنے والا نہیں اس کے ارشادات کا اور نہیں پائیں گے آپ اس کے سوا کوئی پناہ گاہ" (الکھف۔18:27)

سب سے معتبر ذریعہ جو ہمیں سچے دین کے بارے میں علم فراہم کرتا ہے وہ قرآن ہے کیونکہ یہ خالق کائنات کا کلام ہے اور صاف ظاہر ہے کہ خالق ہر شے کی مکمل سچائی سے واقف ہوتا ہے۔ قرآن میں اللہ نے ہر وہ شے وحی کر دی ہے جس کے جاننے کی بنی نوع انسان کو ضرورت ہو سکتی ہے۔ مزید یہ کہ وہ اس آیت میں اپنے رسول ﷺ کو قرآن میں وحی کی گئی باتوں کو پڑھنے کا حکم دیتا ہے۔ تھوڑا آگے چل کر اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ وحی پر مشتمل یہ کتاب کبھی تبدیل نہ ہوگی۔ قرآن سے ہمیں معلوم ہوا کہ اس سے قبل کے آسمانی صحیفوں میں رد و بدل کر دیا گیا تھا یا تو کچھ باتیں نکال دی گئی تھیں یا کچھ اضافہ کر دیا گیا تھا مگر قرآن کے ساتھ ایسا نہیں ہوا۔ اللہ نے سورۃ الحجر کی آیت:9 میں فرمایا ہے کہ وہ خود قرآن کی حفاظت کر رہا ہے:

"بیشک ہم ہی نے اُتارا ہے اس ذکر (قرآن مجید) کو اور یقیناً ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔"

اس حقیقت کا بیان درج ذیل آیات میں بھی ہوا ہے:

''اور مکمل ہوگئی آپ کے ربّ کی بات سچائی اور عدل سے۔ نہیں کوئی بدلنے والا اس کی باتوں کا اور وہی ہے سب کچھ سننے والا جاننے والا'' (الانعام۔6:115)

''اس کے نزدیک نہیں آ سکتا باطل نہ اس کے سامنے سے اور نہ پیچھے سے یہ اتری ہوئی ہے بڑی حکمت والے، سب خوبیاں سراہے کی طرف سے''۔ (حٰم السجدہ۔41:42)

یہ الفاظ کہ ''کوئی بدلنے والا نہیں اس کے ارشادات کا اور نہیں پائیں گے آپ اس کے سوا کوئی پناہ گاہ'' ان لوگوں سے سرزد ہونے والی ایک بڑی غلطی کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو اللہ کے قادر مطلق ہونے کی تعریف نہیں کرتے۔ یہ لوگ اللہ کے سوا دوسروں کو اپنے حامی اور دوست بنا لیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ مشکلات میں ان کی مدد کریں گے۔ مگر ہمیں یہ بات کبھی نہ بھولنی چاہیے کہ جن کی یہ لوگ پناہ لیتے ہیں وہ تو خود اللہ کی مخلوق ہیں اور اس کے بے بس بندے ہیں۔ یہ جن لوگوں کے مرتبے بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں وہ تو خود اللہ کے تخلیق کیے ہوئے ہیں اور اگر ان کے پاس کچھ طاقت ہے بھی تو وہ اللہ ہی کی عطا کردہ ہے کیونکہ اس ربّ دو جہاں کی مرضی کے بغیر تو ایک پتہ بھی نہیں ہلتا۔ اس موضوع کو درج ذیل سورہ میں یوں بیان فرمایا گیا ہے:

''(اے کفار!) بیشک وہ جنہیں تم پوجتے ہو اللہ کے سوا بندے ہیں تمہاری طرح تو پکارو انہیں پس چاہیے کہ قبول کریں تمہاری پکار کو اگر تم سچے ہو۔ کیا ان کے پاؤں ہیں چلتے ہیں وہ جن کے ساتھ یا کیا ان کے ہاتھ ہیں پکڑتے ہیں وہ جن کے ساتھ۔ یا کیا ان کی آنکھیں ہیں دیکھتے ہیں جن سے یا کیا ان کے کان ہیں وہ سنتے ہیں جن کے ساتھ آپ کہیے پکارو اپنے شریکوں کو پھر سازش کرو میرے خلاف اور مت مہلت دو مجھے یقیناً میرا حمایتی اللہ ہے جس نے اتاری یہ کتاب اور وہ حمایت کیا کرتا ہے نیک بندوں کی اور جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا وہ طاقت نہیں رکھتے تمہاری امداد کی اور نہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں''۔ (الاعراف۔97-7:194)

جیسا کہ ان آیات میں واضح فرما دیا گیا ہے کہ جن لوگوں کو حمایتی اور مددگار چن لیا جاتا ہے وہ تو خود بے بس ہوتے ہیں اور ان کے پاس تھوڑی بہت جو طاقت ہوتی ہے وہ بھی اسی وقت تک جب تک کہ اللہ انہیں اس کے استعمال کی توفیق دے دے۔ یہ لوگ کسی کو کسی مشکل سے نہیں بچا سکتے نہ کسی پریشانی سے نجات دلا سکتے ہیں۔ اس حقیقت کا اظہار ایک اور آیت میں یوں کیا گیا ہے:

''اور (یہ مشرک) عبادت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا ایسی چیزوں کی جو نہ انہیں نقصان پہنچا سکتی ہیں اور نہ نفع پہنچا سکتی ہیں اور وہ کہتے ہیں یہ (معبود) ہمارے سفارشی ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں۔ آپ فرمائیے کیا تم آگاہ کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو اس بات سے جو وہ نہیں جانتا نہ آسمانوں میں نہ زمین میں۔ پاک ہے وہ اور بلند و بالا ہے اس شرک سے جو وہ کرتے ہیں''۔ (یونس۔10:18)

''اور روکے رکھیے اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے ربّ کو صبح و شام طلبگار ہیں اس کی رضا کے اور نہ ہٹیں آپ کی نگاہیں ان سے کیا آپ چاہتے ہیں دُنیوی زندگی کی زینت اور نہ پیروی کیجیے اس (بدنصیب) کی غافل کر دیا ہے ہم نے جس کے دل کو اپنی یاد سے اور وہ اتباع کرتا ہے اپنی خواہش کا اور اس کا معاملہ حد سے گزر گیا ہے''۔ (الکھف۔18:28)

اس آیت میں ہر حال میں اللہ کو پکارنے کی اہمیت بتائی گئی ہے، ہر صبح اور ہر شام تاکہ اس کی خوشنودی حاصل کی جا سکے۔ عبادت ایک بہت بڑا انعام ہے کیونکہ یہ اللہ کی قربت حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اللہ سے کسی وقت دعا کی جا سکتی ہے ہر کہیں سے اس آیت میں عبادت کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے:

''آپ فرمائیے کیا پرواہ ہے تمہاری میرے ربّ کو اگر تم اس کی عبادت نہ کرو''۔ (الفرقان۔25:77)

ایک اور آیت میں اللہ لوگوں کو بتاتا ہے کہ:

''اور جب پوچھیں آپ سے (اے میرے حبیبؐ) میرے بندے میرے متعلق تو (انہیں بتاؤ) میں (ان کے) بالکل نزدیک ہوں۔ قبول کرتا ہوں دُعا، دعا

کرنے والے کی جب وہ دعا مانگتا ہے مجھ سے پس انہیں چاہیے کہ میرے حکم مانیں اور ایمان لائیں مجھ پر تا کہ وہ کہیں ہدایت پا جائیں“۔ (البقرہ۔2:186)

پھر اس بات میں لوگوں کو ایک بار پھر یاد دلایا گیا ہے کہ اس دُنیا کے عارضی مال و دولت کا ان پر اثر نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اس دنیا کی زندگی ایک امتحان سے زیادہ نہیں۔ سورۃ الکھف میں بتایا گیا ہے کہ اس دنیا کی وہ چیزیں جن کو لوگ پسند کرتے ہیں (مثلاً بنگلے، کاریں، تفریحی کشتیاں، محلات، سونا، چاندی اور فیشن کے مطابق قیمتی کپڑے) کیوں بنائی گئی تھیں:

”بیشک بنایا ہم نے ان چیزوں کو جو زمین پر ہیں اس کے لیے باعث زینت و آرائش تا کہ ہم انہیں آزمائیں کہ ان میں سے کون عمل کے لحاظ سے بہتر ہے۔“ (الکھف۔18:7)

ایک خاص مدت کے بعد ہر انسان اپنے آپ کو قیامت کے روز اللہ کے روبرو کھڑا پائے گا کیونکہ زندگی تیزی سے گزر جاتی ہے۔ اس حقیقت سے اللہ ہمیں اس طرح یاد دہانی کراتا ہے:

”بیشک یہ لوگ دُنیا سے محبت کرتے ہیں اور پسِ پشت ڈال رکھا ہے انہوں نے بڑے سخت دن کو“ (الدھر۔76:27)

اس دنیا میں رہتے ہوئے بہت سے لوگ آخرت کی زندگی سے تغافل برتتے ہیں۔ حالانکہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کسی انسان کا فرار بھی ممکن نہیں۔ لوگ اس دُنیا کی عارضی دلکشیوں کی وجہ سے بھٹک جاتے ہیں اور آخرت کی دائمی زندگی کو فراموش کرنے کی بہت بڑی غلطی کرتے ہیں۔ اسے اللہ نے یوں وحی فرمایا:

”اور نہیں ہے دُنیا کی زندگی مگر کھیل اور تماشا اور بیشک آخرت کا گھر بہتر ہے ان کے لیے جو (اللہ سے) ڈرتے ہیں تو کیا تم (اتنی بات بھی) نہیں سمجھتے۔“ (الانعام۔6:32)

”خوب جان لو! کہ دنیوی زندگی محض کھیل، تماشا اور (سامانِ) آرائش ہے اور آپس میں (حسب ونسب پر) اترانا اور ایک دوسرے سے زیادہ مال اور اولاد

حاصل کرنا اس کی مثال یوں سمجھو جیسے بادل برسے اور نہال کر دے کسانوں کو اس کی (شاداب و سرسبز) کھیتی پھر وہ (یکا یک) سوکھنے لگے۔ تو تُو اسے دیکھے کہ اس کا رنگ زرد پڑ گیا ہے پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جائے اور (دنیا پرستوں کے لیے) آخرت میں سخت عذاب ہوگا اور خدا پرستوں کے لیے اللہ کی بخشش اور (اس کی) خوشنودی ہوگی اور نہیں ہے دنیاوی زندگی مگر بڑا دھوکہ“۔ (الحدید۔57:20)

آگے چل کر اسی آیت میں مومنوں کے اکٹھا ہونے کی اہمیت کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ یہ مومنین اللہ کو یاد کرنے کے لیے، اس کی عبادت کے لیے ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اور اس کی خوشنودی کے لیے ہر کام کرتے ہیں، تمام مومنین ایسا ہی کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ جمع ہونے، ان لوگوں کے ساتھ جو ہمیشہ اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ اس کے بڑے فائدے ہیں اس لیے کہ اس دوران وہ ایک دوسرے کو قرآن پاک کی آیات یاد دلاتے ہیں، اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ ایسا کرنے سے ان کی نمازیں کم قضا ہوتی ہیں اور ان کے گمراہ ہونے کے امکانات معدوم ہو جاتے ہیں جو صرف اس وقت ہوتے ہیں جب لوگ تنہا ہوں یا جب ایسے اجتماعات کم ہوتے ہوں۔ وہ مل کر اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ لوگوں کو نیکی کرنے اور بُرائی سے دور رہنے کی تلقین کرتے ہیں اور علم وتہذیب کے حوالے سے ایک دوسرے سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ اس طرح کے ماحول میں وہ خوش رہتے ہیں، انہیں ایک خاص اطمینان حاصل ہوتا ہے، پاکیزگی، توکل اور تحفظ ملتا ہے۔ درج ذیل آیت میں مومنوں کے ایک دوسرے کے ساتھ رشتہ وتعلق کے بارے میں یوں بیان فرمایا گیا ہے:

”نیز مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ حکم کرتے ہیں نیکی کا اور روکتے ہیں بُرائی سے اور صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور اطاعت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی۔ یہی لوگ ہیں جن پر ضرور رحم فرمائے گا اللہ۔ بیشک اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے“۔ (التوبہ۔9:71)

دوسری طرف کفار کے ساتھ رہنے کے بہت سے منفی پہلو ہیں۔ مثلاً یہ کہ ایسے لوگ اللہ اور مومنین کی مخالفت میں لگے رہتے ہیں۔ یہ مومنوں کا تمسخر اُڑاتے ہیں۔ اللہ نے

مومنین کو اس قسم کے ماحول میں رہنے سے منع فرمایا ہے:۔

''اور تحقیق اتارا ہے اللہ تعالیٰ نے تم پر (یہ حکم) کتاب میں کہ جب سُنو اللہ کی آیتوں کو کہ انکار کیا جا رہا ہے ان کا اور مذاق اُڑایا جا رہا ہے ان کا تو مت بیٹھو ان (کفر و استہزا کرنے والوں) کے ساتھ یہاں تک کہ وہ مشغول ہو جائیں کسی دوسری بات میں۔ ورنہ تم بھی انہیں کی طرح کے ہوگے بیشک اللہ تعالیٰ اکٹھا کرنے والا ہے سب منافقوں اور سب کافروں کو جہنم میں۔'' (النساء۔4:140)

ان کفار کے ساتھ رہنے کا ایک اور منفی پہلو یہ ہے، جو اللہ کے کلام سے دُور رہتے اور جھوٹی تسکین کے کاموں میں مصروف رہتے ہیں کہ کمزور ایمان والے مسلمانوں پر ان کفار کے منفی طریقوں کا اثر ہوسکتا ہے۔ ایسے پکے مسلمان جن کا ایمان مضبوط ہو ان پر اللہ کے فضل سے کفار کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ایسے مومنین جو نئے نئے مسلمان ہوئے ہوں یا جو ابھی تک اپنی زندگی قرآنی اخلاقیات کے مطابق نہ گزار رہے ہوں ان پر کفار کی گمراہ کن گفتگو کا اثر ہوسکتا ہے اور یہ ڈر بھی رہتا ہے کہ ایسے کمزور ایمان والے مسلمان بالآخر ان کی مثال کی پیروی نہ کرنے لگیں۔ اگر خدانخواستہ ایسا ہو جائے تو یہ اس دنیا میں اور آخرت دونوں میں نقصان اُٹھانے والے ہوں گے۔

''اور فرمایئے حق تمہارے ربّ کی طرف سے ہے پس جس کا جی چاہے وہ ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے کفر کرتا رہے۔ بیشک ہم نے تیار کر رکھی ہے ظالموں کے لیے آگ گھیر لیا ہے انہیں اس آگ کی دیوار نے اور اگر وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی کی جائے گی ایسے پانی کے ساتھ جو پیپ کی طرح (غلیظ) ہے (اور اتنا گرم کہ) بھون ڈالتا ہے چہروں کو۔ یہ مشروب بڑا ناگوار ہے اور یہ قرارگاہ بڑی تکلیف دہ ہے'' (الکھف۔18:29)

مومنین کا کام صرف یہ ہے کہ وہ کفار کے سامنے اللہ کے دین اور قرآن کی آیات کو دعوتِ ایمان کے طور پر پیش کریں، اسلام قبول کرنے پر انہیں مجبور نہ کریں۔ جیسا کہ ہم اس سے قبل یہ بتا چکے ہیں کہ ایمان سے نوازنا اور محروم رکھنا اللہ کی مرضی پر منحصر ہے۔ مومنین کا کفار کے ساتھ کیا رویہ ہوتا ہے اس کا ذکر درج ذیل آیت میں کیا گیا ہے:

''میں پرستش نہیں کیا کرتا (ان بتوں کی) جن کی تم پرستش کرتے ہو اور نہ ہی تم عبادت کرنے والے ہو اس (خدا) کی جس کی میں عبادت کیا کرتا ہوں اور نہ ہی میں کبھی عبادت کرنے والا ہوں جن کی تم پوجا کیا کرتے ہو اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کیا کرتا ہوں۔ تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین''۔ (الکھف۔18:2-6)

مومنین کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ کفار کو انتباہ کردیں کہ موت کے بعد جہنم کی زندگی کیسی ہوگی اور اگر انہوں نے ایمان قبول نہ کیا تو ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ اس آیت میں کفار کی اس دائمی زندگی کا ذکر ہے جو وہ ہمیشہ جہنم میں گزاریں گے۔ اس روز نہ ان کے کوئی حمایتی ہوں گے نہ سفارشی۔ اس آیت میں اللہ فرماتا ہے:

''اس روز انہیں دھکے دے کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔'' (الطور۔52:13)

جہنم میں جانے والوں کو کس قدر عذاب ہوگا۔ جن کفار کو اپنی دولت، سماجی مرتبے اور دوسرے انسانوں پر ظلم کرنے کی طاقت پر ناز تھا انہیں جہنم رسید ہونے کے بعد اپنی بے بسی کا احساس ہوگا:

''انہیں جب پھینکا جائے گا اس آگ میں کسی تنگ جگہ سے زنجیروں میں جکڑ کر''۔ (الفرقان۔25:13)

جہاں یہ اس کے سیاہ دبیز دھوئیں میں رہیں گے۔ انہیں آگ کی کھولتی ہوا سنائی دے گی اور جہنمیوں کی مسلسل چیخ و پکار کی آوازیں ان کے کانوں میں آئیں گی۔ ان کے عذاب میں اضافہ ہوتا جائے گا اور ان کے درد اور تکلیف میں کمی نہ ہوگی کیونکہ جہنم ''ایک ایسی چھائی ہوئی آگ'' (البلد۔90:20) کا نام ہے جس میں سے کوئی بھی وہ شخص بچ نہیں سکے گا جسے اس میں پھینکا جائے گا۔

''بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے (تو ہمارا یہ دستور ہے کہ) ہم ضائع نہیں کرتے کسی کا اجر جو عمدہ اور (مفید) کام کرتا ہے''۔ (الکھف۔18:30)

ہم نیک کاموں کی اہمیت کا ذکر پہلے ہی کر چکے ہیں۔ اس آیت میں اللہ ہماری

توجہ اس کام کی طرف مبذول فرماتا ہے جو اسے بہت پسند ہے اور جو قرآنی اخلاقیات کی تعمیل میں سرانجام دیا جاتا ہے اور جس میں ایمان کی پختگی ظاہر ہوتی ہے۔ اللہ درج ذیل آیت میں نیک کام کی اہمیت کی طرف اس طرح اشارہ فرماتا ہے:

''اور اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تاکہ وہ بدلہ دے بدکاروں کو ان کے اعمال کا اور بدلہ دے نیکوکاروں کو ان کی نیکیوں کا۔'' (النجم۔53:31)

ان آیات میں ان نیک کاموں کی اہمیت کا ذکر ہے جن سے اللہ خوش ہوتا ہے۔ ہمارا رب ہمیں یہ نوید سناتا ہے کہ نیکی کرنے والوں کو مزید بڑے انعام کی توقع کرنی چاہیے اور اس انعام کی توقع انہیں صرف اللہ سے کرنی چاہیے۔

بنی نوع انسان جو کام بھی کرتے ہیں ان میں سے ہر ایک اللہ کے علم میں ہوتا ہے وہ ہمارا پروردگار ہمارے تمام نیک کاموں سے باخبر ہے یہاں تک کہ وہ ہمارے دلوں کے بھیدوں سے بھی واقف ہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ وہ ان تمام نیک کاموں کا اجر عطا کرتا ہے جو قرآنی آیات کے مطابق سرانجام دیئے جاتے ہیں اور نیکوکاروں کو وہ یوں جنت کی بشارت دیتا ہے:

''سنو! بیشک اولیاء اللہ کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور (عمر بھر) پرہیزگاری کرتے رہے۔ انہیں کے لیے بشارت ہے دنیوی زندگی میں اور آخرت میں۔ نہیں بدلتیں اللہ تعالیٰ کی باتیں یہی بڑی کامیابی ہے۔'' (یونس۔10:62-64)

''یہی وہ (خوش نصیب) ہیں جن کے لیے ہیشگی کے جنت ہیں رواں ہیں جن کے نیچے ندیاں۔ انہیں پہنائے جائیں گے ان جنتوں میں کنگن سونے کے اور پہنیں گے سبز رنگ کا لباس جو باریک ریشمی کپڑے کا بنا ہوا ہوگا۔ تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے وہاں مرصع پلنگوں پر۔ کتنا اچھا ہے یہ اجر اور کتنی عمدہ ہے یہ آرامگاہ۔'' (الکھف۔18:31)

اس آیت میں ان مومنوں کا ذکر ہے جن کو اللہ ان کے ان نیک اعمال کے بدلے

میں جنت کے انعامات عطا کرے گا جو انہوں نے اپنے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کیے۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سی آیات میں مومنین کے لیے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ مثال کے طور پر درج ذیل آیت میں بتایا گیا ہے کہ مومنوں کا استقبال کیا جائے گا اور انہیں گروہوں کی شکل میں جنت میں داخل کیا جائے گا:

''(ان کے لیے) ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے۔ رواں ہوں گی ان کے نیچے نہریں۔ ان کے لیے وہاں ہر وہ چیز ہوگی جس کی وہ خواہش کریں گے۔ یوں بدلہ دیتا ہے اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو۔ وہ متقی جن کی روحیں فرشتے قبض کرتے ہیں اس حال میں کہ وہ خوش ہوتے ہیں (اس وقت) فرشتے کہتے ہیں (اے نیک بختو) سلامتی ہو تم پر داخل ہو جاؤ جنت میں ان (نیک اعمال) کے باعث جو تم کیا کرتے تھے۔'' (النحل۔6:31-32)

اس شاندار استقبال کے بعد اللہ انہیں اپنے ان گنت انعامات عطا کرتا ہے۔ مگر ان تمام انعامات سے بڑھ کر مومنین کی روحانی خوشی یہ ہوگی کہ انہوں نے اللہ کی خوشنودی اور جنت حاصل کر لی ہے۔ اس کے برعکس کفار جہنم کی آگ میں جل رہے ہوں گے۔ انہیں پچھتاوا اور خجالت ہوگی جبکہ مومنین اللہ کے ایسے فرمانبردار بندوں کی حیثیت سے زندگی گزار رہے ہوں گے جس میں ان کو اللہ کی خوشنودی اور محبت حاصل ہوگی۔ جہنم کے برعکس جہاں دوزخیوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگی مومنین بڑے آرام سے ہوں گے:

''اس جنت میں جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کی چوڑائی کے برابر ہے۔'' (الحدید۔57:21)

جنت میں ان مومنوں کو ہر طرف اللہ کی حکمرانی دکھائی دے گی۔ یہ خوبصورت گاؤ تکیے لگائے تخت پوشوں پر بیٹھے ہوں گے۔ جس پھل کی خواہش کریں گے وہ ان کی گود میں آ گریں گے، محلات میں رہائش پذیر ہوں گے جن کے نیچے ندیاں بہہ رہی ہوں گی اور یہ آپس میں باتیں کر رہے ہوں گے۔ جنت میں ٹھنڈک پہنچانے والے سائے ہوں گے۔ یہ ایسا مقام ہوگا جس کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ نہ زیادہ ٹھنڈے ہوں گے نہ زیادہ گرم۔

جیسا کہ سورۃ الکھف کی آیت: 31 میں بیان فرمایا گیا ہے کہ جنتیوں کا لباس سبز رنگ کے باریک ریشمی کپڑے کا ہوگا۔ اس کے علاوہ اُن کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ خوبصورت لباس کے علاوہ جنتیوں کو خوش ذائقہ کھانے اور مشروب پیش کیے جائیں گے۔ قرآن میں ان کا خاص طور پر ذکر آیا ہے کہ قسم قسم کے پھل اور ان پرندوں کا گوشت ہوگا جس کی یہ خواہش کریں گے۔ خوش ذائقہ مشروب ہوں گے، کھجوریں اور ایسے انار ہوں گے جن کا نعم البدل کوئی نہ ہو۔ پھلوں سے لدے ہوئے درخت ہوں گے۔ کیلے ہوں گے گچھوں پر گچھے۔ یہ سب تو اللہ کے وعدے کے مطابق کچھ انعامات ہوں گے۔

مزید یہ کہ جنت میں ہر جانب صرف خوبصورتی ہوگی۔ جنتیوں کو اس دنیا کی طرح وہاں کسی چیز کا انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ ہر طرف پھیلی خوبصورتی میں ان جنتیوں کو نہ تھکن کا احساس ہوگا نہ کوئی خوف اور غم ہوگا نہ ہی کسی اور شے کا تکلیف دہ احساس۔ جنت کی اس خوبصورتی کو اللہ نے یوں بیان فرمایا ہے:

''احوال اس جنت کے جس کا وعدہ متقیوں سے کیا گیا ہے۔ اس میں نہریں ہیں پانی کی جس کی بو اور مزہ نہیں بگڑتا۔ اور نہریں ہیں دودھ کی جس کا ذائقہ نہیں بدلتا۔ اور نہریں ہیں شراب کی جو لذت بخش ہے پینے والوں کے لیے اور نہریں ہیں شہد کی جو صاف ستھرا ہے اور ان کے لیے اس میں ہر قسم کے پھل ہوں گے اور مزید برآں (ان کے لیے) بخشش ہوگی اپنے ربّ کی طرف سے..........'' (محمد۔47:15)

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں جنت کے انعامات کی تفصیل اور جہنم کے عذاب کا ذکر فرمایا ہے۔ وہ لوگ جو یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ انہیں یہ سچائی سمجھ میں نہیں آئی وہ دونوں جہانوں میں خسارے میں رہیں گے۔ اس لیے لوگوں کو چاہیے کہ سنجیدگی سے آخرت کے لیے تیاری کریں تاکہ اپنے ربّ کے بے مثال انعامات حاصل کر سکیں جیسا کہ درج ذیل آیت میں واضح فرما دیا گیا ہے:

''یہ آخرت کا گھر ہم مخصوص کر دیں گے اس (کی نعمتوں) کو ان لوگوں کے لیے جو خواہش نہیں رکھتے زمین میں بڑا بننے کی اور نہ فساد برپا کرنے کی اور اچھا انعام پرہیزگاروں کے لیے ہے''۔ (القصص۔28:83)

''اور بیان فرمایئے اِن کے لیے مثال دو آدمیوں کی ہم نے دیئے تھے ان دونوں میں سے ایک کو دو باغ انگوروں کے اور ہم نے باڑ بنا دی ان دونوں کے اردگرد کھجور (کے درختوں) کی اور اُگا دی ان دونوں کے درمیان کھیتی۔ یہ دونوں باغ اپنے اپنے پھل لائے اور نہ کم ہوئی ان سے کوئی چیز اور ہم نے جاری کر دیں ان کے درمیان نہریں اور (باغوں کے علاوہ) اور بھی اس کے اموال تھے تو (ایک روز) اس نے اپنے ساتھی سے بحث مباحثہ کے دوران کہا کہ میں دولت کے لحاظ سے بھی تم سے زیادہ ہوں اور نفری کے لحاظ سے بھی تم سے طاقتور ہوں۔'' (الکھف۔34-18:32)

اس تمثیل کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ لوگ ایک مومن کا مقابلہ کسی ایسے شخص سے کریں جو دعویٰ تو مومن ہونے کا کرتا ہے لیکن اصل میں وہ کافر ہے۔ باغ کے مالکوں میں سے ایک دوسرے سے زیادہ امیر ہے اور اس بڑائی نے اسے اللہ کے روبرو متکبر بنا دیا ہے۔۔

مگر اللہ جس نے ہر شے کو عدم سے وجود دیا وہی ہر شے کا مالک ہے۔ وہ کچھ لوگوں کو دولت اور املاک دے کر آزماتا ہے۔ ان میں سے کچھ لوگ یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ یہ سب کچھ ان کی محنت اور ذہانت کا ثمر ہے اور پھر یہ مغرور ہو جاتے ہیں اور ناشکرے بھی۔ وہ اپنے مال و اسباب میں اضافہ کرتے رہتے ہیں اور دوسرے لوگوں کے درمیان اسے باعث تکبر اور باعث وقار بنا لیتے ہیں۔ دوسری جانب مومنین درج ذیل طریقے کا مظاہرہ کرتے ہیں:

''(اے حبیب! یُوں) عرض کرو اے اللہ! اے مالک ملکوں کے تو بخش دیتا ہے ملک جسے چاہتا ہے اور چھین لیتا ہے مُلک جس سے چاہتا ہے اور عزت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ذلیل کرتا ہے جس کو چاہتا ہے تیرے ہی ہاتھ میں ہے ساری بھلائی بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے''۔ (آل عمران۔3:26)

باغ کے ناشکرے مالک نے دعویٰ کیا کہ باغات اور ان کے پھلوں کی پیداوار اس کی ہے۔ وہ یہ دعویٰ کرتے وقت بھول گیا تھا کہ یہ تو اسے اللہ کے عطا کردہ انعام تھے اور اللہ کی طرف سے اس کی آزمائش تھی۔ اس کے دل میں غرور و تکبر آ گیا تھا جیسا کہ درج

ذیل آیات میں بیان فرمایا گیا ہے:

"اور نہ چلو زمین میں اکڑتے ہوئے (اس طرح) نہ تم چیر سکتے ہو زمین کو اور نہ پہنچ سکتے ہو پہاڑوں کے برابر بلندی میں۔ یہ سب (جن کا ذکر گزرا) ان میں سے ہر بری بات اللہ تعالیٰ کو (سخت) ناپسند ہے۔" (بنی اسرائیل۔17:37-38)

بہت سی آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ ایسے لوگوں کا انجام کیا ہوگا۔ درج ذیل آیات ملاحظہ فرمایئے:

"غافل رکھا تمہیں زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کی ہوس نے۔ یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے۔ ہاں ہاں! تم جلد جان لو گے۔ پھر ہاں ہاں! تمہیں (اپنی کوششوں کا انجام جلد معلوم ہو جائے گا۔ ہاں ہاں! اگر تم (اس انجام کو) یقینی طور پر جانتے (تو ایسا ہرگز نہ کرتے) تم دیکھ کر رہو گے دوزخ کو پھر آخرت میں تم دوزخ کو یقین کی آنکھ سے دیکھ لوگے۔ پھر ضرور پوچھا جائے گا تم سے اس دن جملہ نعمتوں کے بارے میں۔" (التکاثر۔103:1-8)

"اور (ایک دن) وہ اپنے باغ میں گیا درآنحالیکہ وہ اپنی جان پر ظلم کرنے والا تھا۔ کہنے لگا میں نہیں خیال کرتا کہ (یہ سرسبز و شاداب) باغ کبھی برباد ہوگا اور میں یہ خیال بھی نہیں کرتا کہ کبھی قیامت بھی برپا ہوگی۔ اور بفرضِ محال اگر مجھے لوٹا دیا گیا اپنے ربّ کی طرف تو یقیناً میں پاؤں گا اس (نزہت گاہ) سے بہتر پلٹنے کی جگہ"۔(الکھف۔18:35-36)

اس مغرور اور متکبر شخص نے صاف صاف اللہ کے احترام سے کنارہ کشی کی اور یہ کہا کہ اس کا باغ کبھی برباد نہیں ہوسکتا۔ اس نے ایک طرح سے ایک قسم کی خدائی کا دعویٰ کر ڈالا تھا۔

مگر صرف اللہ ماورا ہے اس زمان و مکان سے جس کا تخلیق کرنے والا وہ خود ہے۔ اللہ کا ایک نام الخالق ہے جس کے معانی ہیں تخلیق کرنے والا...... وہ جو ہر شے کو عدم سے وجود میں لاتا ہے اور پھر ان چیزوں کے بارے میں یہ علم بھی رکھتا ہے کہ ان کا انجام کیا ہوگا۔ انسانی زندگی کے آغاز کے لمحے سے لے کر اس کی موت تک ہر مرحلہ اللہ کے

سامنے موجود ہوتا ہے۔ اللہ کی سرپرستی اور حفاظت میں ہر شے اسی طرح رہتی ہے جیسی وہ ہے۔ اس نے ہر اس شے کو تخلیق کیا جسے ہر انسان نے دیکھا یا اس کے تجربے میں سے گزرا۔ اس خالق نے تو ان انسانوں کی زندگیوں کی جزئیات تک تخلیق کی ہیں۔ درج ذیل آیت ملاحظہ فرمایئے:

"......تاکہ تم خُوب جان لو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خُوب جانتا ہے۔" (المائدہ۔5:97)

اللہ چونکہ وقت سے ماورا ہے، ہر شے اس کے لیے وقوع پذیر ہوتی ہے اور اچانک اپنی منزل سے جا ملتی ہے۔ مگر لوگ تو وقت سے ماورا نہیں ہیں ان کی زندگیاں ماضی، حال اور مستقبل میں بٹی ہوئی ہیں۔ مگر یہ تقسیم صرف بنی نوع انسان تک محدود ہے۔ اس لیے کہ جسے ہم سمجھتے ہیں یہ صرف ہمارے لیے ایسا ہے۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ اللہ ہمارا خالق ہے، وقت کی ہماری ترتیب اللہ پر لاگو نہیں کی جا سکتی۔ اس حقیقت کا اظہار درج ذیل آیت میں کیا گیا ہے۔

"(لقمان نے کہا) پیارے فرزند! اگر کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر وزنی یا پھر وہ کسی چٹان میں یا آسمانوں یا زمین میں (چھپی) ہو تو لے آئے گا اسے اللہ تعالیٰ۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت باریک بین، ہر چیز سے باخبر ہے۔" (لقمٰن۔31:16)

اللہ کے نزدیک تمام واقعات ایک لمحے میں واقع ہوتے ہیں۔ وہ تمام مثالیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام، اصحابِ کہف، حضرت خضر علیہ السلام، ذوالقرنین علیہ السلام اور دیگر تمام پیغمبروں کی زندگیوں سے دی گئیں مثالوں پر مشتمل واقعات اور ہمارے دور کے واقعات اللہ کی موجودگی میں تمام ایک لمحے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اللہ کے نزدیک وہ گھڑی واقع ہو چکی ہے اور لوگ پہلے ہی اپنے دائمی گھر جا چکے ہیں۔ وہ لوگ جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں وہ جنت میں ہیں اور وہ جو اس خالق حقیقی پر ایمان نہیں رکھتے وہ دوزخ کا عذاب سہہ رہے ہیں۔

ایک زیادہ عام مگر جھوٹے عقیدے کے مطابق اللہ نے بنی نوع انسان کو تخلیق کیا ہے اور اس کے اراکین کو ایک مخصوص وقت دیا ہے، اللہ ان کی آزمائشوں کے نتائج کا انتظار کرتا ہے اور اس وقت تک انتظار کرتا رہے گا جب تک یہ کائنات ختم نہیں ہو جاتی لیکن درحقیقت اللہ کا انتظار کرنا سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ انتظار کرنا تو انسانی فعل ہے اور اللہ اس سے ماورا ہے اور وہ تمام انسانی نقائص سے ماورا ہے۔ اللہ کا ایک نام ''القدوس'' ہے یعنی وہ جو ہر خطا کمزوری، نقص اور بے خبری سے پاک ہے، وہ تمام انسانوں کے ماضی و مستقبل کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور ان کے زندگی بھر کے تجربات اس کے احاطۂ قدرت میں ہیں لیکن جہاں تک انسانوں کا تعلق ہے وہ وقت پر یقین رکھتے ہیں کیونکہ وہ اسے ماضی سے مستقبل کی جانب رواں سمجھتے ہیں جبکہ اللہ کے نزدیک ایسے الفاظ اور تصورات کا کوئی وجود نہیں ہے۔ ہر ایک شے، تمام لوگ اور تمام جاندار سب کے سب ایک ہی لمحے میں زندہ ہوتے ہیں۔ تمام وقت، زمانے، عہد، تاریخیں اور یہاں تک کہ تمام دن، گھنٹے اور منٹ ایک ہی لمحے کے اندر موجود ہوتے ہیں۔ یہ حقیقت اپنی جگہ بالکل واضح ہے خواہ لوگوں کی محدود عقل انہیں اس حقیقت وسچائی کو دیکھنے سے روک رہی ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مومنین اللہ کی طاقت کی تعریف کرتے ہیں اور اس کے سامنے جھک جاتے اور اس پر توکل کرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اللہ نے ان کا اور ہر شے کا احاطہ کر رکھا ہے اور وہ مکمل طور پر اسی پر انحصار کرتے ہیں۔ یہ لوگ اس کی عظمت و بڑائی کے سامنے بہت چھوٹے ہیں۔

جب مومنین اللہ کی عظمت و بڑائی کی تعریف کرتے ہیں اور تمام واقعات کے پیچھے جو اس کی حکمت ہوتی ہے اسے سمجھتے ہیں تو پھر مومنین برضا و رغبت سرتسلیم خم کر دیتے ہیں۔

قرآن پاک کی یہ آیت کہ ''بفرضِ محال اگر مجھے لوٹا دیا گیا اپنے ربّ کی طرف تو میں یقیناً پاؤں گا اس (نزہت گاہ) سے بہتر پلٹنے کی جگہ'' (الکھف۔18:36) میں بتایا گیا ہے کہ وہ لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ جنت میں جائیں گے اور اس کے لیے نہ تو انہیں اللہ کی مقررہ حدود و قیود کو اپنے اوپر نافذ کرنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی اللہ کی فرمانبرداری اور اس کے احکامات کو ماننے کی ضرورت ہے۔ ایسے لوگ اپنے آپ کو مستثنیٰ تصور کرتے ہیں اور یہ اللہ کی نافرمانی ہے۔

بہت سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ پر اور قرآن پر ایمان رکھتے ہیں مگر انہیں اللہ کا کوئی خوف اور ڈر نہیں ہے۔ وہ اللہ کے احکامات نہیں مانتے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر بھی نہیں چلتے۔ مگر اس کے باوجود انہیں پورا یقین ہوتا ہے کہ وہ مرنے کے بعد ضرور جنت میں جائیں گے۔

اس کے برعکس مومنین کو جنت کی امید بھی رہتی ہے اور دوزخ کا ڈر بھی۔ قرآن پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوتا ہے: ''اور جو تصدیق کرتے ہیں روزِ جزا کی اور جو اپنے ربّ کے عذاب سے ہمیشہ ڈرنے والے ہیں۔ بیشک ان کے ربّ کا عذاب نڈر ہونے کی چیز نہیں۔'' (المعارج۔28-70:26)

اس رویّے کا ذکر اس آیت میں یوں بیان فرمایا گیا ہے: ''اور دُعا مانگو اس سے ڈرتے ہوئے اور اُمید کرتے ہوئے بیشک اللہ کی رحمت قریب ہے نیکوکاروں کے لیے''۔ (الاعراف۔7:56)

مومنین کا رویہ ایسا ہوتا ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ کسی کو بھی یہ یقین نہیں ہوسکتا کہ وہ مرد یا عورت دوزخ میں نہیں جائے گی مگر انہیں یہ ضرور یقین ہوتا ہے کہ کفار یقیناً دوزخ کا عذاب سہیں گے۔

''کیا وہ بے غم ہو گئے ہیں اس بات سے کہ آئے ان پر چھا جانے والا اللہ تعالیٰ کا عذاب یا آ جائے ان پر قیامت اچانک اور انہیں اس کی آمد کا شعور تک نہ ہو۔'' (یُوسف۔12:107)

''کیا بے خوف (اور نڈر) ہو گئے وہ لوگ جنہوں نے بُرے مکر کیے کہ مبادا گاڑ دے اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں یا آ جائے ان پر عذاب اس طرح کہ (ان کو اس کی آمد کا) شعور ہی نہ ہو۔'' (النحل۔16:45)

''اس کے ساتھی نے اسے بحث مباحثے کے درمیان کہا کیا تُو انکار کرتا ہے اس ذات کا جس نے تجھے پیدا فرمایا مٹی سے پھر نُطفے سے پھر بنا سنوار کر تجھے مرد بنایا؟'' (الکھف۔18:37)

یہ آیت مومنین کے لیے رہنمائی فراہم کرتی ہے کہ وہ جب دوسروں کو اچھے اخلاق

کی دعوت دیتے ہیں یا جب انہیں اللہ کی یاد دلاتے ہیں تو انہیں کیسا روّیہ اپنانا چاہیے۔ اگر وہ لوگ جن سے یہ بات کر رہے ہیں، اللہ کے روبرو اپنی بے بسی فراموش کر بیٹھے ہیں اور گستاخ ہو گئے ہیں تو سب سے اچھی بات یہ ہوگی کہ انہیں ان کی بے بسی یاد دلائی جائے۔

ایک دوسرا باغ کا مالک، جو ایمان والا تھا، گستاخ مالک باغ کو ایمان کی دعوت دیتے وقت یہ یاد دلاتا ہے کہ: ''اسے مٹی اور نطفے کے ایک قطرے سے پیدا کیا تھا''۔ اگر اللہ چاہے تو اس دعوت کا اس شخص پر مثبت اثر ہوسکتا تھا۔ اللہ کے فرمانبردار اور ایمان رکھنے والے مالک باغ کو اپنے ہمسائے کے کمزور ایمان کا احساس ہو گیا تھا، اسی لیے اسے اس کی مدد کرنے کا خیال آیا۔ فطرت میں اللہ کی نشانیوں کی نشان دہی کر کے کسی دوسرے شخص کے ایمان کو مضبوط کرنے کا یہ بھی ایک طریقہ ہے۔

متکبر اور گستاخ مالک باغ کی گفتگو ایک مسلمان کی گفتگو سے مختلف تھی۔ اس سے ایک کافر کے اندازِ تکلم کو متاثر کر کے تبدیل کرنا مقصود تھا۔ اسی لیے ایک مسلمان مالک باغ اپنا سوال اس طرح شروع کرتا ہے: ''تو کیا تم پھر بھی انکار کرتے اس ذات کا؟''

دوسرا شخص اپنے انکار کا برملا اظہار نہیں کر رہا تھا مگر اس کے الفاظ صاف ظاہر کرتے ہیں کہ وہ یقین کے ساتھ اپنے اقرار کا اظہار نہیں کر رہا۔ حالانکہ وہ اپنے الفاظ میں اپنے عقیدے کا اقرار کر رہا تھا۔ مگر پھر بھی
وہ فی الحقیقت اللہ کے قانون کی پیروی نہیں کر رہا ہوتا۔ اس تضاد کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کا انکار کر رہا ہے۔

ہم ایسے لوگوں سے اکثر ملتے ہیں جو اپنے ہی قول سے انکار کر رہے ہوتے ہیں۔ بہت سے لوگوں کا کہنا یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں مگر وہ زندگی ایسی نہیں گزارتے جو اللہ کو پسند ہو۔ یہ لوگ قرآنی ضابطۂ اخلاق کے خلاف عمل کرتے ہیں اور رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو اپنانے کی کوشش نہیں کرتے۔ باوجود اس حقیقت کے کہ ان کے قول وفعل سے ان کا انکار ظاہر ہوتا ہے مگر وہ پھر بھی اپنے آپ کو نیکوکار تصور کرتے اور جنت کو اپنے لیے یقینی سمجھتے ہیں۔ مگر یہ محض اپنے آپ کو دھوکا دینے کے مترادف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات کو ضائع ہو گئے ان کے سارے اعمال۔ کیا انہیں جزا دی جائے گی سوائے اس کے جو وہ کیا کرتے تھے؟ ہرگز نہیں''۔ (الاعراف۔7:147)

''لیکن میں (تو) وہ اللہ ہی میرا ربّ ہے اور میں شریک نہیں ٹھہراتا اپنے رب کے ساتھ کسی کو۔'' (الکھف۔18:38)

پوری سورۃ الکھف میں اللہ نے ان لوگوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو اکثریت میں ہیں اور دوسروں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ قرآن میں کسی انسان، کسی شے، یا کسی خیال کو اللہ پر ترجیح دینے کو یا انہیں اس کے برابر سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کو اس کی ذات سے انکار کیا گیا ہے۔ قرآن نے اسے ''اللہ کے ساتھ دوسرے ناخداؤں کو کھڑا کرنا کہا ہے''۔ درحقیقت اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ایسے مقصد زندگی کا انتخاب کیا جائے جو اللہ کی خوشنودی کے حصول کے خلاف جاتا ہو یا کسی اور سے نجات طلب کرنا یا کسی اور شے کی خوشنودی تلاش کرنا یا کسی شے کو اللہ پر فوقیت دینا اس مقصد حیات میں شامل کر لیا گیا ہو۔

لوگوں کو چاہیے کہ اس طرح کے گناہ سے بچیں کیونکہ اللہ تعالیٰ بنی نوع انسان کو خبردار کرتا ہے کہ وہ چاہے گا تو باقی تمام گناہ معاف فرما دے گا مگر اس خاص گناہ کو کبھی معاف نہیں فرمائے گا۔ ظاہر ہے کہ مسلمان اس گناہ عظیم سے ہر قیمت پر بچنا چاہیں گے۔ حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو یہ نصیحت فرمائی تھی کہ: ''اے میرے پیارے فرزند! کسی کو اللہ کا شریک نہ بنانا یقیناً شرک ظلم عظیم ہے۔'' (لقمٰن۔31:13)۔ یہ گناہ کیوں گناہ عظیم ہے۔ اس کا ایک اور سبب یہ ہے کہ اس سے نیکیاں یعنی نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں جس سے بالآخر نقصان اور خسارہ رہتا ہے۔ قرآن اس کا ذکر یوں کرتا ہے:

''اور بیشک وحی کی گئی ہے آپ کی طرف اور ان کی طرف جو آپ سے پہلے تھے کہ اگر (بفرض محال) آپ نے بھی شرک کیا تو ضائع ہو جائیں گے آپ کے اعمال اور آپ بھی خاسرین میں سے ہو جائیں گے۔'' (الزمر۔39:65)

درج بالا آیت کی موجودگی میں وہ تمام لوگ جو اللہ کے ساتھ اس کے شریک

ٹھہراتے ہیں، ان کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا تاوقتیکہ وہ سچے دل سے توبہ کر کے، اسلام نہ لے آئیں اور پھر اس دین پر قائم رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ جو اللہ کے جلال سے ڈرتے ہیں وہ اس خطرے سے آگاہ رہتے ہیں۔

''اور کیوں ایسا نہ ہوا کہ جب تو باغ میں داخل ہوا تو تُو کہتا ماشاء اللہ لاقوۃ اِلاّ باللہ (وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر کسی میں کوئی طاقت نہیں) اگر تُو نے مجھے دیکھا کہ میں کم ہوں تجھ سے مال اور اولاد میں۔'' (الکھف۔18:39)

''اِس آیت میں ''ماشاء اللہ'' کی اہمیت کے بارے میں بتایا گیا ہے (جس کا مطلب ہے جیسا اللہ چاہتا ہے) مومنین جب کسی اعلیٰ فن اور اللہ کی قوت تخلیق کا ذکر کرتے ہیں تو احتراماً ان الفاظ کا استعمال کرتے ہیں۔

ان الفاظ کا دلی اظہار دوسروں کو یہ یاد دلاتا ہے کہ ہر شے کا مالک اللہ ہے اور ہر شے اپنے مقدر کے مطابق ظہور پذیر ہوتی ہے اور صرف وہی مالک حقیقی کسی شے کے بارے میں جو چاہتا ہے ویسا ہی ہو جاتا ہے۔ بیشک یہ یاددہانیاں بڑی مفید ہیں اس لیے کہ لوگ اپنی بے بسی کو بھول جاتے ہیں اور جہالت میں گر جاتے ہیں۔

مثال کے طور پر وہ مالکِ باغ جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتا اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرا کر یہ دعویٰ کر بیٹھتا ہے کہ جو کچھ اس کے پاس ہے وہ اس کا مالک ہے گو وہ اس انکار کا برملا اظہار نہیں کرتا مگر اس کے الفاظ میں اور رویّے میں ''پوشیدہ شراکت'' موجود نظر آتی ہے۔ اس کے دوست اسے باخبر کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے ساتھ شریک شامل کر رہا ہے اور اسے یاد دلاتے ہیں کہ ہر شے اللہ کی ملکیت ہے۔

ہمارے دور میں بالخصوص لوگوں کو اس خطرے سے آگاہ ہونا چاہیے اس لیے کہ ایسی صورت حال اکثر پیش آتی ہے۔ مثلاً ''الغنی'' (وہ جو ہر ضرورت سے آزاد ومبرا ہے) اللہ کی ایک صفت ہے مگر یہی لفظ لوگوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ کسی کی مالی حیثیت کو ظاہر کرنے کے لیے اس اصطلاح کے استعمال میں کوئی ہرج نہیں لیکن اگر کوئی اپنی دولت کا سبب اپنی ذہانت اور کوشش کو تصور کرنے لگے تو یہ شرک کے مترادف ہوگا۔

جب صورت حال یہ ہو تو لوگ بہ آسانی بھول جاتے ہیں جس طرح باغ کا وہ

مالک یہ بھول گیا تھا جو ایمان نہیں لایا تھا کہ تمام دولت کا حقیقی مالک اللہ ہے۔ وہ یہ بھی بھول جاتے ہیں کہ صرف اللہ ہی ''غنی'' ہے اور ان کے پاس جو کچھ بھی ہے سب اسی کا عطا کردہ ہے، وہ جب چاہے ان سے ہر شے واپس لے سکتا ہے۔ ایسے لوگ دوسروں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انہیں یہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ اللہ کے سوا ہر کوئی غریب ومفلس اور بے بس ہے اور اللہ اپنے فرمانبردار بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اپنی صفات کا کوئی سا حصہ عطا کر دیتا ہے۔ اس زاویے سے چیزوں کو دیکھا جائے اور اپنا عمل بھی اسی کے مطابق ہو تو انسان اللہ تعالیٰ کی لامحدود قوت اور حکمرانی کو بھول جاتا ہے اور اس ذاتِ باری تعالیٰ کی ہمسری کرنے لگتا ہے۔

دُرست رویّہ یہ ہے کہ یہ جان لیا جائے کہ تمام دولت کا حقیقی مالک اللہ ہے اور اس کائنات میں جو کچھ بھی ہے اس کا انتظام کرنے والا وہی واحد ہے۔ اسے یہ بھی جاننا چاہیے کہ وہ دوسرے انسانوں کو امیر اور غریب کے خانوں میں بانٹ کر نہ دیکھے بلکہ وہ انہیں اللہ کے ایسے فرمانبردار بندے سمجھے جنہیں اس نے دولت دے رکھی ہے۔ مثال کے طور پر اگر ایسے لوگوں کے خاندان والے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ ہی دولت کے حقیقی مالک ہیں اور وہ کسی ایسے شخص سے اپنی توقعات وابستہ کر لیتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ اللہ تمام دولت کا مالک ہے۔ اگر وہ اس حقیقت کو یاد نہیں کرتے تو ان کا روّیہ مکمل طور پر گمراہ کرنے والا ہوگا۔ اسی طرح ایسے لوگوں کے ملازمین کبھی یہ نہ بھولیں کہ انہیں اللہ ہی کھانا پینا اور چھت مہیا کرتا ہے۔ اللہ کو فراموش کر دینا ایک بہت بڑی غلطی ہوگی اور دوسری بڑی غلطی یہ ہوگی کہ اپنے ملازم رکھنے والے کو (آجر کو) بہت سی چیزوں کا کلی اختیار رکھنے والا سمجھا جائے۔ قرآن ایسے معاملات کی حقیقت کو اس طرح بیان فرماتا ہے:

''تم تو پوجا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کی اور تم گھڑا کرتے ہو نرا جُھوٹ۔ بیشک جن کو تم پوجتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر وہ مالک نہیں تمہارے رزق کے۔ پس طلب کیا کرو اللہ تعالیٰ سے رزق کو اور اس کی عبادت کیا کرو اور اس کا شکر ادا کیا کرو اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔'' (العنکبوت۔17-29)

''پس عجب نہیں کہ میرا ربّ مجھے عطا فرما دے کوئی بہتر چیز تیرے (اس) باغ سے اور اُتارے اس باغ پر (کوئی) آسمانی عذاب تو ہو جائے یہ (سرسبز) باغ

ایک چٹیل میدان۔ یا یُوں جذب ہو جائے اس کا پانی زمین کی گہرائی میں کہ پھر تو اس کو تلاش کے باوجود نہ پا سکے۔'' (الکھف ۔ 41-18:40)

ان آیات میں باغ کا مسلمان مالک اپنے مغرور دوست کو اس کی بے بسی یاد دلاتا ہے اور اسے بتاتا ہے کہ وہ اللہ کے کسی عذاب کو روکنا چاہے تو نہیں روک سکتا اور اس حقیقت کی موجودگی میں غرور وتکبر سے کام لینا عاقبت نااندیشی ہوگی۔

وہ لوگ جن کی دولت اور املاک انہیں یہ فراموش کرانے کے بعد مغرور بنادیتی ہے کہ اس دُنیا کی ساری خوبصورتی کی طرح یہ مال و دولت عارضی ہے۔ حسن و جمال اور جوانی بالآخر بڑھاپے کو جگہ دے دیتے ہیں جس طرح صحت وتندرستی بیماری کو اور کمزوری کو راستہ دے دیتی ہے۔

مال و دولت چونکہ عارضی ہوتی ہے اس لیے اللہ پل بھر میں امیر آدمی کی دولت چھین کر اسے غریب بنا دیتا ہے۔ لوگ چند لمحوں کے اندر اپنے محلات، سیر و تفریح کی کشتیاں، موٹر کاریں، جواہرات، سیلابوں، زلزلوں یا دیگر تباہ کاریوں میں کھو بیٹھتے ہیں۔ اللہ جو تباہی بھیجتا ہے اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ کسی بھی انسان کے پیارے اس سے بچھڑ سکتے ہیں، وہ مر سکتا ہے، معذور ہوسکتا ہے اسے کوئی ایسا زخم آ سکتا ہے جو کبھی مندمل نہ ہونے والا ہو، وہ اپنی یادداشت سے ہاتھ دھوسکتا ہے، اپنی صلاحیتوں سے محروم ہوسکتا ہے کیونکہ

''نہیں پہنچتی (کسی کو) کوئی مُصیبت بجز اللہ کے اذن سے۔'' (التغابن۔64:11)

ایسے واقعات کو نہ روکا جا سکتا ہے نہ واپس لوٹایا جا سکتا ہے نہ التوا میں ڈالا جا سکتا ہے۔ ایسے دن دولت اور جائیداد کسی کام نہ آئے گی کیونکہ:

''بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا نہ بچا سکیں گے انہیں ان کے مال اور نہ ان کی اولاد اللہ (کے عذاب) سے..............''
(آل عمران۔3:10)

جو شخص اپنے مال (مثلاً سفری کشتیاں، محلات اور دیگر املاک) کو ہمیشہ کے لیے محفوظ سمجھتا ہے پھر اسے کسی طوفان کے بعد اپنی مایوسی کا احساس ہوتا ہے۔ اللہ جسے چاہتا ہے طاقت، دولت، صحت وتندرستی دے دیتا ہے۔ وہ لوگوں کو بڑھاپا دے کر اپنی نشانیاں

ظاہر کرتا ہے۔ وہ ان لوگوں کو یہ یاد دلاتا ہے کہ دنیا کی دیگر زیب و زینت کی اشیاء کی مانند یہ لوگ تو اپنے جسموں کو بھی کنٹرول نہیں کر سکتے۔

چونکہ ہر شخص صرف ان تجربات سے گزرتا ہے جو اللہ نے اس کے مقدر میں لکھے ہیں۔ اس لیے لوگوں کو چاہیے کہ وہ اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں اور اسی پر توکل کریں۔ باغ کے مالک کا خیال تھا کہ اس کے باغات پر کوئی تباہی نہیں آئے گی نہ ہی آخر تک باغات کی پیداوار کو کوئی خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔ دراصل وہ اس حقیقت کو بھول گیا تھا کہ یہ اس کی خام خیالی تھی۔ اس کو یقین تھا کہ اس کے باغات کو سیراب کرنے والے دریاؤں میں پانی ہمیشہ رہے گا، اور اس کے باغات کی پیداوار کو کیڑے خراب نہیں کر سکتے۔ نہ خشک سالی آ سکتی ہے نہ کوئی اور تباہی۔

مگر اللہ بڑی آسانی کے ساتھ جب چاہے ہر شے کو الٹ پلٹ کر رکھ دیتا ہے۔ دریا خشک ہو سکتے ہیں اور کوئی بھی آفت پلک جھپکنے کی دیر میں آ سکتی ہے جس سے سرسبز و شاداب زمین بنجر ہوسکتی ہے۔ پھر اللہ کے سوا دوسرا کون ہے جو اس زمین کو از سرنو سرسبز کر دے؟ یقیناً اس شخص کی دولت اور املاک یہاں اس کی کوئی مدد نہیں کرسکتیں۔ ناشکری کا بدلہ اسی طرح ملا کرتا ہے۔ وہ مادی اشیاء جن کی اُس کی نظر میں بڑی قدر و قیمت تھی اور وہ اشیاء جن پر وہ ملکیت کا دعویٰ کیا کرتا تھا جن کی موجودگی میں وہ اللہ پر جھوٹ باندھا کرتا تھا اور اس کے شریک ٹھہراتا تھا آخرت میں اس کی کوئی مدد نہ کرسکیں گے کیونکہ:

''ہلاکت ہے ہر اُس شخص کے لیے جو (روبرو) طعنے دیتا ہے (پیٹھ پیچھے) عیب جوئی کرتا ہے۔ جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھتا ہے۔ وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس کے مال نے اسے لافانی بنا دیا ہے۔ ہرگز نہیں وہ یقیناً حطمہ میں پھینک دیا جائے گا اور تم کیا جانو کہ حطمہ کیا ہے۔ وہ اللہ کی آگ ہے خوب بھڑکائی ہوئی جو دلوں تک جا پہنچے گی۔ بیشک وہ (آگ) ان پر بند کر دی جائے گی۔ (اس کے شعلے) لمبے لمبے ستونوں کی صورت میں ہوں گے۔''(الھمزہ۔9-104:1)

سورۃ الکھف کی 41-40 آیات میں بھی اللہ کی بہت بڑی نعمت کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو لوگ بڑی مشکل میں پڑ جاتے مگر اللہ کا شکر ہے کہ کنویں اور

دوسرے آبی ذخائر ہمیں زیرِ زمین صاف اور میٹھا پانی مہیا کرتے ہیں اور ہم اللہ کی اس نعمت سے مستفید ہوتے ہیں۔

"اور اس کے (باغ) کا پھل برباد ہو گیا۔ پس وہ کف افسوس ملنے لگا۔ اس مال کے نقصان پر جو اس نے باغ پر خرچ کیا تھا۔ اور (اب) وہ گرا پڑا تھا اپنے چھپروں پر اور (بصد حسرت) کہنے لگا کاش! میں نے کسی کو اپنے ربّ کا شریک نہ بنایا ہوتا اور نہ رہی تھی اس کے پاس کوئی جماعت جو اس کی مدد کرتی اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں اور نہ وہ بدلہ لینے کے قابل تھا۔ یہاں سے ثابت ہو گیا کہ سارا اختیار اللہ سچے کے لیے ہے۔ وہی بہتر ثواب دینے والا ہے اور اس کے ہاتھ میں بہتر انعام ہے۔" (الکھف۔18:42-44)

وہ لوگ جو اللہ کے سوا دوسروں پر ایمان لاتے ہیں اور ان سے رحم کی بھیک مانگتے ہیں، ان پر بھروسہ کرتے ہیں انہیں وہ کچھ کبھی نہ مل سکے گا جس کی ان کو تلاش ہے۔ اسی لیے وہ اپنے آپ کو تنہا محسوس کرتے ہیں خصوصاً جب وہ مشکل میں ہوتے ہیں۔ اس دنیا کی مشکلات اور پریشانیوں کے مقابلے کے وقت وہ اپنے جھوٹے خداؤں کو بے بس پا کر مایوس ہو جاتے ہیں۔

سورۃ بنی اسرائیل کی آیت :22 میں کہا گیا ہے کہ:

"نہ ٹھہراؤ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ورنہ تم بیٹھ رہو گے اس حال میں کہ تمہاری مذمت کی جائے گی اور نہ بے یار و مددگار ہو جاؤ گے"۔

اللہ پر ایمان نہ رکھنے والے مالک باغ کی تمام دولت اور جائیداد غیر متوقع تباہی کے ذریعے اللہ نے اس سے چھین لی تھی۔ اب اس باغ کے مالک کو اس مصیبت کی گھڑی میں یہ احساس ہوا کہ اس نے کتنی بڑی غلطی کی تھی۔

اس مثال سے ہمیں ایک قیمتی سبق ملتا ہے کہ وہ جو اس دنیا میں اپنے آپ کو کسی قوت اور طاقت کا مالک سمجھتے ہیں انہیں یہ احساس دلایا جاتا ہے کہ اللہ کی مرضی کے سامنے وہ بالکل بے بس ہیں۔ یہ لوگ نہ تو اپنی کوئی مدد کر سکتے ہیں نہ ان کی جو ان کے نزدیک ہوتے ہیں۔

ہر شے اللہ کے اختیار میں ہے کوئی دوسرا نہ کوئی نفع دے سکتا ہے نہ نقصان۔ اس حقیقت کا اظہار درج ذیل آیت میں کیا گیا ہے:

"اور اگر پہنچائے تجھے اللہ تعالیٰ کوئی بھلائی (اس کو کوئی نہیں روک سکتا) وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے"۔ (الانعام۔6:17)

اللہ ہی پوری انسانیت کا دوست اور نگہبان ہے۔ اللہ کے سوا تمام جاندار اس کی مخلوق ہیں اور اسی کی مرضی سے زندہ رہتے ہیں۔ اللہ ہی خوشیاں اور دکھ، قہقہے اور آنسو دیتا ہے۔ اس کے سوا ہر کوئی مجبور و بے بس، غریب اور محتاج ہے۔ ان کے پاس نہ طاقت ہے نہ صلاحیت کہ دوسروں کی مدد کر سکیں۔ اللہ کے سوا کسی پر توکل نہیں کیا جا سکتا، اسی سے مدد کی توقع کی جا سکتی ہے اور اسی سے مانگا جا سکتا ہے۔

"بیان فرمایئے ان سے دنیوی زندگی کی (ایک اور) مثال یہ پانی کی طرح ہے جسے ہم نے اتارا ہے آسمان سے۔ پس گنجان ہو کر اُگتی ہیں اس پانی سے زمین کی انگوریاں پھر کچھ عرصے کے بعد وہ خشک بوسیدہ گھاس ہو جاتی ہے اُڑائے پھرتی ہیں اسے ہوائیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ مال اور فرزند (تو صرف) زندگی کی زیب و زینت ہیں اور (درحقیقت) باقی رہنے والی نیکیاں بہتر ہیں تیرے ربّ کے ہاں۔ ثواب کے اعتبار سے اور بہترین ہیں جن سے امید وابستہ کی جاتی ہے"۔ (الکھف۔18:45-46)

اس آیت میں ان نیک اعمال کا ذکر کیا گیا ہے جو باقی رہ جانے والے ہوتے ہیں۔ یہ اعمال قرآن کی اخلاقیات کے مطابق ہوتے ہیں اور اللہ انہیں پسند فرماتا ہے۔ لوگوں کو چاہیے کہ اللہ کی خوشنودی اور رضا حاصل کرنے کے لیے اور جنت کے حصول کے لیے نیک عمل کریں، یہ وہ اعمال ہیں جن سے مسلمانوں کے صبر و تحمل اور ایمان کی قوت کا پتا چلتا ہے۔ المختصر یہ کہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں اپنے عقیدہ و ایمان کی فکر ہے۔

ہر عمل کے پیچھے موجود نیت بہت اہم ہوتی ہے۔ کوئی بھی کام صرف اسی وقت اچھا ہو سکتا ہے جب وہ اللہ کی خوشنودی کے لیے کیا جائے۔ اگر یہ کام کسی اور نیت سے کیا گیا ہو تو یہ نیک عمل نہیں رہے گا بلکہ ایک ایسا کام رہ جائے گا جو دوسروں کی خوشی کی خاطر کیا

گیا ہو۔ دوسروں کی خوشی کے لیے پرستش کے جو کام کیے جاتے ہیں ان کا ذکر اللہ نے درج ذیل آیات میں فرمایا ہے:

''پس خرابی ہے ایسے نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز (کی ادائیگی) سے غافل ہیں۔ وہ جو ریاکاری کرتے ہیں اور (مانگے بھی) نہیں دیتے روز مرہ استعمال کی چیز''۔ (الماعون۔107:4-7)

یہی بات خیرات پر صادق آتی ہے کچھ لوگ خیرات اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے دیتے ہیں اور کچھ صرف دکھاوے کے لیے۔ درج ذیل آیات میں دونوں کے فرق کو واضح کیا گیا ہے:

''اے ایمان والو! مت ضائع کرو اپنے صدقوں کو احسان جتلا کر اور دکھ پہنچا کر اس آدمی کی طرح جو خرچ کرتا ہے اپنے مال لوگوں کو دکھانے کے لیے اور یقین نہیں رکھتا اللہ پر اور دن قیامت پر۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی چکنی چٹان ہو جس پر مٹی پڑی ہو پھر برسے اس پر زور کی بارش اور چھوڑ جائے اسے چٹیل صاف پتھر۔ (ریاکار) حاصل نہ کر سکیں گے کچھ بھی اس سے جو انہوں نے کمایا اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا کفر اختیار کرنے والوں کو اور مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی خوشنودیاں حاصل کرنے کے لیے اور اس لیے تاکہ پختہ ہو جائیں ان کے دل۔ ان کی مثال اس باغ جیسی ہے جو ایک بلند زمین پر ہو برسا ہو اس پر زور کا مینہ تو لایا ہو وہ باغ دوگنا پھل اور اگر نہ برسے اس پر بارش تو شبنم ہی کافی ہو جائے اور اللہ تعالیٰ جو تم کر رہے ہو سب دیکھ رہا ہے''۔ (البقرہ۔2:264-265)

وہ مسلمان جو نیک اعمال کرتے ہیں انہیں یہ ہرگز نہ بھولنا چاہیے کہ یہی وہ لوگ ہیں جو ایسے اعمال کا اجر پاتے ہیں۔ اللہ بڑا عظیم ہے نہ اس میں کوئی کمی پائی جاتی ہے نہ اسے کسی شے کی احتیاج ہے۔ اس لیے اسے مسلمانوں کے نیک اعمال کی محتاجی نہیں ہے۔ اس حقیقت کو قرآن حکیم میں یوں بیان فرمایا گیا ہے:

''اے لوگو! تم سب محتاج ہو۔ اللہ تعالیٰ کے اور اللہ ہی غنی ہے سب خوبیوں

سراہا۔ اگر اس کی مرضی ہو تو تم سب کو ناپید کر دے اور لے آئے ایک نئی مخلوق اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ پر قطعاً دُشوار نہیں''۔ (فاطر۔35:15-17)

ہمارا ربّ جب بھی چاہے جو بھی چاہے کر سکتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

''......کیا نہیں جانتے ایمان والے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت دے دیتا'' (الرعد۔13:31)۔

مسلمانوں کی یہ کوشش کہ اللہ کا دین پھیلے ان کی اپنی بہتری کے لیے ہے۔ اس لیے وہ لوگ جو نیک عمل کرتے ہیں اس سے ان ہی کو فائدہ پہنچتا ہے اور آخرت میں اس کا انعام پاتے ہیں۔ قرآن میں فرمایا گیا ہے:

''اور جو شخص کوشش کرتا ہے (حق کو سربلند کرنے کی) تو وہ اپنے ہی فائدے کے لیے کوشاں ہے بیشک اللہ تعالیٰ غنی ہے''۔ (العنکبوت۔29:6)

نیک اعمال کا ایک اور پہلو ان کا تسلسل ہے۔ کچھ لوگ اسے بہت آسان سمجھتے ہیں کہ ہر روز دو نیک عمل کر لیں، کچھ خیرت دے دیں، یا کسی طور بے غرض ہو کر خلوص کا ثبوت دے دیں۔ وہ ایسا عادتاً کر رہے ہوں گے یا اس لیے کہ اس سے ان کے مفادات پر زد نہیں پڑتی لیکن سب سے اہم بات یہ ہے کہ انسان عمر بھر نیک عمل کرتا رہے، اللہ کی خوشنودی کے حصول کی کوشش میں لگا رہے، بے غرضی سے کام کرے اور اپنے دین کی اشاعت کے لیے بھرپور کوشش کرتا رہے۔ وہ اس میں لگا رہے، بے غرضی سے کام کرے اور اپنے دین کی اشاعت کے لیے بھرپور کوشش کرتا رہے۔ وہ اس میں لگاتار لگے رہیں اور ایسے کام نہ چھوڑیں خواہ ان کے اردگرد کوئی دوسرا ایسا نہ کر رہا ہو، خواہ کوئی بھی اور اللہ کے احکامات کی تعمیل نہ کر رہا ہو۔ یوں وہ اپنے عزم مصمم کا اور اللہ پر اپنے یقین کا ثبوت دے رہے ہوں گے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

''اور زیادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ ہدایت یافتہ لوگوں (کے نور) ہدایت کو اور باقی رہنے والی نیکیاں بہتر ہیں۔ آپ کے ربّ کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے اور انہیں کا انجام اچھا ہے۔'' (مریم۔19:76)

نجات مومنوں کی منتظر رہتی ہے جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور عمر بھر اللہ کی خوشنودی اور جنت کے حصول کے لیے نیک عمل کرتے رہتے ہیں۔ اللہ یہ خوشخبری درج ذیل آیات میں یوں دیتے ہیں:

''اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے (ہمارا قانون یہ ہے) کہ ہم تکلیف نہیں دیتے کسی کو مگر جتنی اس کی طاقت ہے۔ وہ جنتی ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں کہیں گے ساری تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے راہ دکھائی ہمیں اس بہشت کی اور ہم ہدایت یافتہ نہیں ہوسکتے تھے اگر نہ ہدایت دیتا ہمیں اللہ تعالیٰ بیشک آئے ہمارے ربّ کے رسول حق کے ساتھ اور ان (خوش نصیبوں) کو آواز دی جائے گی کہ یہی وہ جنت ہے وارث بنائے گئے ہو تم جس کے بوجہ ان عملوں کے جو تم کیا کرتے تھے۔'' (الاعراف۔7:42-43)

''اور (غور کرو) جس روز ہم ہٹا دیں گے پہاڑوں کو (ان کی جگہ سے) اور تم دیکھو گے زمین کو کہ کھلا میدان ہے اور ہم جمع کریں گے انہیں پس نہیں پیچھے رہنے دیں گے ان میں سے کسی کو۔ اور وہ پیش کیے جائیں گے آپ کے ربّ کی بارگاہ میں صفیں باندھے ہوئے (پھر ہم انہیں کہیں گے کہ) آج تم آ گئے ہو ہمارے پاس جیسے ہم نے پیدا کیا تھا تمہیں پہلی بار۔ ہاں تم تو یہ خیال کیے ہوئے تھے کہ ہم نہیں مقرر کریں گے تمہارے لیے وعدے کا وقت''۔ (الکھف۔18:47-48)

جس طرح ہر انسان کی موت کا وقت مقرر ہے اس کائنات کی بھی ایک مقررہ گھڑی ہے۔ مگر صرف اللہ یہ جانتا ہے کہ یہ ''گھڑی'' کب آئے گی۔ اس بارے میں قرآن پاک میں یوں ارشاد ہوتا ہے:

''بیشک اللہ کے پاس ہی ہے قیامت کا علم۔ اور وہی اتارتا ہے مینہ۔ اور جانتا ہے جو کچھ (ماؤں کے) رحموں میں ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کمائے گا اور کوئی نہیں جانتا کہ کس سرزمین میں مرے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ علیم (اور) خبیر ہے''۔ (لقمٰن۔31:34)

سورۃ الکھف میں کچھ ایسے لوگوں کا ذکر ہے جو قیامت کی آمد کے بارے میں اندازے لگاتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو لوگ قیامت کو بہت دور سمجھتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ یہ بہت قریب ہے:

''قریب آ گیا ہے لوگوں کے لیے ان کے (اعمال کے) حساب کا وقت اور وہ غفلت میں منہ پھیرے ہوئے ہیں..........'' (الانبیاء۔21:1)

بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ اس دُنیا کی زندگی ہمیشہ رہے گی۔ اور قیامت کی گھڑی کبھی نہ آئے گی اور موت کوئی شے نہیں اور یوم حشر ایک فرضی کہانی ہے۔ مگر قیامت کی اس گھڑی سے مُراد ہے اس دنیا کا اور اس کے اندر موجود ہر شے کا ختم ہو جانا اور یہ اس کائنات کا اختتام اور آخرت کی دائمی زندگی کا آغاز ہے۔ اللہ نے ہر انسان کو عدم سے وجود بخشا اور اللہ نے ہر مرد و زن کے لیے ایک مقررہ مدّت کے بعد موت مقدر کر دی ہے۔

ہر انسان کی موت کا دن، لمحہ یہاں تک کہ مقررہ سیکنڈ اور مقام موت کا سبب تک اللہ کے علم میں ہے۔ اللہ جو زمان و مکان کی قید سے ماورا ہے ہر اس بات سے باخبر ہے جو انسان کے علم میں نہیں۔

قیامت کے روز مومنوں کو کوئی خوف نہ ہوگا اس لیے کہ اللہ نے ان سے وعدہ فرما رکھا ہے کہ ''اے میرے (پیارے) بندو! آج تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم (آج) غمزدہ ہو گے'' (الزخرف۔43:68)۔ تاہم قیامت کا دن کافروں کے لیے بہت مشکل دن ہوگا۔

مومنین نے دنیا میں اللہ کی خوشنودی کے لیے جو نیک اعمال کیے اور اللہ کی عبادت کی، اس کے احکامات کی تعمیل کی ان کا انہیں انعام ملے گا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس طرح افسردہ و غمگین نہیں کرے گا جس طرح کہ کفار غمگین ہوں گے۔ آخرت میں مومنین کا حال اس طرح بیان فرمایا گیا ہے:

''جس روز آپ دیکھیں گے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو کہ ضوفشانی کر رہا ہوگا ان کا نور ان کے آگے بھی اور ان کے دائیں جانب بھی (مومنو!) تمہیں مژدہ ہو آج ان باغوں کا بہہ رہی ہیں جن کے نیچے نہریں، تم ہمیشہ وہاں رہو گے۔ یہی وہ عظیم الشان کامیابی ہے''۔ (الحدید۔57:12)

''اور رکھ دیا جائے گا (ان کے سامنے) نامۂ اعمال، پس تُو دیکھے گا مجرموں کو کہ وہ ڈر رہے ہوں گے اس سے جو اس میں ہے اور کہیں گے صد حیف! اس نوشتہ کو کیا ہو گیا ہے کہ نہیں چھوڑا اس نے کسی چھوٹے گناہ کو اور نہ کسی بڑے گناہ کو مگر اس نے اس کا شمار کر لیا ہے اور (اُس دن) وہ پا لیں گے جو عمل انہوں نے کیے تھے اپنے سامنے اور آپ کا ربّ تو (اے حبیب!) کسی پر زیادہ نہیں کرتا''۔ (الکھف ۔18:49)

اس آیت میں اس ڈر کا ذکر کیا گیا ہے جو کفار قیامت کے روز محسوس کریں گے۔ انہیں اس بات پر حیرت بھی ہوگی کہ ان کے نامۂ اعمال میں وہ تمام چھوٹے بڑے گناہ درج ہیں جو انہوں نے دنیا میں کیے تھے۔ ان کی حیرت کا ایک سبب یہ ہوگا کہ وہ اس حقیقت سے بے خبر رہے کہ تمام زمانوں اور ان میں وقوع پذیر ہونے والی باتوں کو اللہ کنٹرول کرتا ہے۔

جب یہ بات تسلیم کر لی گئی کہ انسانی وقت کے ماضی، حال اور مستقبل کا اللہ پابند نہیں اور ہر بات ایک ہی لمحے میں اس کی موجودگی میں واقع ہوتی ہے۔ مقدر ہر شے کے بارے میں اللہ کا وہ علم ہے جو تھی، ہے اور ہوگی اور جس کی باریک سے باریک جزئیات سے بھی اللہ واقف ہوتا ہے۔ ہمارے ربّ کو اس کا مکمل علم ہوتا ہے مگر اس کے جاننے کا طریقہ ہمارے طریقے سے مختلف ہوتا ہے: وہ اسے مکمل طور پر تخلیق کرتا ہے اور اسی لیے انسانی زندگیوں کے ایک ایک لمحے کو کنٹرول کرتا ہے۔

دوسری طرف لوگ ان واقعات کو دیکھتے ہیں جو اللہ نے ان کے مقدر میں لکھ دیئے ہوں اور جو انہیں اپنی موجودگی میں ایک لمحے میں محفوظ کر لیتا ہے، جب ان کے وقوع پذیر ہونے کا وقت آ جاتا ہے۔ مگر بہت سے لوگ اس حقیقت سے آگاہ نہیں ہوتے اور مقدر کی اصل حقیقت کو غلط سمجھتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ وہ اپنا مقدر ''بدل'' سکتے ہوں یا اسے ''شکست'' دے سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر آپ کو کوئی حادثہ پیش آ جاتا ہے، مقدر کا مطلب یہ ہے کہ تمام متعلقہ حالات، آپ کا زندہ رہنا، آپ کے زخموں کی گہرائی اور یہ کہ ان کو مندمل ہونے میں کتنا وقت لگے گا۔

آپ ابھی تک اس لیے زندہ ہیں کہ یہ آپ کا مقدر ہے۔ دوسرے لفظوں میں آپ

نے مقدر کو نہ ''دھوکا'' دیا نہ اسے ''شکست'' دی۔ اس لیے کہ آپ کا مقدر تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اسے تبدیل کیا جا سکتا ہے تو آپ اپنے آپ سے مذاق کر رہے ہیں۔ یہ بھی ان کے مقدر میں ہے کہ وہ اس طرح سوچیں۔ مقدر اللہ کی سائنس ہے جو تمام زمانوں کو ایک لمحے کے طور پر جانتا ہے اور جو زمان و مکاں کو کنٹرول کرتا ہے۔

قیامت کے روز تمام لوگوں کے اعمال، الفاظ، ارادے ان کے سامنے لائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق بھولی بسری باتیں بھی تمام جزئیات کے ساتھ ظاہر کر دی جائیں گی۔ لوگ ہو سکتا ہے یہ سوچتے ہوں کہ ان کی کوئی بُرائی یا تکلیف دہ اعمال کچھ مدت بعد بُھلا دیئے جائیں گے مگر اللہ کے ساتھ ایسا نہیں ہوتا، اس کے لیے تو قیامت کے دن کی کوئی بات اور ہزاروں برس پہلے کا کوئی واقعہ ایک ہی لمحے میں موجود ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ بہت بڑی غلطی ہوگی اگر یہ سمجھا جائے کہ کسی انسان کے اعمال راز میں رہیں گے یا انہیں بُھلا دیا جائے گا یا یہ کہ ان اعمال کو کبھی بھی ان کے سامنے نہیں لایا جائے گا۔

ٹرین کے راستے کے ماضی کے مقامات اور اس کے حال اور مستقبل کے مقامات تمام اللہ کے روبرو ایک ہی لمحے میں موجود ہوتے اور وقوع پذیر ہوتے ہیں۔

''اور یاد کرو جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو پس سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ وہ قوم جن سے تھا سو اس نے نافرمانی کی اپنے ربّ کے حکم کی (اے اولادِ آدم!) کیا تم بناتے ہو اُسے اور اس کی ذریّت کو اپنا دوست مجھے چھوڑ کر حالانکہ وہ سب تمہارے دشمن ہیں۔ ظالموں کے لیے بہت بُرا بدلہ ہے''۔ (الکھف ۔18:50)

اس آیت میں فرمانبرداری کی اہمیت کا ذکر ہے۔ ابلیس نے آدمؑ کو سجدہ نہیں کیا تھا اور یُوں اللہ کی نافرمانی کی۔ اُس کی پہچان اس کی نافرمانی ہے جبکہ مومنین اللہ کے فرمانبرداروں کے طور پر پہچانے جاتے ہیں، وہ اس کے پیغمبروں پر اور آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

لوگوں کی زندگی میں اور معاشروں میں فرمانبرداری کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ کسی بھی معاشرے میں قانون اور ضابطے اس فرمانبرداری، احترام اور بھروسے ہی سے جگہ پاتے ہیں جو لوگوں کو ریاست پر ہوتا ہے۔ بہت سی آیات میں مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے

کہ حاکم کے حکم کی تعمیل کریں بشرطیکہ حکمران مذہب کے خلاف زندگی نہ گزار رہے ہوں۔ یوں ایک معاشرے میں لوگ قرآنی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں اور ایک ایسا ماحول پیدا کرتے ہیں جس میں فرمانبرداری اور احترام کو اہمیت دی جاتی ہے۔

مذہبی تعلیمات لوگوں کو ظلم و تشدد، دہشت گردی کے کاموں سے منع کرتی ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو بدعنوانی پھیلانے سے منع فرماتا ہے۔ ان میں سے چند ایک آیات یہ ہیں:

> ''اور طلب کرو (اس مال و زر سے) جو دیا ہے تجھے اللہ تعالیٰ نے آخرت کا گھر اور نہ فراموش کر اپنے حصّے کو۔ دنیا سے اور احسان کیا کر (غریبوں پر) جس طرح اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان فرمایا ہے اور نہ خواہش کر فتنہ و فساد کی ملک میں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نہیں دوست رکھتا فساد برپا کرنے والوں کو۔'' (القصص۔28:77)

> ''اور پورا کرو ناپ اور تول کو اور نہ گھٹا کر دو لوگوں کو ان کی چیزیں اور نہ فساد برپا کرو زمین میں اس کی اصلاح کے بعد۔ یہ بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم ایمان لانے والے ہو۔'' (الاعراف۔7:85)

وہ لوگ جو سمجھتے ہیں اور مذہبی اخلاقیات کے مطابق زندگی گزارتے ہیں وہ قدرتی بات ہے کہ ہر طرح کی برائی سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ قرآنی تعلیمات پر عمل کرتے اور اس کے نتیجے میں اطمینان قلبی، قناعت، رواداری اور ایسا رویہ اختیار کرتے ہیں جس میں اشتعال شامل نہ ہو، یہ لوگ یگانگت پیدا کرنے کی تلاش میں رہتے ہیں۔

اگر معاشرے میں قرآن کا دیا ہوا سماجی نمونہ عام ہو جائے جو شیطان کے راستے کے برعکس ہے تو امن و سکون اور یگانگت کا راج ہوگا۔ وہ لوگ جو پولیس اور دوسری سیکورٹی فورسز کی مخالفت کرتے ہیں اور ان سے غصے اور ناراضگی سے ملتے ہیں وہ ان سرگرمیوں کو حق بجانب ثابت نہ کر سکیں گے۔ وہ لوگ جو اسلامی اصول و ضوابط کے مطابق زندگی گزارتے ہیں وہ مددگار اور قوت برداشت رکھنے والے ہوتے ہیں اور امن قائم کرنے والی ایجنسیوں کے حامی ہوتے ہیں۔ یہ لوگ ان کے لیے مختلف معاملات کو آسان بنا دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا دم غنیمت ہوتا ہے۔ بدنظمی، دہشت، انتشار اور دشمنی و عداوت ختم ہو

جائے گی۔ لوگوں کے درمیان موجود تصادم اور ان کے جھگڑے ختم ہو جائیں گے اور تمام لوگ جس وقت جہاں جانا چاہیں گے امن و سلامتی کے ساتھ جا سکیں گے۔

> ''میں نے ان سے مدد نہیں لی تھی جب آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور نہ (اس وقت ان سے مدد لی) جب خود انہیں پیدا کیا اور میں نہیں بنایا کرتا گمراہ کرنے والوں کو اپنا دست و بازو۔'' (الکھف۔18-51)

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ مومنین کو صرف مومنین سے ہی دوستی کرنا چاہیے جو اللہ کے فرمانبردار ہوتے ہیں اور جو اچھے کریکٹر کے مالک ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے ساتھ ہونا مومنین کو تمام خطرات سے محفوظ بنا دیتا ہے اور وہ راستے سے بھٹکتے نہیں اور اچھے کام کرنے میں ان کی مدد کرتے ہیں۔ مومنین چونکہ ایک دوسرے کے دوست اور مربی ہوتے ہیں اس لیے وہ ایک دوسرے کو اللہ کی نشانیاں یاد دلاتے رہتے ہیں اور اچھے اخلاق کی تلقین کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو دوست بنانا جو دوسروں کو گمراہ کر دیتے اور بغاوت پر اُکساتے ہیں وہ سوائے نقصان اور تباہی کے کچھ نہیں لاتے، جیسا کہ درج ذیل آیت میں بیان فرمایا گیا ہے:

> ''اور یاد کرو جب آراستہ کر دیئے ان کے لیے شیطان نے ان کے اعمال اور (انہیں) کہا کہ کوئی غالب نہیں آ سکتا تم پر آج ان لوگوں میں سے اور میں نگہبان ہوں تمہارا تو جب آمنے سامنے ہوئیں دونوں فوجیں تو وہ الٹے پاؤں بھاگا اور بولا میں بری الذمہ ہوں تم سے میں دیکھ رہا ہوں وہ جو تم نہیں دیکھ رہے۔ میں تو ڈرتا ہوں اللہ سے اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔'' (الانفال۔8:48)

یہ مت بھولیے کہ شیطان اس دنیا میں لوگوں سے ان کا دوست بن کر ملتا ہے مگر جب وہ اللہ کے سامنے سزا کے لیے پیش ہوتا ہے تو جو اسے دوست بناتے تھے ان کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ اسی وجہ سے قرآن ہمیشہ مومنین کو یہ حکم دیتا ہے کہ دوسرے مومنین کو اپنے دوست اور مربی بناؤ جیسا کہ اس میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

> ''تمہارا مددگار تو صرف اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول (پاک) ہے اور ایمان والے

ہیں جو صحیح صحیح نماز ادا کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کیا کرتے ہیں اور (ہر حال میں) وہ بارگاہِ الٰہی میں جھکنے والے ہیں اور (یاد رکھو) جس نے مددگار بنایا اللہ کو اور اس کے رسول کریم ﷺ کو اور ایمان والوں کو (تو وہ اللہ کے گروہ سے ہیں) بلاشبہ اللہ کا گروہ ہی غالب آنے والا ہے''۔ (المائدہ۔ 5:55-56)

''اور اس روز اللہ تعالیٰ (کفار کو) فرمائے گا بلاؤ میرے شریکوں کو جنہیں تم (میرا شریک) خیال کیا کرتے تھے تو وہ انہیں پکاریں گے پس وہ انہیں کوئی جواب نہیں دیں گے اور ہم حائل کر دیں گے ان کے درمیان ایک آڑ اور دیکھیں گے مجرم (جہنم کی) آگ کو اور وہ خیال کریں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں اور نہ پائیں گے اس سے نجات پانے کی کوئی جگہ''۔
(الکہف۔ 18:52-53)

ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ وہ لوگ جو اللہ کے شریک ٹھہراتے ہیں انہیں آخرت میں غیر متوقع ہرجانہ ادا کرنا پڑے گا۔ اس روز ان کے ساتھی انہیں چھوڑ جائیں گے اور یوں یہ اپنے آپ کو بالکل تنہا محسوس کریں گے۔ ہر شخص کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت اپنے اپنے اعمال کا جواب دینا ہوگا اور کسی پر کوئی ظلم نہ ہوگا۔ قرآنِ پاک میں آتا ہے:

''اور اگر (صرف) چُھو جائے انہیں جھونکا تیرے ربّ کے عذاب کا تو (سارا نشہ ہرن ہو جائے) یوں کہنے لگیں صد حیف! بیشک ہم ہی ظالم تھے۔ اور ہم رکھ دیں گے صحیح تولنے والے ترازو قیامت کے دن۔ پس ظلم نہ کیا جائے گا کسی پر ذرہ بھر۔ اور اگر (کسی کا کوئی عمل) رائی کے دانے کے برابر بھی ہوگا تو ہم اسے بھی لا حاضر کریں گے اور ہم کافی ہیں حساب کرنے والے''۔ (الانبیاء۔ 21:46-47)

ان آیات میں یہ بھی بیان فرمایا گیا ہے کہ وہ لوگ جو اللہ کے شریک ٹھہراتے ہیں وہ ''راہِ فرار'' تلاش کریں گے مگر بھاگنے کا کوئی راستہ نہ پا سکیں گے۔ ان کی حالت سے اللہ بخوبی واقف ہے۔ اس آیت میں جن باتوں کا ذکر ہے ان کی کسی کو خبر نہیں، نہ کسی نے وہ منظر دیکھا ہے جس کو یہاں بیان کیا گیا ہے اور نہ ہی یہ بات چیت کسی نے سنی ہے۔ چنانچہ مستقبل کے یہ واقعات ان دیکھی باتوں کا حصّہ ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ آنے

والے وقت کا حصہ ہیں جو ہم نہیں جان سکتے۔

مگر اللہ کی نگاہ میں، جو تمام زمانوں کو احاطہ کیے ہوئے ہے یہ واقعات پہلے پیش آ چکے ہیں اور ختم ہو چکے ہیں۔

ہمارا ربّ لوگوں کے عذر خوب جانتا ہے وہ ان کے فرار کے سارے منصوبوں سے باخبر ہے، وہ اس کے لیے کیا طریقے استعمال کریں وہ بھی اس کے علم میں ہیں۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ انہیں کس طرح سزا دی جائے گی اور یہ بھی اس سے پوشیدہ نہیں کہ کس دائمی عذاب سے گزریں گے، اس لیے کہ وہی ہر شے کا خالق ہے۔ وہ ذات باری تعالیٰ یہ سب کچھ وقت سے قبل ہم پر آشکار کر دیتا ہے تاکہ ہم دوسروں کی غلطیوں سے سبق سیکھ سکیں۔ تاہم یہ ''قبل از وقت'' کا تصور صرف انسانوں کے ہاں پایا جاتا ہے۔ اللہ کے نزدیک ''پہلے''، ''بعد میں'' کا کوئی وجود نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ دونوں تو اس کے نزدیک ''عین موجود لمحے'' کی بات ہیں۔ دوسرے لفظوں میں اللہ ماضی کو ''یاد'' نہیں کرتا یا اسے مستقبل کے ''جاننے کے لیے انتظار'' نہیں کرنا پڑتا بلکہ وہ تو ان دونوں کو ''جانتا'' ہے۔ مگر اس کا جاننا یا علم رکھنا ہمارے جاننے یا علم رکھنے کی طرح نہیں ہوتا۔ جو باتیں ابھی وقوع پذیر ہوتی ہیں وہ اللہ کے علم میں ہیں مگر یہ علم اس طرح کا نہیں جیسا کہ مختلف باتوں کو جاننے کے لیے ہمیں ہوتا ہے۔ اللہ کے نزدیک ''بعد میں'' ہونے والی بات بالکل موجودہ لمحے کی بات ہے اور اسی لمحے وہ ختم بھی ہو چکی ہے، ایسا ہو چکا اور ختم ہو گیا ہے۔ ہر لمحہ، ماضی، حال اور مستقبل، ہم جو بھی گزارتے ہیں وہ اللہ کے نزدیک ''ایک لمحے'' کے طور پر موجود ہے۔ اللہ تمام زمان و مکان کو اپنے علم سے احاطہ کیے ہوئے ہے۔

''(اس وقت) کہیں گے ہائے ہم برباد ہو گئے! کس نے ہمیں اٹھا کھڑا کیا ہے ہماری خواب گاہ سے (آواز آئے گی) یہ وہی ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ فرمایا تھا اور سچ کہا تھا (اس کے) رسولوں نے''۔
(یٰسین۔ 36:52)

ہمارے ماضی اور مستقبل میں جو کچھ بھی ہے اللہ کے نزدیک یہ لمحۂ واحد کی شکل میں ہے۔ ہمارے حافظے میں جو علم رہ جاتا ہے اسے اللہ نے ماضی کے طور پر وہاں ڈالا ہوتا ہے اور وہاں چونکہ مستقبل کا علم نہیں رکھا جاتا اس لیے ہم اسے نہیں جانتے۔

"اور بیشک ہم نے طرح طرح سے بار بار بیان کی ہیں اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر قسم کی مثالیں اور انسان ہر چیز سے بڑھ کر جھگڑالو ہے"۔
(الکھف۔18:54)

قرآن پاک ایمان کی طرف لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے اور سچ کو جھوٹ سے الگ کر دیتا ہے۔ یہ اللہ کا ایک انعام ہے جو بڑا واضح اور قابل فہم ہے۔ یہ ایک یاددہانی ہے اور ایک تنبیہ بھی۔

درج بالا آیت میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ قرآن میں تمام لوگوں کی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے جو اس دنیا میں رہتے ہیں متنوع موضوعات پر بیشمار مثالیں اور تشریحات موجود ہیں۔ اخلاقیات سے لے کر روزمرہ کے معاملات تک باہمی انسانی رشتوں سے لے کر تجارت تک، آسمانوں اور زمین میں تخلیق کی نشانیوں سے لے کر مستقبل کی نشانیوں تک، تمام کی تمام قرآن پاک میں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر وہ لوگ جو مذہبی اخلاقیات کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں انہیں بتایا گیا ہے کہ:

"نہیں نظرانداز کیا ہم نے کتاب میں کسی چیز کو....." (الانعام۔6:38)

اس خوبی کو درج ذیل آیات میں بیان فرمایا گیا ہے:

"(آپ ان سے پوچھیے) کیا اللہ کے سوا میں تلاش کروں کوئی اور منصف حالانکہ وہی ہے جس نے اُتاری ہے تمہاری طرف کتاب مفصل۔ اور جن کو ہم نے دی ہے کتاب وہ (اچھی طرح) جانتے ہیں کہ یہ (قرآن) اُتارا گیا ہے آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ۔ تو (اے سننے والے) ہرگز نہ ہو جانا شک کرنے والوں سے اور مکمل ہوگئی آپ کے ربّ کی بات سچائی اور عدل سے نہیں کوئی بدلنے والا اس کی باتوں کا اور وہی ہے سب کچھ سننے والا جاننے والا"۔ (الانعام۔115-6:114)

"......اور ہم نے اُتاری ہے آپ پر یہ کتاب اس میں تفصیلی بیان ہے ہر چیز کا۔ اور یہ سراپا ہدایت و رحمت ہے اور یہ مژدہ ہے مسلمانوں کے لیے"۔ (النحل۔16:89)

جھگڑالو فطرت کے لوگوں کو اللہ ناپسند فرماتا ہے، یہ لوگ ہمارے لیے اور ہمارے ارد

گرد کے انسانوں کے لیے انتشار پیدا کرتے ہیں۔ یہ کردار کی خامی تصور ہوتی ہے۔ قرآن پاک مومنین کو تلقین کرتا ہے کہ وہ نہایت شائستگی سے بات چیت کریں۔

قرآن کے نزول کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ یہ ایک ایسی روشن خیالی دینے والی کتاب ہے کہ اس کی آیات میں لوگوں کی کمزوریوں کے مسائل کا حل موجود ہے، غصہ و اشتعال کے وقت انہیں کیا کرنا چاہیے اس بارے میں نصیحت موجود ہے، مشکلات میں کس طرح صبر سے کام لینا چاہیے اس بارے میں رہنمائی مل جاتی ہے۔ اچھے کردار سے دور لے جانے والی باتوں (مثلاً حسد اور تضحیک) سے کیسے بچا جائے، اس بارے میں رہنمائی موجود ہے۔ مزید یہ کہ مومنین کو منافقین کے متعلق مطلع کر دیا گیا ہے۔ وہ جو دوسروں کو اللہ کا شریک بناتے ہیں ان کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔ کفار کس کردار کے مالک ہوں گے اس کا ذکر آ گیا ہے، کس صورت حال میں کیا سبق حاصل کرنا ہے اس بارے میں بتا دیا گیا ہے۔ چنانچہ وہ لوگ جو قرآن کی آیات پر غور وفکر کرتے ہیں وہ اپنے بارے میں اور جو کچھ ان کے گرد ونواح میں ہو رہا ہے اس سے متعلق بہت سی باتیں سیکھ سکتے ہیں۔ جیسا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"اور اسی طرح ہم نے اُتارا اس کتاب کو قرآن عربی زبان میں اور طرح طرح سے بیان کیں اس میں گناہوں کی سزائیں تاکہ وہ پرہیزگار بن جائیں یا پیدا کردے یہ قرآن ان کے دلوں میں یہ سمجھ"۔ (طٰہٰ۔20:113)

سورۃ الکھف کی آیت: 54 میں جھگڑالو فطرت کے لوگوں کا ذکر ہے۔ بہت سے لوگ اپنے خیالات کو دوسروں کے خیالات سے افضل سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے مخالفین کے خیالات کا احترام نہیں کرتے اور الفاظ کی جنگ میں حجت کے ذریعے جیتنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ دوسروں کو قائل کرنے کے لیے ہر حربہ استعمال کرتے ہیں: یہ اشتعال میں آتے، چیختے اور بعض اوقات غصے سے پاگل ہو جاتے ہیں۔

اس کے برعکس مومنین ایسے جھگڑالو انسانوں کے ساتھ بات کرتے وقت قرآن کی روشنی میں اپنی دلیل پیش کرتے ہیں۔ یہ شائستگی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ یہ جانتے ہیں کہ یہی وہ مؤثر طریقہ ہے جس کے ذریعے دوسروں کو راہ راست پر لایا جا سکتا ہے۔ اللہ کی مدد سے یہ ہمیشہ اس میں کامیاب ہوتے ہیں۔ درج ذیل آیت میں اس قسم کے

روپّے کے اثر کا ذکر کیا گیا ہے:

''اور اے نبیؐ! نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو تم دیکھو گے کہ تمہارے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی تھی وہ جگری دوست بن گیا ہے''۔ (حٰم السجدہ۔41:34)

''اور کس چیز نے روکا ہے لوگوں کو اس بات سے کہ وہ ایمان لے آئیں جب آ گئی ان کے پاس ہدایت (کی روشنی) اور مغفرت طلب کریں اپنے ربّ سے مگر یہ (کہ وہ منتظر ہیں) کہ آئے ان کے پاس اگلوں کا دستور یا آئے ان کے پاس طرح طرح کا عذاب''۔ (الکھف۔18:55)

یہاں ان لوگوں کا حال بیان ہوا ہے جو ایمان کی دعوت ملنے کے بعد بھی اپنے کفر پر سختی سے کاربند تھے اور پیغمبروں کے بتائے ہوئے صراطِ مستقیم کو اختیار نہیں کیا۔ وہ اپنے اس فیصلے پر اس قدر سختی سے قائم تھے کہ نہ انہیں پچھتاوا تھا نہ انہوں نے اللہ سے معافی مانگی۔ بلکہ وہ تو منتظر تھے کہ اللہ کب ان پر تباہی بھیجتا ہے۔ بہت کم خوف تھا یا یوں کہیے کہ انہیں اللہ کا خوف تھا ہی نہیں۔

جب ابتدائی قوموں میں اللہ نے اپنے پیغمبروں کو مبعوث کیا کہ وہ انہیں ایمان کی دعوت دیں اور انہیں دین کی تعلیمات کے مطابق زندگیاں گزارنے پر آمادہ کریں تو ان لوگوں نے بھی اسی طرح انکار کرتے ہوئے اس دعوت کو مسترد کر دیا تھا۔ ہر وہ قوم جو اللہ سے نہیں ڈرتی تھی اس نے ایمان کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اور یوں یہ اللہ کے عذاب کی مستحق ٹھہری تھی۔ قرآن میں بیان فرمایا گیا ہے کہ اللہ کا دائمی قانون ایمان نہ لانے والوں کو موجب سزا سمجھتا ہے اس موضوع سے متعلق چند آیات یہ ہیں:

''فرما دیجیے کافروں کو کہ اگر وہ (اب بھی) باز آ جائیں تو بخش دیا جائے گا انہیں جو ہو چکا اور اگر وہ (پہلے کرتوت) دُہرائیں تو گزر چکا ہے (ہمارا) طریقہ پہلے (نافرمانوں) کے ساتھ''۔ (الانفال۔8:38)

''وہ زیادہ سرکشی کرنے لگے زمین میں اور گھناؤنی سازشیں کرنے لگے اور انہیں گھیرتی گھناؤنی سازش بجز سازشیوں کے۔ پس کیا یہ لوگ انتظار کر رہے ہیں

(اگر یہ بات ہے) تو آپ نہیں پائیں گے اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی اور آپ نہیں پائیں گے اللہ کی سنت میں کوئی تغیر''۔ (فاطر۔35:43)

''مگر ہمارا عذاب دیکھ لینے کے بعد ان کا ایمان ان کے لیے کچھ بھی نافع نہ ہو سکتا تھا کیونکہ یہی اللہ کا مقرر ضابطہ ہے۔ جو ہمیشہ اس کے بندوں میں جاری رہا ہے اور اس وقت کافر لوگ خسارے میں پڑ گئے''۔ (المومن۔40:85)

اللہ کے دائمی قانون کے مطابق جو کامل اور غیر متبدل ہے وہ تمام قومیں جنہوں نے پیغمبروں کی دعوت قبول نہیں کی تھی انہیں اللہ نے اپنے متعین کردہ وقت پر تباہ کر دیا تھا۔ اسے کوئی بھی نہ تبدیل کر سکتا ہے نہ اسے آگے لے جا سکتا ہے نہ اس میں ایک گھنٹے کی بھی تاخیر کر سکتا ہے۔ اس لیے کہ ہمارے ربّ نے جس کے قبضۂ قدرت میں ہر شے ہے اس نے یہ چاہا تھا کہ ایسا ہو جائے۔ ایک آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

''اللہ کی سنت ان (بدقماشوں) کے متعلق بھی یہی تھی جو پہلے گزر چکے اور آپ سنتِ الٰہی میں ہرگز کوئی تغیر وتبدل نہ پائیں گے۔ (الاحزاب۔33:62)

''اور ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو مگر مژدہ سنانے والے اور ڈرانے والے اور جھگڑتے ہیں کافر بے سروپا دلیلوں کی آڑ لے کر تاکہ وہ مٹا دیں اس سے حق کو اور بنا لیا ہے انہوں نے میری آیتوں کو اور جن سے وہ ڈرائے گئے ایک مذاق''۔ (الکھف۔18:56)

ہمیں قرآن پاک میں بتایا گیا ہے کہ اللہ نے ہر قوم میں اپنے دین کی تبلیغ کے لیے پیغمبروں کو بھیجا تھا تاکہ کفر کو مٹایا جا سکے۔ انہوں نے کفار کو مختلف طریقوں سے دعوت دی کہ وہ اللہ پر ایمان لے آئیں اور اسلام کے اصولوں کے مطابق زندگی بسر کریں۔ مگر تاریخ میں ہمیں پتا چلتا ہے کہ جھوٹے عقائد نے معاشرے میں گہرے پنجے گاڑھ رکھے تھے جس کی وجہ سے لوگ سچے دین کی مخالفت کرتے تھے۔ یہ لوگ لامذہبیت اور غیر اخلاقی باتیں پھیلاتے اور دوسروں پر ظلم وستم کرتے تھے۔ وہ لوگوں پر اللہ کے پیغمبروں کے مثبت اثر کو زائل کرنے کی کوشش کرتے تھے اور لوگوں کو مذہبی تعلیمات کو اپنانے سے روکتے تھے۔ کفر پر قائم معاشروں نے حق و صداقت کو روکنے کے لیے کئی طریقے استعمال کیے:

پیغمبروں پر بہتان باندھتے تھے تاکہ ان کا اثر دب جائے۔ ان کے خلاف سازشیں کرتے تھے ۔ پیغمبروں اور آسمانی کتابوں پر اعتراضات کرتے تھے اور لوگوں کو ان کتابوں کو پڑھنے سے روکتے تھے اور جب ضروری سمجھتے تشدد پر اُتر آتے تھے۔ مثال کے طور پر درج ذیل آیت میں حضرت نوحؑ کی قوم کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ اس نے انہیں روکنے کے لیے کیا کیا کوشش کی:

''ان سے پہلے نوحؑ کی قوم بھی جھٹلا چکی ہے، اور اس کے بعد بہت سے دوسرے جتھوں نے بھی یہ کام کیا ہے۔ ہر قوم اپنے رسول پر جھپٹی تاکہ اسے گرفتار کرے ان سب نے باطل کے ہتھیاروں سے حق کو نیچا دکھانے کی کوشش کی مگر آخر کار میں نے ان کو پکڑ لیا پھر دیکھ لو کہ میری سزا کیسی سخت تھی۔'' (المومن ـ40:5)

جیسا کہ درج بالا آیت میں بتایا گیا ہے کہ کفار کی کوشش ایک بُری کوشش ہوتی ہے جو بالآخر ناکام ہو کر رہتی ہے۔ ماضی میں اللہ نے انہیں کبھی کامیاب نہیں ہونے دیا اور نہ ہی انہیں مستقبل میں کامیاب ہونے دے گا۔ ہمارا پروردگار اپنے وعدے کے مطابق ان لوگوں کو سخت سزا دے گا جو دوسروں کو سچے دین سے دور لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسا اس لیے ضرور ہوگا کہ یہ ان کے مقدر میں لکھ دیا گیا ہے۔ جو لوگ راستے سے بھٹک جاتے ہیں اور حق وصداقت سے انکار کر دیتے ہیں وہ اس دنیا میں بڑے خسارے میں رہتے ہیں اور آخرت میں بھی ان کے لیے تباہی و بربادی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور جس روز برپا ہوگی قیامت اس روز سخت نقصان اُٹھائیں گے باطل پرست۔'' (الجاثیہ ـ45:27)

سورۃ الکھف کی آیت:56 میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کفار نے اللہ کی نشانیوں (یعنی آیات) اور دوزخ کے آنے والے عذاب کا مذاق اُڑایا۔ اللہ کی آیات کا انکار دراصل ان کے زعم باطل کی وجہ سے ہے۔ ان کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی ہے کہ کوئی بھی اللہ کا نام نہ لے نہ ہی اسلام کی اخلاقیات میں دلچسپی لیں کیونکہ صرف اسی طرح

کے ماحول میں وہ اپنے برے کردار کے ساتھ رہ سکتے ہیں اور خوش رہتے ہیں ۔ ان کے خیال میں تخلیق کے ثبوت سے انکار کر کے یا اللہ کی طاقت کو نظرانداز کر کے وہ امن و سکون سے زندہ رہ سکتے ہیں۔ اس قسم کی جان بوجھ کر قائم رکھنے والی جہالت کا مطلب یہ ہے کہ بیّن اور روشن ثبوت بھی انہیں ایمان لانے پر آمادہ نہ کر سکے گا۔ اللہ اور اس کے دین سے انکار کر کے ان کے خیال میں انہیں برتری حاصل ہو جائے گی اور وہ آس پاس کے دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ معتبر سمجھیں جائیں گے جن کو اللہ نے تخلیق کیا ہے اور جو اللہ پر پورا بھروسہ کرتے ہیں اور اس کے بغیر اپنے آپ کو بے یارو مددگار سمجھتے ہیں۔ انہیں اللہ کے انعامات کی وجہ سے ایک فخر سا محسوس ہوتا ہے جن میں ذہانت، جسمانی قوت، مادی وسائل، اچھی شکل وصورت اور ہر وہ شے جو ان کے پاس ہے شامل ہیں۔ مگر جو لوگ اپنی عقل و ذہانت اور ضمیر کو استعمال نہیں کرتے وہ شکر گزار ہونے کے بجائے مذاق اڑانے کا انتخاب کر لیتے ہیں۔

قرآن میں بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ جونہی اللہ کی آیات سنتے ہیں ان کا مذاق اڑانا شروع کر دیتے ہیں مثال کے طور پر: ''اور جب کبھی نازل ہوتی ہے کوئی سورۃ تو بعض ان میں سے وہ ہیں جو (شرارتاً) کہتے ہیں کہ کس کا تم سے زیادہ کر دیا ہے اس سورۃ نے ایمان تو وہ (سن لیں) ایمان والوں میں اس سورۃ نے اضافہ کر دیا ہے اور وہ خوشیاں منا رہے ہیں۔'' (التوبہ ـ9:124) مگر ان کا مذاق اور تمسخر مومنین کو مایوس نہیں کرتا بلکہ دین سے ان کی محبت بڑھ جاتی اور ایمان میں پختگی آ جاتی ہے۔ ایک اور آیت میں کفار میں سوجھ بوجھ کی کمی اور ان آیات سے انحراف کو اس طرح بیان فرمایا گیا ہے:

''بیشک اللہ حیا نہیں فرماتا اس سے کہ ذکر کرے کوئی مثال مچھر کی ہو یا اس سے بھی حقیر چیز کی۔ تو جو ایمان لائے وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ مثال حق ہے ان کے ربّ کی طرف سے (اُتری ہے) اور جنہوں نے کفر کیا سو وہ کہتے ہیں کیا قصد کیا اللہ نے اس مثال کے ذکر سے۔ گمراہ کرتا ہے اللہ اس سے بہتیروں کو اور ہدایت دیتا ہے اس سے بہتیروں کو اور نہیں گمراہ کرتا اس سے مگر نافرمانوں کو''۔ (البقرہ ـ2:26)

جیسا کہ درج بالا آیت میں بتایا گیا ہے کہ وہ نہیں سمجھتے کہ اللہ نے اپنی آیات میں

سے ایک میں مچھر کی مثال کیوں دی ہے۔ اپنی لاعلمی کی وجہ سے انہوں نے پوچھا: ''کیا قصد کیا اللہ نے اس مثال کے ذکر سے؟'' اور پھر اس مثال کا مذاق اڑایا مگر آج سائنس نے یہ دریافت کرلیا ہے کہ مہلک مچھر میں حیرت انگیز خوبیاں ہوتی ہیں۔

اللہ نے 1400 برس قبل اس چھوٹی سی تخلیق کی حیرت انگیز خوبیاں بیان فرما دی تھیں اور اس زمانے کے کفار چونکہ یہ علم نہیں رکھتے تھے اس لیے آج ان کی کم عقلی کھل کر سامنے آ گئی ہے کہ انہوں نے یہ تمسخر آمیز الفاظ کیوں استعمال کیے تھے۔ کفار کا یہ عام وطیرہ رہا ہے کہ وہ اللہ کی پرستش کے کاموں سے متعلق اس کے احکامات کا مذاق اُڑایا کرتے تھے جیسا کہ درج ذیل آیت میں ارشاد ہوا:

اور جب تم بلاتے ہو نماز کی طرف (یعنی اذان دیتے ہو) تو وہ بناتے ہیں اسے مذاق اور تماشا یہ (حماقت) اس لیے ہے کہ وہ ایسی قوم ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے''۔ (المائدہ۔5:58)

وہ لوگ جو مذہب کو مسترد کر دیتے ہیں اور مذاق اُڑاتے ہیں اللہ نے اس کا ذکر بہت سی آیات میں فرمایا ہے اور مومنین کو تلقین فرمائی ہے کہ وہ اس قسم کی بے ہودہ گفتگو کا جواب کس طرح دیں:

''اور (اے سننے والے!) جب تُو دیکھے انہیں کہ بے ہودہ بحثیں کر رہے ہیں ہماری آیتوں میں تو منہ پھیر لے ان سے یہاں تک کہ وہ الجھنیں لگیں کسی اور بات میں......'' (الانعام۔6:68)

وہ لوگ جو اللہ کے رسولوں اور مذہب سے انکار کرتے ہیں اور وہ جو ان کا مذاق اڑاتے ہیں سبھی کو روز قیامت دیکھنا ہوگا جیسا کہ درج ذیل آیت میں بیان فرمایا گیا ہے:

''یہ ہے ان کی جزا جہنم اس وجہ سے کہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیتوں اور رسولوں کو مذاق بنا لیا''۔ (الکہف۔18:106)

''اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جسے نصیحت کی گئی اس کے ربّ کی آیتوں سے پس اس نے روگردانی کر لی ان سے اور فراموش کر دیا اس نے ان (اَعمال بد کو) جو آگے نہ بھیجے تھے اس کے دونوں ہاتھوں نے۔ ہم نے ڈال

دیئے ان کے دلوں پر پردے تاکہ وہ قرآن کو نہ سمجھ سکیں اور ان کے کاموں میں گرانی پیدا کر دی اور اگر تم بلاؤ انہیں ہدایت کی طرف تو جب بھی وہ ہدایت قبول نہیں کریں گے''۔ (الکہف۔18:57)

بہت سے لوگ رسولوں کی واضح دعوت اور یاددہانیوں کے باوجود آیات سے منہ موڑ لیتے ہیں لیکن جیسا کہ اس آیت میں اللہ فرماتا ہے کہ ان کا انکار اس ذات باری تعالیٰ کی منشا اور اس کے حکم سے ہے۔ اس قسم کا انکار جس میں ان کا تمسخرانہ رویہ بھی شامل ہے اور اِسے سمجھنے کی صلاحیت نہ رکھنا ان کے مقدر میں طے شدہ ہے۔ وہ سمجھنے کی جتنی کوشش بھی کریں اور ان میں ایسا کرنے کا عزم و ارادہ خواہ کتنا ہی کیوں نہ ہو وہ اسے حاصل نہیں کر سکتے۔ انہیں نوشتہ تقدیر کے مطابق زندہ رہنا ہے۔

ایمان کی دولت صرف اللہ عطا کر سکتا ہے اور اس نے ان کے مقدر میں کفر لکھ دیا ہے۔ اس لیے جب تک اللہ نہیں چاہے گا کوئی بھی دعوت ایمان ان پر اثر نہیں کرے گی۔ اللہ نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں۔ درج ذیل آیات میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوتا ہے:

''اور کچھ ان میں سے ایسے ہیں جو کان لگاتے ہیں آپ کی طرف اور ہم نے ڈال دیئے ہیں ان کے دلوں پر پردے تاکہ نہ سمجھیں وہ اسے اور ان کے کانوں میں گرانی ہے اور اگر وہ دیکھ لیں ہر ایک نشانی بھی تو نہیں ایمان لائیں گے ان کے ساتھ......'' (الانعام۔6:25)

''مہر لگا دی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے''۔ (البقرہ۔2:7)

اللہ فرماتا ہے کہ یہ لوگ کبھی بھی ہدایت یافتہ نہیں ہوں گے۔ اس آیت میں ہمارا ربّ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ تقدیر بدلنا ناممکن ہے اور ہم جس قدر بھی کوشش کریں جس کسی کے مقدر میں جو کچھ ہے اس سے باہر وہ کچھ نہیں پائے گا۔

''اور آپ کا پروردگار تو بہت بخشنے والا بڑا ہی رحمت والا ہے اور اگر وہ پکڑ لیتا انہیں ان کے کئے پر تو جلد ان پر عذاب بھیجتا (وہ ایسا نہیں کرتا) بلکہ ان کو سزا

دینے کا ایک وقت مقرر ہے نہیں پائیں گے اس وقت اس کے بغیر کوئی پناہ کی جگہ"۔(الکھف۔18:58)

یہ آیت ہمیں اللہ کی اپنے بندوں کے لئے لامحدود رحمت اور کرم یاد دلاتی ہے۔ اللہ جو بڑا مہربان ہے ہر شے پر اپنا کبھی نہ ختم ہونے والا رحم وکرم فرماتا ہے جس میں کوئی استثنیٰ نہیں برتتا۔ اس ہوا سے لے کر جس میں ہم سانس لیتے ہیں۔ اس خوراک تک جو ہم کھاتے ہیں۔ ایک شخص کے دھڑکتے دل سے لے کر فطرت کی بے مثال خوبصورتی تک یہاں تک کہ کائنات کی چھوٹی سی شے تک ہر چیز سے اللہ کی رحمت جھلکتی ہے۔

وہ لوگ جو ان انعامات کی تعریف کرتے ہیں انہیں اللہ کی تخلیق کا مقصد سمجھ میں آتا ہے اور وہ اللہ کی عبادت کرتے ہیں جبکہ دوسرے ناشکری کا ثبوت دیتے ہوئے منہ موڑ لیتے ہیں۔ اللہ زمین کی ساری نعمتیں ہر ایک کو عطا کرتا ہے جن میں کفار اور منافقین بھی شامل ہیں اور وہ جو اس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں اس کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں خواہ یہ کھلی نعمتیں ہوں یا پوشیدہ، اِس ہوا سے لے کر جس میں وہ سانس لیتے ہیں اس پانی تک جو وہ پیتے ہیں۔ اللہ ہی انہیں مال و اسباب اور املاک بخشتا ہے جس طرح وہ یہ سب کچھ مومنین کو عطا کرتا ہے۔ وہ انہیں رہنے کو گھر اور ان کے خاندانوں کو اور نسلوں کو قائم رکھنے کے لیے انہیں اولاد دیتا ہے۔ وہ خالق کائنات انہیں اچھی خوراک دیتا ہے پھر انہیں صحت، قوت اور حسن وخوبصورتی سے نوازتا ہے۔

اللہ کفار کو ان تمام نعمتوں سے مستفید ہونے کے مواقع فراہم کرتا ہے کہ ہوسکتا ہے ان کی وجہ سے وہ لوگ اس کی طرف رجوع کر لیں وہ غور وفکر کرنے لگیں سمجھ جائیں اور اس کے شکر گزار بندے بن جائیں۔

مگر یہ سب کچھ اس دنیا کی زندگی سے متعلق ہے کیونکہ آخرت میں تمام انعامات مومنوں کے لیے ہوں گے جنہوں نے اس دُنیا میں رہتے ہوئے ان نعمتوں کو استعمال کیا تاکہ اللہ کی قربت اور خوشنودی حاصل کرسکیں۔ یہ لوگ اس کے شکر گزار بندے تھے اور وہ ذات باری تعالیٰ تو بڑی رحیم وکریم ہے جس نے صرف مومنین سے جنت کا وعدہ فرما رکھا ہے۔ درج ذیل آیت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے:

"مگر جو تائب ہوئے اور ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو یہ لوگ جنت

میں داخل ہوں گے اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔ سدا بہار چمن جن کا وعدہ (خداوند) رحمٰن نے اپنے بندوں سے غیب میں کیا ہے یقیناً اس کا وعدہ پورا ہو کر رہنے والا ہے"۔(مریم۔19:60-61)

سورۃ الکھف کی آیت: 58ایک اور موضوع پر روشنی ڈالتی ہے: ہر قوم کے لیے ایک وقت مقرر ہے جس میں اللہ اسے سزا دے گا۔ ہر انسان اور ہر قوم کی سزا کا وہ صحیح صحیح لمحہ اللہ کے علم میں ہے۔ اسے اس آیت میں یوں بیان فرمایا ہے: "آگے نہیں بڑھ سکتی کوئی قوم اپنی مقررہ میعاد سے اور نہ وہ لوگ پیچھے رہ سکتے ہیں"۔ (المومنون۔23:43)

زلزلے، سیلاب اور طوفان یا کوئی اور آفت جو کسی قوم کو تباہ وبرباد کر دے گی وہ اس کے مقدر میں لکھ دی گئی ہے جس کا اللہ کو علم ہے جس نے یہ تقدیر لکھی ہے۔ اس تباہی کا وقت، شدت، دورانیہ اور اس کے اثرات تک اس سے چھپے ہوئے نہیں جو طے شدہ ہیں۔ ہمارا ربّ جو سارے زمانوں کو احاطہ کیے ہوئے ہے، اس نے ان کفار کے مقدر میں ایک وقت مقررہ کر دیا ہے جو روز قیامت سے انکار کرتے اور اس پر ایمان نہیں رکھتے جس کا دِن، منٹ اور سیکنڈ تک مقرر ہے:

"آپ نے (غصہ سے) فرمایا جا چلا جا۔ بس تیرے لئے اس زندگی میں تو یہ (سزا) ہے کہ تُو کہتا پھرے گا کہ مجھے کوئی ہاتھ نہ لگائے اور بیشک تیرے لیے ایک اور وعدہ (عذاب) بھی ہے جس کی خلاف ورزی نہیں ہوگی اور (ذرا) دیکھ اپنے اس خدا کی طرف جس پر تو جم کر بیٹھا رہا (اس کا کیا حشر ہوتا ہے) ہم اسے جلا ڈالیں گے پھر ہم بکھیر کر بہا دیں گے اس سمندر میں اس (کی راکھ) کو"۔ (طٰہٰ۔20:97)

"اور یہ بستیاں ہیں ہم نے تباہ کر دیا ان کے باشندوں کو جب وہ ستم شعار بن گئے اور ہم نے مقرر کر دی ان کی ہلاکت کے لیے ایک میعاد"۔(الکھف۔18:59)

دوسرے لفظوں میں کوئی بھی قوم یا ملک جو اللہ کے قانون کی مخالفت کرتا ہے زندہ نہیں بچے گا۔ ہر وہ قوم جو اللہ اور اس کے دین کا احترام نہیں کرتی، جو قرآنی تعلیمات کے برعکس عمل کرتی ہے اسے تباہ کر دیا جائے گا اور اس کا نام تک تاریخ کے اوراق سے مٹا دیا

جائے گا۔

بہت سی ایسی قومیں گزری ہیں جنہوں نے اللہ کے قانون کی مخالفت کی اور اسلام کی اخلاقیات کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا تھا۔ گذشتہ صدی کی کمیونسٹ حکومتوں نے بڑا خون بہایا جس کی زیادہ حالیہ مثال دی جا سکتی ہے۔ کمیونسٹ ممالک میں مذہبی ادارے بند کر دیئے گئے تھے، مذہبی لوگوں پر ظلم وستم ڈھائے گئے، انہیں قتل کیا گیا اور آسمانی کتابوں کا مطالعہ ممنوع قرار دے دیا گیا تھا۔ مگر ان میں سے کوئی حکومت بھی موجود نہ رہی۔ آج ہم جب پیچھے مڑ کر دیکھتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ یہ حکومتیں ایک ایک کر کے تاریخ کے منظر نامے سے ہٹ گئی تھیں۔

قرآن میں ایسے بہت سے آمروں اور ان کی سلطنتوں کی مثالیں دی گئی ہیں جنہوں نے ظلم وستم کو حکومتی پالیسی میں شامل کر لیا تھا۔ ان حکومتوں میں سے ایک فرعون اور اس کے مصاحبین کی تھی۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوتِ ایمان کو کھلم کھلا مسترد کر کے مومنین پر ظلم وتشدد شروع کر دیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کی ظالمانہ بادشاہت زیادہ دیر نہ چل سکی اور اسے تباہ و برباد کر کے صفحہ ہستی سے مٹا دیا گیا تھا۔ درج ذیل آیات میں فرعون کے عہد کے چند ایک واقعات کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:

''اور ہم پار لے گئے بنی اسرائیل کو سمندر سے پھر پیچھا کیا ان کا فرعون اور اس کے لشکر نے سرکشی اور ظلم کرتے ہوئے۔ حتیٰ کہ جب وہ ڈوبنے لگا تو (بصدیاس) کہنے لگا میں ایمان لایا کہ کوئی سچا خدا نہیں بجز اس کے جس پر ایمان لائے تھے بنی اسرائیل اور (میں اعلان کرتا ہوں کہ) میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ کیا اَب؟ اور تو نافرمانی کرتا رہا اس سے پہلے اور تو فتنہ وفساد برپا کرنے والوں سے تھا۔ سو آج ہم بچا لیں گے تیرے جسم کو (سمندر کی تند موجوں سے) تاکہ تو ہوجائے اپنے پچھلوں کے لیے (عبرت کی) نشانی اور حقیقت یہ ہے کہ اکثر لوگ ہماری نشانیوں سے غفلت برتنے والے ہیں''۔(یونس۔ 92-10:90)

فرعون جس کی طرف حضرت موسیٰ ؑ کو بھیجا گیا تھا اپنے ظلم کی وجہ سے مشہور تھا۔ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم پر ظلم کیا اور پوری طاقت استعمال کی کہ وہ اپنا مذہب ترک کر دیں۔ اللہ نے جو کچھ فرعون کے مقدر میں لکھا تھا وہ ہم سب کے لیے

ایک درس عبرت ہے۔ وہ اور اس کی فوج اللہ کے حکم سے پانی میں غرق کر دی گئی تھی۔

ایسی ظالم وجابر سلطنتوں کی عارضی موجودگی دراصل اس آزمائش کا ایک حصہ ہوتی ہے جو اللہ نے مومنوں کے لیے اس دنیا کی زندگی میں پیدا کی ہے۔ ایک آیت میں اللہ اپنے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں مخاطب ہوا ہے:''اور تم یہ مت خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ بے خبر ہے ان کرتوتوں سے جو یہ ظالم کر رہے ہیں۔ وہ تو انہیں صرف ڈھیل دے رہا ہے اس دن کے لیے جبکہ (مارے خوف کے) کھلی کی کھلی رہ جائیں گی آنکھیں''۔(ابراہیم۔14:42)

اس طرح اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بتائی کہ ظالموں کو ان کی سزا ضرور ملے گی۔ اس حقیقت کو ایک اور آیت میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

''اور ہم ضرور آزمائیں گے تمہیں کسی ایک چیز کے ساتھ یعنی خوف اور بھوک اور کمی کرنے سے (تمہارے) مالوں اور جانوں اور پھلوں میں اور خوشخبری سنایئے ان صبر کرنے والوں کو جو کہ جب پہنچتی ہے انہیں کوئی مصیبت تو کہتے ہیں بیشک ہم صرف اللہ ہی کے ہیں اور یقیناً ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔''(البقرہ۔2:155-156)

سورۃ الکھف کی آیت: 59 میں بھی بتایا گیا ہے کہ ایسی قوموں کو ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے سزا دی گئی تھی۔ اب ہمیں اس اصطلاح کو صحیح صحیح سمجھنے کی ضرورت ہے۔

اللہ نے فرعون کی تقدیر کو ایک مثال کے طور پر پیش کیا ہے اس لیے کہ وہ فاسق اور بداعمال بھی تھا اور اس نے خدائی کا دعویٰ بھی کر دیا تھا۔ اس کا جو حشر ہوا اس کا ذکر قرآن کی آیات میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس کی لاش مل جائے گی اور محفوظ رہے گی تاکہ بنی نوع انسان اس سے سبق سیکھ سکے۔

قرآن میں ان بداعمال اور فاسق لوگوں کا ذکر ہے جو دوسروں کو اللہ کے شریک ٹھہراتے ہیں، جو اس کی آیات کا انکار کرتے اور اس کے پیغمبروں کو نہیں مانتے۔ اللہ نے اس حقیقت کو اس آیت میں یوں بیان فرمایا ہے:''اور ظالموں کے بغیر ہماری آیتوں کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔''(العنکبوت۔ 29:49) چند اور آیات اسی موضوع پر اور بھی ہیں:

''کفار (اب تو) کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اس قرآن پر اور

ان کتابوں پر جو اس سے پہلے نازل ہوئیں۔ کاش! تم (وہ منظر) دیکھو جب یہ
ظالم کھڑے کیے جائیں گے اپنے ربّ کے رُوبرو۔ اس وقت یہ ایک دوسرے
پر الزام دھریں گے۔'' (سبا۔34:31)

''اور بنا لیا قومِ موسیٰؑ نے ان کے (طور پر جانے کے) بعد اپنے زیورات
سے ایک بچھڑا جو محض ڈھانچا تھا اس سے گائے کی آواز آتی تھی۔ کیا نہ دیکھا
انہوں نے کہ وہ نہ بات کرسکتا ہے ان سے اور نہ انہیں ہدایت کی راہ بتا سکتا
ہے۔ انہوں نے (خدا) بنا لیا اسے اور وہ (بڑے) ظالم
تھے۔'' (الاعراف۔7:148)

''کیسے ہوسکتا ہے کہ ہدایت دے اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو جنہوں نے کفر اختیار کر
لیا ایمان لے آنے کے بعد اور وہ (پہلے خود) گواہی دے چکے تھے کہ رسول سچا
ہے اور آ چکی تھیں ان کے پاس کھلی نشانیاں اور اللہ ہدایت نہیں دیتا ظالم لوگوں
کو''۔ (آل عمران۔3:86)

''اور (اے سننے والے!) جب تُو دیکھے انہیں کہ بے ہودہ بحثیں کر رہے ہیں
ہماری آیتوں میں تو منہ پھیر لے ان سے یہاں تک کہ وہ الجھنے لگیں کسی اور
بات میں اور اگر (کہیں) بُھلا دے تجھے شیطان تو مت بیٹھو یاد آنے کے بعد
ظالم قوم کے پاس''۔ (الانعام۔6:68)

جیسا کہ اوپر کی آیات میں بتایا گیا ہے کہ اصطلاح ''ظالم'' ان تمام لوگوں کے لیے
استعمال ہوتی ہے جو اللہ کی مقدس کتابوں کو نہیں مانتے اور اللہ کے سوا دوسروں کو خدا بنا لیتے
ہیں۔ وہ جو پیغمبروں کو سچا دیکھنے کے بعد بھی ان سے انکار کرتے ہیں اور وہ جو اللہ کی
آیات کا مذاق اڑاتے ہیں ۔ اللہ نے قرآن میں ان لوگوں کی اور نشانیاں بھی بتائی ہیں۔
المختصر یہ کہ ''ظلم کرنا'' ان لوگوں کے اعمال کے معنوں میں آتا ہے جو اللہ سے انکار کرتے،
اس کے احکامات کو ماننے اور اس کی پرستش سے انکار کرتے ہیں جو نہ اس کے دین کو
مانتے ہیں نہ آخرت پر اور یوم قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔
یہ بات کبھی بھی فراموش نہ کی جائے کہ وہ لوگ اور وہ قومیں جو اللہ سے انکار کرتے

ہیں۔ قرآن میں ان کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ انہیں اس دنیا میں اور آخرت میں
دونوں جگہ سخت عذاب دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''تو وہ جنہوں نے کفر کیا میں عذاب دوں گا انہیں سخت عذاب
دنیا میں اور آخرت میں اور نہیں ہوگا ان کے لیے کوئی مددگار۔''
(آلِ عمران۔3:56)

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ کفر کا ارتکاب کرنے والی ہر قوم کو دونوں جہانوں میں
عذاب دیا جائے گا۔ سورۃ الکھف میں اسے ''مقررہ وقت'' کہا گیا ہے۔ جب یہ وقت آ
جائے گا تو سب ظالموں کی طاقت اور تعداد تباہ کر کے صفحہ ہستی سے مٹا دی جائے گی کہ یہی
اللہ کا قانون ہے۔

مزید یہ کہ قرآن میں یہ فرمایا گیا ہے کہ جب کسی قوم کو تباہ کیا جاتا ہے تو اس قوم کا
پیغمبر اور وہ فرشتے جن کے ذمے اس قوم کی تباہی ہوتی ہے، کے درمیان ملاقات ہوتی
ہے۔ اس ملاقات کے دوران فرشتے اور پیغمبر اس قوم کی تباہی و بربادی کے وقت کی
وضاحت کرتے ہیں جو اس کا مقدر ہو چکی ہوتی ہے۔ اس کی ایک مثال اللہ کے پیغمبر
حضرت لوطؑ کے پاس آنے والے فرشتوں کی ہے۔

حضرت لوطؑ نے اپنی قوم کو بلایا اور انہیں اپنی اصلاح کرنے کی تلقین کی اور طرزِ
زندگی بدل لینے پر زور دیا۔ مگر ان کی قوم نے اللہ کی آیات کا اور اخلاقی گراوٹ کو طرزِ
زندگی سے نکالنے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ اپنے انکار پر بضد تھی اور حضرت لوطؑ کی دعوت
کو ٹھکرا دیا تھا۔ پس یہ لوگ عذاب کے مستحق ہو گئے تھے اور فرشتوں نے اللہ کے اس پیغمبر
کو ان کی قوم کی بربادی کے بارے میں بتایا دیا تھا جو عنقریب آنے والی تھی۔ ان فرشتوں
کی آمد کے بارے میں درج ذیل آیات میں ذکر فرمایا گیا ہے:

''اور جب آئے ہمارے فرشتے لُوطؑ کے پاس تو وہ بڑے غمزدہ ہوئے ان کی
آمد سے اور دل تنگ ہوئے اور (انہیں پریشان دیکھ کر) فرشتوں نے کہا نہ
خوفزدہ ہو اور نہ رنجیدہ خاطر ہم نجات دینے والے ہیں تجھے اور تیرے کہنے کو

سوائے تمہاری بیوی کے۔ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں ہے۔ بیشک ہم اُتارنے والے ہیں اس بستی کے باشندوں پر عذاب آسمان سے اس وجہ سے کہ وہ نافرمانیاں کیا کرتے تھے'' (العنکبوت۔ 29:33-34)

''پس جب آئے خاندان لوطؑ کے پاس یہ فرستادے۔ آپ نے (انہیں دیکھ کر) کہا تم تو اجنبی لوگ معلوم ہوتے ہو۔ فرشتوں نے کہا (ہم اجنبی نہیں) بلکہ ہم لے آئے ہیں۔ تمہارے پاس وہ چیز جس میں وہ شک کیا کرتے تھے اور ہم لے آئے ہیں آپ کے پاس حق (عذاب) اور ہم بلاشبہ سچ کہہ رہے ہیں تو چلے جایئے اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ رات کے کسی حصے میں اور خود ان کے پیچھے پیچھے چلیے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھیے تم میں سے کوئی اور چلے جائیں جہاں (جانے کا) تمہیں حکم دیا گیا ہے''۔ (الحجر۔15:61-65)

چنانچہ اللہ کے فرشتوں نے حضرت لوطؑ کو ان کی قوم پر آنے والی تباہی کے بارے میں اطلاع دے دی تھی اور اس کے آنے کا وقت بھی بتا دیا تھا۔ ان کی قوم کی تباہی کی گھڑی کا تعین صبح کا وقت کیا گیا تھا:

''(اے محبوب!) آپ کی زندگی کی قسم یہ (اپنی طاقت کے نشے میں) مست ہیں (اور) بہکے بہکے پھر رہے ہیں۔ پس آ لیا ان کو ایک سخت کڑک نے جب سُورج نکل رہا تھا پس ہم نے ان کی بستی کو زیر و زبر کر دیا اور ہم نے برسائے ان پر کھنگر کے پتھر۔ بیشک اس واقعہ میں (عبرت کی) نشانیاں ہیں غور و فکر کرنے والوں کے لیے''۔ (الحجر۔15:72-7)

''اور یاد کرو جب کہا موسیٰؑ نے اپنے جوان (ساتھی) کو کہ میں چلتا رہوں گا یہاں تک کہ پہنچوں جہاں دو دریا ملتے ہیں یا (چلتے چلتے) گزار دوں گا مدتِ دراز''۔ (الکھف۔18:60)

یہاں ''جوان'' سے یہ تاثر ملتا ہے کہ جب کوئی کام کیا جائے تو نوجوانوں کی مدد حاصل کی جائے اور ان کے ہمراہ مل کر کام کیا جائے۔ نوجوانوں کو اپنی قوت استعمال کرنے کی تحریک دی جائے اور انہیں اللہ کی خوشنودی کے حصول کے لیے اپنی صلاحیت،

توانائی اور اچھا کام کرنے کا جذبہ استعمال کرنے کی ترغیب دی جائے۔ چند آیات میں نوجوانوں کا ذکر آیا ہے اور درج ذیل آیت میں بتایا گیا ہے کہ موسیٰؑ کی قوم کے چند نوجوان ان پر ایمان لے آئے تھے:

''پس نہ ایمان لائے موسیٰؑ پر بجز ان کی قوم کی اولاد کے (وہ بھی) ڈرتے ہوئے فرعون سے اور اپنے سرداروں سے کہ کہیں وہ انہیں بہکا نہ دے اور واقعی فرعون بڑا سرکش (بادشاہ) تھا ملک میں''۔ (یُونس۔10:83)

سورۃ الکھف کی آیت:60 میں بتایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ ایک ایسے مقام کی جانب سفر کر رہے تھے جہاں وہ جانتے تھے کہ ان کی ملاقات کسی سے ہونے والی ہے اور یہ ملاقات وہاں ہونے والی تھی جہاں دو دریا ملتے تھے۔ یہ مقام روئے زمین پر کہیں بھی ہوسکتا تھا جو اس تفصیل کے مطابق ہو۔

یہ الفاظ کہ ''خواہ مجھے کئی برس تک کوشش بھی کیوں نہ کرنی پڑے'' کا مطلب یہ ہے کہ ملاقات کے مقام کا تعین ہوچکا تھا کیونکہ حضرت موسیٰؑ ایک خاص مقام پر پہنچنا چاہتے تھے۔ اس کے علاوہ اور کہیں نہیں خواہ وہاں تک پہنچنے میں کئی برس ہی کیوں نہ لگ جائیں۔ ایسا اس لیے تھا کہ ملاقات کسی اور مقام پر ہونہیں سکتی تھی۔ اسی لیے حضرت موسیٰؑ وہاں تک پہنچنے میں پوری کوشش کریں گے خواہ اس میں جتنا وقت بھی لگ جائے۔ ضرورت پڑی تو وہ وہاں پہنچ کر انتظار بھی کرلیں گے۔

''پھر جب وہ دونوں پہنچے جہاں آپس میں دو دریا ملتے ہیں، دونوں بھول گئے اپنی مچھلی کو تو بنا لیا اس نے اپنا راستہ دریا میں سرنگ کی طرح''۔ (الکھف۔18:61)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ اور ان کے نوجوان ساتھی نے مچھلی کھانے کا ارادہ کرلیا تھا۔ اللہ نے انہیں یہ بات بُھلا دی اور مچھلی پانی کے اندر چلی گئی تھی۔

گویا کوئی بھی شخص اپنی مرضی سے نہ کوئی بات یاد رکھ سکتا ہے نہ بُھول سکتا ہے۔ اس موقعہ پر اللہ نے انہیں مچھلی کے بارے میں بُھلا دیا تھا۔ اس لیے کہ یہ بُھول ان کی تقدیر میں لکھی ہوئی تھی۔ اگر صورتِ حال یہ ہو تو کسی بات کو جس قدر مشکل بھی یاد رکھنا

کیوں نہ ہو وہ ایسا اس وقت تک نہیں کر سکتے جب تک ایسا اللہ نہ چاہے۔

اس بُھول کے پیچھے بہت سی وجوہ ہیں۔ مثال کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہا گیا تھا کہ وہ اس خاص مقام پر پہنچ کر ایک اہم اور برگزیدہ انسان سے ملیں جن کے بارے میں مزید معلومات بعد میں سامنے لائی جاتی ہیں۔ اس خاص مقام تک پہنچنے کے لیے جو ان کے مقدر میں تھا حضرت موسیٰؑ اور ان کے نوجوان ساتھی نے طویل مدت تک سفر کیا۔ تاہم انہیں اس خاص مقام کے متعلق مزید معلومات درکار تھیں کیونکہ یہ اشارہ کہ ''جہاں دو دریا ملتے ہیں'' بہت وسیع اشارہ تھا۔ جب تک مزید علم نہ ہوتا وہ اس شخص کو تلاش کرنے میں ضرور دقت محسوس کرتے۔ یہی وہ مرحلہ ہے جہاں مچھلی کے پانی میں واپس چلے جانے کی بات واضح ہوجاتی ہے: یہ ایک نشانی ہے کیونکہ مچھلی نے پانی میں لوٹ جانے کے ذریعے ملاقات کے صحیح صحیح مقام کی نشاندہی کر دی تھی۔ اسے زیادہ وسیع تناظر میں دیکھا جائے تو یہ آیت کسی ملاقات کے لیے صحیح محل وقوع کی نشاندہی کرتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے مقام ملاقات ایک یادگار مقام ہے جسے ایک اہم نشان کے ذریعے بتایا گیا ہے۔ عام معنوں میں اس بات کو اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ ملاقات کے مقام کے محل وقوع کا صحیح صحیح تعین ہونا چاہیے تاکہ یہاں تک پہنچنے میں نہ کوئی مشکل پیش آئے نہ ہی وقت ضائع ہو اور جن لوگوں کو کسی خاص مقام پر آپس میں ملنا ہے ان کے لیے آسانی پیدا ہو جائے۔

''پس جب وہاں سے آگے بڑھ گئے۔ آپ نے اپنے جوان ساتھی سے کہا لے آؤ ہمارا صبح کا کھانا بیشک ہمیں برداشت کرنی پڑی ہے اپنے اس سفر میں بڑی مشقت''۔ (الکھف۔18:62)

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کا جوان ساتھی مقام ملاقات سے آگے گزر گئے تو وہ تھک چکے تھے اور انہیں بھوک بھی لگ گئی تھی۔ جب وہ کھانا تیار کرنے لگے تو انہیں احساس ہوا کہ مچھلی تو وہ پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔ اللہ نے ان کو مچھلی بُھلا دی تھی پھر انہیں مناسب وقت پر یاد دلا دیا گیا تھا۔ یوں انہیں مقام ملاقات کی نشاندہی کرا دی گئی تھی۔

یہ بات اہم ہے کہ اللہ نے موسیٰؑ اور ان کے ساتھی کے لیے مچھلی کا انتخاب کیا اور

وہ جانتا تھا کہ یہ دونوں جب تھک جائیں گے اور انھیں بھوک ستائے گی تو یہ اسے ڈھونڈیں گے۔ بھوک کے وقت ہر انسان کو کھانے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے اللہ نے مچھلی کا انتخاب اس لیے کیا تھا تاکہ مقامِ ملاقات تک پہنچنے میں ان کی رہنمائی فرما سکے۔

''اس ساتھی نے کہا (اے کلیم!) آپ نے ملاحظہ فرمایا جب ہم (ستانے کے لیے) اس چٹان کے پاس ٹھہرے تھے تو میں بُھول گیا مچھلی کو اور نہیں فراموش کرائی مجھے مگر شیطان نے کہ میں اس کا ذکر کروں اور اس نے بنا لیا تھا اپنا راستہ دریا میں۔ بڑے تعجب کی بات ہے۔ آپ نے فرمایا یہی تو وہ ہے جس کی ہم جستجو کر رہے تھے پس وہ دونوں لوٹے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے۔ (الکھف۔18:63-64)

جب حضرت موسیٰؑ علیہ السلام اور ان کے جوان ساتھی کو یہ احساس ہوا کہ وہ مچھلی کو پیچھے چھوڑ آئے ہیں تو انہیں یہ ضرور یاد رہا کہ وہ اسے کس جگہ بھول آئے ہیں: ایک چٹانی علاقے میں یہ چٹانی مقام وہ تھا جہاں دو دریا آپس میں ملتے تھے اور جہاں حضرت موسیٰؑ نے اللہ کے برگزیدہ بندے سے ملاقات کرنی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے مچھلی کا شکریہ ادا کیا اور اس مقام کی نشاندہی کر دی جہاں ان کی ملاقات حضرت خضر علیہ السلام سے ہونے والی تھی۔ مچھلی اپنا مقصد پورا کر کے دریا میں غائب ہوگئی تھی۔

اس آیت میں حضرت موسیٰؑ کے جوان ساتھی نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ شیطان نے مچھلی کو فراموش کرایا تھا۔ دوسری آیات میں اس بات کا ذکر بھی ہے کہ شیطان لوگوں کو کئی باتیں فراموش کرا دیتا ہے مثلاً درج ذیل آیات میں:

''اور (اے سننے والے!) جب تُو دیکھے انہیں کہ بے ہودہ بحثیں کر رہے ہیں ہماری آیتوں میں تو منہ پھیر لے اُن سے یہاں تک کہ وہ اُلجھنے لگیں کسی اور بات میں اور اگر (کہیں) بُھلا دے تجھے شیطان تو مت بیٹھو یاد آنے کے بعد ظالم قوم کے پاس''۔ (الانعام۔6:68)

''اور کہا (یوسفؑ) نے اسے جس کے بارے میں آپ کو یقین تھا کہ نجات پا

جائے گا ان دونوں سے کہ میرا تذکرہ کرنا اپنے آقا کے پاس لیکن فراموش کرا دیا اسے شیطان نے کہ وہ ذکر کرے اپنے بادشاہ کے پاس۔ پس آپ ٹھہرے رہے قید خانے میں کئی سال''۔ (یُوسف۔12:42)

یہاں یہ بات ضرور یاد رکھنی چاہیے کہ شیطان کے اپنے اختیار میں کچھ بھی نہیں ہے اور اللہ ہی تمام طاقت کا مالک ہے اور صاحب اختیار ہے اسی نے شیطان کو یہ قوت دی ہے کہ وہ لوگوں کو فراموش کرا دے۔ کوئی انسان بھی، خواہ مرد ہو کہ عورت اپنی کوئی قوت نہیں رکھتے بلکہ اللہ ہی کے اختیار میں ہے ہر بات۔ جیسا کہ اس آیت میں فرمایا: ''کوئی جاندار بھی ایسا نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ نے پکڑا ہوا ہے اسے پیشانی کے بالوں سے..........'' (ھود۔11:56)

پس معلوم ہوا کہ درحقیقت شیطان نے نہیں بلکہ اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے جوان ساتھی کو مچھلی بُھلا دی تھی کیونکہ یہ اُن کے مفاد میں تھا اور ایسا ان کی تقدیر میں لکھا ہوا تھا، جو تقدیر اللہ نے لکھی تھی جس کا تقاضا یہی تھا کہ وہ مچھلی بھول جاتے۔

سورۃ الکھف کی آیت:64 میں یہ بات ہماری سمجھ میں آتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے جوان ساتھی کو یہ احساس ہو جاتا ہے کہ جہاں انہوں نے مچھلی کو چھوڑا تھا وہ مقامِ مُلاقات تھا چنانچہ وہ واپس اس مقام پر پہنچنے کے لیے وہی راستہ اختیار کرتے ہیں جس پر چل کر وہ آئے تھے۔

''تو پایا انہوں نے ایک بندے کو ہمارے بندوں میں سے جسے ہم نے عطا فرمائی تھی رحمت اپنی جناب سے اور ہم نے سکھایا تھا اسے اپنے پاس سے (خاص) علم''۔ (الکھف۔18:65)

جیسا کہ اس سے قبل ذکر ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بڑا رحیم و کریم ہے۔ حضرت موسیٰ حضرت خضر علیہ السلام سے ملنے کے لیے سفر پر نکلتے ہیں، جن کو اللہ نے رحم کی دولت سے نوازا ہے۔ گویا ان میں اللہ کی صفتِ رحیمی جھلکتی ہے۔ اس بنا پر انہیں، اللہ سے ایک خاص علم بھی عطا ہوا ہے تاکہ وہ اللہ کے پسندیدہ بندوں میں شامل ہو جائیں۔ آگے چل کر ہمارے سامنے بہت سی مثالیں آئیں گی جو خضر علیہ السلام کو عطا کی

گئی اس صفت کو ظاہر کریں گی۔

یہاں ہمیں قرآن میں مذکور رحمت کے تصور کا خیال آتا ہے۔ ایک آیت میں اللہ فرماتا ہے: ''......پھر وہ ایمان والوں سے ہو جو ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہیں صبر کی اور ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہیں رحمت کی۔ یہی لوگ دائیں ہاتھ والے ہیں''۔ (البلد۔18-90:17) ایک مومن کی صفات میں اہم صفت رحیمی ہوتی ہے۔

مومنین جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیتے ہیں وہ اس کے قوانین کی تعمیل کی پوری کوشش کرتے ہیں۔ انہیں یہ صفت ان کا مذہب دیتا ہے کیونکہ وہ یہ بات جانتے ہیں کہ اللہ کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ انہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسی پر اس کی عنایات کے لیے انحصار کرتے ہیں۔ یہ آگہی ان میں خاکساری پیدا کرتی ہے۔ جو لوگ خاکسار اور حیادار نہیں ہوتے وہ صحیح معنوں میں رحمدل نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ خود پرست ہوتے ہیں اور اپنے مفادات اور خواہشات کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے یہ لوگ دوسروں کی ضرورتوں کا خیال نہیں کرتے۔ چنانچہ یہ قدرتی امر ہے کہ وہ دوسروں کے لیے رحم اور ہمدردی محسوس نہیں کرتے۔

اس کے برعکس جن لوگوں میں خاکساری پائی جاتی ہے اور جو اپنے اللہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتے ہیں وہ تمام معصوم انسانوں کے لیے رحم کے جذبات رکھتے ہیں۔

مومنین کیوں رحمدل ہوتے ہیں اس کا ایک سبب یہ ہے کہ ان کے دل میں اللہ کی خوشنودی کے حصول کی آرزو ہوتی ہے۔ جیسا کہ ان آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ کے رحم و کرم کی کوئی انتہا نہیں ہوتی اسی لیے مومنین بھی جس حد تک ممکن ہو سکے اللہ کی اس صفت کو اپنی انسانی بساط کے مطابق اپنانے کی کوشش کرتے ہیں: ''اور اگر نہ ہوتا تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت اور یہ کہ اللہ تعالیٰ بہت مہربان (اور) رحیم ہے''۔ (النور۔24:20) اللہ کی رحمت پر مکمل توکل کرتے ہوئے اور اس کی رحمت کے طلبگار بن کر وہ دوسرے مومنوں کے ساتھ ممکنہ حد تک رحمدلی و مہربانی سے پیش آتے ہیں۔

انہیں دیگر ہر بات کی طرح رحمدلی قرآن کی رہنمائی سے حاصل ہوتی ہے۔ وہ اسی موقعہ پر رحمدلی کا مظاہرہ کرتے ہیں جہاں اللہ انہیں اس کا حکم دیتا ہے اور ان ہی لوگوں کے ساتھ یہ رحمدلی اور ہمدردی سے پیش آتے ہیں جو اللہ نے ان کی تقدیر میں لکھ دیا ہوتا ہے۔

بعض اوقات اپنے مومن بھائیوں کے ساتھ رحمدلی اور ہمدردی کا سلوک کرنے سے تنقید کا نشانہ بھی بننا پڑ جاتا ہے۔ تاہم جہاں غلط کام کیے جاتے ہیں وہاں قرآن میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ دوسروں کو بُرائی سے بچائیں۔ یہی صحیح معنوں میں رحمدلی و ہمدردی ہے کہ مسلمان دوسروں کو ممنوعہ سرگرمیوں سے محفوظ رہنے میں مدد دیں۔ اس طرح وہ اپنے مومن بھائیوں اور بہنوں کو دوزخ میں جانے سے روک سکتے ہیں۔ اسی لیے مسلمان دوسرے مسلمانوں کو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے میں مدد کر کے جنت حاصل کرنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے اور دوسرے مسلمانوں کی آخرت کی فکر نہیں کریں گے تو پھر وہ سچی رحمدلی و ہمدردی کا دعویٰ کیسے کر سکیں گے۔ اس آیت میں اللہ نے رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبۂ رحمدلی اور ہمدردی کا ذکر فرمایا ہے:

''بیشک تشریف لایا ہے تمہارے پاس ایک برگزیدہ رسول تم میں سے۔ گراں گزرتا ہے اس پر تمہارا مشقت میں پڑنا بہت ہی خواہشمند ہے تمہاری بھلائی کا مومنوں کے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔'' (التوبہ۔9:128)

''کہا اس بندے کو موسیٰ نے کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں بشرطیکہ آپ سکھائیں مجھے رشد و ہدایت کا خصوصی علم جو آپ کو سکھایا گیا ہے''۔ (الکھف۔18:66)

اللہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رحم کا ذکر فرمایا ہے اور وہ لوگ جو اس مثال سے سبق سیکھتے ہیں وہ اپنے مومن بھائیوں کی آخرت کی فکر کرتے ہیں اور اللہ کے احکامات کی تعمیل میں غفلت نہیں برتتے۔

اس آیت سے ہم یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ ؑ کو بذریعہ وحی اس بندے کے بارے میں مفصل معلومات مل چکی تھیں جس سے انہیں ملاقات کرنا تھی۔ آپ جہاں رہائش پذیر تھے وہاں سے یہ مقام ملاقات کافی دور تھا اس لیے آپ کو وہاں تک پہنچنے کے لیے کافی کوشش کرنی پڑی تھی۔ وہ جانتے تھے کہ اس سفر میں انہیں تکلیف بھی برداشت کرنی پڑی تو کوئی بات نہ تھی کیونکہ وہ اس خاص بندے سے مل کر بڑا فائدہ اٹھانے والے تھے۔

پھر جونہی دونوں کی ملاقات ہوئی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بندے کو پہچان

لیا تھا جو اعلیٰ صفات اور علم سے مالا مال تھا۔ آپ نے اس سے درخواست کی کہ انہیں ساتھ رہنے کی اجازت دے دے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ ؑ پہلے ہی جانتے تھے کہ وہ خاص بندۂ خدا ان کی نسبت زیادہ علم رکھتا تھا (اللہ ہی بہتر جانتا ہے) یہ بھی ممکن ہے کہ انہیں بذریعہ وحی یہ بتایا گیا ہو کہ یہ بندہ خاص صراط مستقیم پر تھا اور رہنمائی کرنے کی صلاحیت سے سرفراز تھا۔ اسی لیے انہیں (پیغمبر خدا کو) اس کے ساتھ رہ کر اس سے سیکھنا تھا (اللہ ہی بہتر جانتا ہے)

''اُس بندے نے کہا (اے موسیٰ علیہ السلام) آپ میرے ساتھ صبر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔'' (الکھف۔18:67)

اِن آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مفصل معلومات رکھتے تھے۔ مزید یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام مستقبل کے بارے میں بھی علم رکھتے تھے جو انہیں عطا کیا گیا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا التماس سننے کے بعد حضرت خضر علیہ السلام نے برجستہ جواب دیا کہ وہ صبر کے ساتھ ان کے ہمراہ سفر نہ کر سکیں گے۔ انہوں نے بغیر کوئی بات سامنے آئے۔ ایسا کیوں کہا کہ حضرت موسیٰ ؑ اس طرح کا رویّہ اختیار کریں گے؟ اس کا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کو مستقبل کے بارے میں کچھ علم ہے (اللہ ہی بہتر جانتا ہے)

اس قسم کے علم سے اشارہ ملتا ہے کہ ہر کام اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے کیونکہ وہی اپنے منتخب بندوں کو اس قسم کا علم عطا کرتا ہے اور اتنا ہی دیتا ہے جتنا اللہ چاہتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو جو بات پیش آئے گی، جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے وہ وقوع پذیر ہو چکی ہے اور اس کا ایک ایک لمحہ اللہ کے علم میں ہے کیونکہ اسی نے اسے تقدیر میں لکھا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ لوگوں کے مقدر میں جو کچھ لکھا ہوا ہے وہی کچھ ان کی زندگی میں ظہور پذیر ہوگا۔ ایک اور آیت میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ مومنین کو سرِ تسلیم خم کر کے اپنے مقدر پر شاکر رہنا چاہیے۔ انہیں اللہ پر پورا پورا بھروسہ ہونا چاہیے جیسا کہ اس آیت میں بتایا گیا ہے:

''آپ کہیئے نہیں مالک ہوں میں اپنے آپ کے لیے ضرر کا اور نہ نفع کا مگر جتنا

چاہے اللہ تعالیٰ ۔ ہر قوم کے لیے میعاد مقرر ہے جب آئے گی ان کی مقرر میعاد تو نہ وہ پیچھے رہ سکیں گے ایک لمحہ اور نہ آگے بڑھ سکیں گے۔‘‘ (یونس۔10:49)

’’اور آپ صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں اس بات پر جس کی آپ کو پوری طرح خبر نہیں؟‘‘(الکھف۔18:68)

کسی بھی دن کے دوران لوگوں کو بہت سی تکلیف دہ، خوش کن اور مسرت آمیز باتیں پیش آ سکتی ہیں۔مگر زیادہ تر لوگ اللہ کا خیال نہیں کرتے اور نہ اس حقیقت پر ان کی نظر ہوتی ہے کہ اللہ نے ہر بات ان کے مقدر میں لکھ دی ہے۔ اسی لیے ان کے ساتھ جو کچھ پیش آتا ہے یہ اسے ’’مقدر‘‘ یا ’’حُسن اتفاق‘‘ کا نام دیتے ہیں۔ تاہم اس وجہ سے وہ چیزوں کو اچھائی کی روشنی میں نہیں دیکھتے نہ ہی مفید مطلب نتائج اخذ کرتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں یہ لوگ تکلیف میں رہتے ہیں اور اداس و ناخوش بھی۔ مومنین اور کفار میں یہ واضح فرق ہے کیونکہ مومنوں کے عقیدے کے مطابق ہر بات اللہ کی مرضی سے ہوتی ہے اور اس میں ان کی بہتری ہوتی ہے۔

وہ لوگ جو اس حقیقت کو سمجھ جاتے ہیں وہ مطمئن ہونے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور انہیں ہر شے کے پیچھے چھپی خوبصورتی اور اچھائی نظر آ جاتی ہے، جس کے لیے ان کا اس دنیا میں مقام و مرتبہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اللہ نے ہر وہ شئے تخلیق کر دی ہے جو بھی ہمارے سامنے آئے گی خواہ اسے ہم اچھی تصور کریں یا بُری۔ اس میں خالق کی منصوبہ بندی شامل ہے جس میں وہ باریک نِک سُک کا بھی خیال رکھتا ہے اور اس سے اس کی حکمت و دانائی جھلکتی ہے۔ وہی ذات باری تعالیٰ ہر شے کو کنٹرول کرتا ہے اور دنیا میں موجود ہر شے کا وہی فرمانروا ہے۔ اللہ ہر شے کو جامع اور بے مثال شکل میں تخلیق کرتا ہے جس میں اس کی حکمت و دانائی اور حسن و جمال شامل ہوتا ہے۔ اس لیے لوگوں کو چاہیے کہ اس حسن و خوبصورتی اور جامعیت کی تعریف کریں اور ہر شے میں موجود حکمت و دانائی کی جھلک اور حُسن کی تعریف کریں۔ اللہ کا لامحدود علم ہر نقص سے پاک تخلیق کرتا ہے جس کا اعتراف ضروری ہے۔ وہ لوگ جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں ہر شے کو اچھی نظر سے ماپتے ہیں اور چیزوں کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ ہر شے میں اچھائی اور حُسن نظر آئے، اس دنیا

میں بھی اور آنے والی دنیا میں بھی۔

اللہ کی دانائی لامحدود اور انسانوں کی محدود ہے۔ اس حقیقت کی روشنی میں لوگ چیزوں کو صرف نظر آنے والی صورت کو سامنے رکھ کر ان کی تشریح اپنے علم کے مطابق کرتے ہیں۔ اس لیے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ کسی شے کی تشریح، جو اچھائی اور خوبصورتی سے بھرپور ہے منفی اور بدقسمتی کا تاثر دے کر کریں۔ ایسی صورت حال میں مومنین کو اللہ کے لامحدود علم اور حکمت ودانائی کے سامنے جھک جانا چاہیے۔ انہیں چاہیے کہ چیزوں کو مثبت انداز سے دیکھیں تاکہ انہیں سچائی نظر آ سکے۔ اس لیے کہ ہر وہ شے جو دیکھنے میں منفی نظر آتی ہے مومنین کے لیے ’’تقدیر کا ایک سبق‘‘ ہوتا ہے۔ ایک آیت میں اللہ فرماتا ہے:

’’..........اور ہو سکتا ہے کہ تم ناپسند کرو کسی چیز کو حالانکہ وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ تم پسند کرو کسی چیز کو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بُری ہو اور (حقیقت حال) اللہ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے‘‘۔ (البقرہ۔2:216)

مومنین جانتے ہیں کہ ان کے ساتھ جو کچھ بھی پیش آتا ہے اگر یہ اس وقت بُرا بھی نظر آئے تو اللہ نے اسے ان کی آزمائش کے لیے تخلیق کیا ہوتا ہے۔ جو لوگ اس ذات باری تعالیٰ کے سامنے جھک جاتے ہیں وہ ہمیشہ اچھے کردار کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس کے برعکس جن لوگوں کا تقدیر پر یقین نہیں ہوتا وہ بے بس ہوتے ہیں اور قدم قدم پر تکلیف اُٹھاتے ہیں۔

’’موسیٰ علیہ السلام نے کہا آپ مجھے پائیں گے اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا صبر کرنے والا اور میں نافرمانی نہیں کروں گا آپ کے کسی حکم کی۔‘‘(الکھف۔18:69)

جیسا کہ اس آیت میں ہم نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مسلمان کے طریقے کے مطابق فوراً جواب دیا ’’اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا‘‘ (اِن شاء اللہ) ان الفاظ سے مومنین کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ اللہ کے سامنے سرتسلیم خم کر دیتے ہیں اور وہ یہ جانتے ہیں کہ تقدیر کس طرح کام کرتی ہے اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ صرف اللہ ہی انہیں کامیابی سے ہمکنار کر سکتا ہے۔

جیسا کہ ہم نے سورۃ الکھف کی آیت: 24-23 میں پڑھا کہ اللہ کا فرمان ہے کہ

یہ مت کہو ''میں اسے کل کروں گا'' بلکہ یوں کہیے کہ ''میں ان شاء اللہ اسے کل کروں گا۔''

اس جواب کے ذریعے حضرت موسیٰ علیہ السلام ہماری توجہ کسی کام کو شروع کرنے سے قبل ''اِن شاء اللہ'' کہنے کی اہمیت کی جانب مبذول فرماتے ہیں یا کسی فیصلے پر پہنچنے سے قبل یا کل کے لیے کسی کام کی منصوبہ بندی کرتے وقت یہ کہنا کہ ''اگر اللہ نے چاہا تو'' کی اہمیت بتائی ہے۔ ایسا اس لیے ہے کہ کامیابی صرف اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے اور اس کامیابی کے حصول میں ضروری صلاحیتیں بھی وہی عطا کرتا ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ اس عظیم سچائی کو یاد رکھیں: اس کائنات میں ظہور پذیر ہونے والی ہر شے کا علم بھی اللہ کو ہوتا ہے اور وہی ہر شے کو کنٹرول کرتا ہے۔

''اس بندے نے کہا اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو مجھ سے کسی چیز کے بارے میں پوچھئے نہیں یہاں تک کہ میں آپ سے اِس کا خود ذکر کروں''۔(الکھف۔18:70)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا قِصّہ رسولوں اور پیغمبروں کی فرمانبرداری کی اہمیت پر زور دیتا ہے۔ مومنین کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان کی وفاداری میں انتہائی احترام کا مظاہرہ کریں۔

اس حوالے سے لوگوں کو چاہیے کہ جس پیغمبر کی اطاعت و فرمانبرداری کریں ان کی دانائی اور ان کے کاموں کی اچھائی کو بھی نظر میں رکھیں۔ پیغمبر جو کچھ بھی کرتا ہے انہیں اس میں اچھائی کی توقع رکھنی چاہیے۔ اگر انہیں کسی پیغمبر خدا کے کاموں میں پوشیدہ حکمت و دانائی نہ نظر آئے تو صبر سے کام لیں اور جب تک اس کی وضاحت نہ کر دی جائے خاموش رہیں۔ مومنین کو پیغمبر سے غیر ضروری سوالات کرنے سے پرہیز کرنی چاہیے اور وہ بے چینی واضطراب کا مظاہرہ نہ کریں۔

اگر اللہ کے کسی پیغمبر یا برگزیدہ بندے کے الفاظ یا کاموں میں پوشیدہ حکمت ودانائی فوری طور پر نہ دکھائی دے تو مسلمانوں کو صبر وتحمل کے ساتھ اس وقت تک انتظار کرنا چاہیے جب تک اس کی وضاحت نہ ہو جائے۔ وہ لوگ جو ایسا کرتے اور یہ رویّہ اختیار کرتے ہیں انہیں جلد احساس ہو جاتا ہے کہ کوئی لفظ یا کام جو ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا موزوں اور مناسب تھا انہیں یوں اپنے ابتدائی ردعمل اور غلطی کا احساس ہوجاتا ہے۔ ان آیات سے

معلوم ہوا کہ اگر وہ بندہ جس کی لوگ اطاعت و فرمانبرداری کر رہے ہیں یہ ضرورت محسوس کرتا ہے کہ اپنے کام فیصلے اور الفاظ میں چھپی ہوئی حکمت و دانائی کی وضاحت کر دے تو وہ ایسا کر دیتا ہے۔ مثال کے طور پر حضرت خضر علیہ السّلام فرماتے ہیں: ''...... یہاں تک کہ میں آپ سے اس کا خود ذکر کروں''۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ مناسب وقت پر چھپی ہوئی حکمت و دانائی کو ظاہر کر دیں گے۔

''پس وہ دونوں چل پڑے یہاں تک کہ جب وہ سوار ہوئے کشتی میں تو اس بندے نے اس میں شگاف کر دیا۔ موسیٰ ؑ بول اُٹھے کیا تم نے۔اس لیے شگاف کیا ہے کہ اس کی سواریوں کو ڈبو دو۔ یقیناً تم نے بہت بُرا کام کیا ہے۔''(الکھف۔18:71)

اس آیت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس سفر میں موسیٰ ؑ اپنے جوان ساتھی کو اپنے ہمراہ نہیں لائے تھے۔ اس کے بہت سے اسباب ہو سکتے تھے مثلاً ایک بندے کے ذریعے ایک دوسرے بندے کی تعلیم کی اہمیت جو تعلیم کی بہترین شکل ہے وہ لوگ جو کسی ہجوم کے اندر رہ کر سیکھنا چاہتے ہیں وہ انہماک پیدا نہیں کر سکتے اور توجہ ایک بار ہٹ جائے تو اسے از سرِنو مرکوز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ تین افراد بھی اکٹھے ہوں تو ان میں سے بڑی آسانی کے ساتھ ایک کی توجہ ہٹ جاتی ہے اور منہمک ہو کر بات سننا اس کے لیے مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے قرآن نے ایک کی تعلیم ایک کے ذریعے کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ اس میں انفرادی توجہ دینے اور انہماک سے کام لینے کا موقعہ ملتا ہے۔ مزید یہ کہ جب سکھانے والے کو براہ راست توجہ حاصل ہو جائے تو طالب علم کے لیے بہتر طور پر سیکھنا آسان ہو جاتا ہے۔ اسی لیے دنیا بھر میں پرائیویٹ تعلیم کے فوائد کو تسلیم کر لیا گیا ہے۔

ایک اور بات کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ ؑ حضرت خضر علیہ السلام کی قدر ومنزلت سے واقف ہیں اور انہیں زیادہ اچھے کام کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

یہ صورت حال دیگر تمام صورتوں کی طرح تقدیر کے لکھے کی شکل میں سامنے آتی ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام یہ کہہ چکے تھے کہ موسیٰ ؑ بے صبری کا مظاہرہ کریں گے یوں مستقبل کے بارے میں علم کا ایک حصہ رکھنے والی بات پوری ہو گئی تھی۔ دوسری طرف حضرت موسیٰ ؑ سوال اس لیے پوچھتے ہیں کہ یہ ان کے مقدر میں لکھا ہوا ہے۔ ایسی باتیں

رسولوں اور پیغمبروں کے مقدر میں لکھی ہوئی ہوتی ہیں کیونکہ یہ بالآخر اچھائی اور حکمت ودانائی کی طرف جاتی ہیں۔ اِن آیات میں اللہ تعالیٰ ہمیں بتاتا ہے کہ یہ وہ باتیں ہیں جو اپنے مقررہ وقت اور مقام پر تقدیر کے مطابق ظہور پذیر ہوتی ہیں۔

''..........وہ ایک کشتی میں سوار ہو گئے اور اس نے (خضرؑ نے) اس میں شگاف کر دیا..........'' (الکھف۔18:71)

''اس بندے نے کہا کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ آپ میں یہ طاقت نہیں کہ میری سنگت پر صبر کر سکیں۔ آپ نے (عذر خواہی کرتے ہوئے) کہا کہ نہ گرفت کرو مجھ پر میری بھول کی وجہ سے اور نہ سختی کرو مجھ پر میرے اس معاملے میں بہت زیادہ۔'' (الکھف۔73-18:72)

حضرت خضر علیہ السلام نے مستقبل کے واقعات کے بارے میں جس یقین کے ساتھ یہ اظہار کیا وہ قابل غور ہے کہ موسیٰ علیہ السلام ان کے ساتھ سفر کے دوران صبر سے کام نہیں لے سکیں گے۔

سورۃ الکھف کی آیت:73 اس بات کو واضح کرتی ہے کہ ہر بات اللہ کی مرضی سے ہوتی ہے۔ لوگ نہ تو اپنی مرضی سے بول سکتے ہیں نہ دوسروں کو بات کرنے سے روک سکتے ہیں۔ یہ اللہ ہی ہے جو انہیں بات کرنے کی توفیق بخشتا ہے۔ وہ جانداروں اور بے جانوں کو جو چاہتا ہے کہنے کی طاقت دے دیتا ہے۔ قرآن میں بتایا گیا ہے کہ قیامت کے روز اللہ ایک انسان کے کانوں، آنکھوں یہاں تک کہ ان کی کھال کو زبان عطا کر دے گا جیسا کہ ان آیات میں مذکور ہے:

''یہاں تک کہ جب وہ دوزخ کے قریب آ جائیں گے (تو حساب شروع ہوگا اس وقت) گواہی دیں گے ان کے خلاف ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں اس کے بارے میں جو وہ کیا کرتے تھے۔ اور وہ کہیں گے اپنی کھالوں سے تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی۔ وہ کہیں گے (ہم بے بس ہیں) ہمیں تو گویا کر دیا ہے اللہ نے جس نے گویا کیا ہے ہر شے کو اور اسی نے تمہیں پیدا کیا تھا پہلی مرتبہ اور اب اسی کی طرف

تم لوٹائے جا رہے ہو اور تم نہیں چھپا سکتے تھے اپنے آپ کو اس امر سے کہ گواہی نہ دیں تمہارے خلاف تمہارے کان اور نہ تمہاری آنکھیں اور نہ تمہاری کھالیں بلکہ تم تو یہ گمان کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہی نہیں تمہارے اکثر اعمال کو جو تم کرتے ہو۔'' (حٰم السجدہ۔22-41:20)

دوسری آیات میں ہمارا ربّ فرماتا ہے کہ جب تک وہ اجازت مرحمت نہ فرما دے کسی میں بولنے کی طاقت نہیں ہوتی:

''جو پروردگار ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ بے حد مہربان انہیں طاقت نہ ہوئی کہ (بغیر اجازت) اس سے بات بھی کر سکیں۔ جس روز رُوح اور فرشتے پرے باندھ کر کھڑے ہوں گے کوئی نہ بول سکے گا بجز اس کے جس کو رحمٰن اِذن دے اور وہ ٹھیک بات کرے۔''

''ہم نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے ایک اندازے سے اور نہیں ہوتا ہمارا حکم مگر ایک بار جو آنکھ جھپکنے میں واقع ہو جاتا ہے۔'' (القمر۔50-54:49)

جیسا کہ ہم اس سے قبل ذکر کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بھول اور یادداشت پیدا کرتا ہے اور ہماری تمام ذہنی سرگرمیوں پر حکومت کرتا ہے۔ خواہ وہ ماضی، حال یا مستقبل سے متعلق ہوں۔ یہ بات حضرت موسیٰؑ کے مقدر میں لکھی ہوئی تھی کہ وہ بھول جائیں گے اور پھر ایسا سوال کریں گے جو ان سے متوقع نہیں تھا۔ کسی کو بھی اپنے دماغ پر کنٹرول حاصل نہیں ہے نہ وہ اس بھول سے بچ سکتا ہے یا وہ الفاظ کہنے سے رہ سکتا ہے جو اس کے مقدر میں لکھے ہوئے ہیں۔ اللہ جو چاہتا ہے جب بھی چاہتا ہے لوگوں کو فراموش کرا دیتا ہے۔ وہ چاہے تو مکمل یاد چھین لے اور چاہے تو کسی کی یاد میں ان چیزوں کا علم ڈال دے جو اسے پہلے معلوم نہیں تھیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے ان کا یہ التماس ''مجھ سے وہ بات طلب نہ کیجیے (حضرت خضرؑ سے مخاطب ہیں) جو میرے لیے بہت مشکل ہے''۔ یہاں یہ بات ہماری سمجھ میں آ جاتی ہے کہ حضرت موسیٰؑ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی تعلیم کا سلسلہ منقطع ہو جائے۔

''پھر وہ دونوں چل پڑے حتیٰ کہ جب وہ ملے ایک لڑکے کو تو اس نے اسے قتل کر ڈالا۔ موسیٰ علیہ السلام (غضبناک ہو کر) کہنے لگے کیا مار ڈالا آپ نے ایک معصوم جان کو کسی نفس کے بدلے کے بغیر بیشک آپ نے ایسا کام کیا ہے جو بہت ہی نازیبا ہے۔'' (الکھف۔18:74)

گو انہوں نے وعدہ فرمایا تھا کہ سوالات نہیں کریں گے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے مقدر کے خلاف کچھ نہ کر سکے اور یہ سوالات پوچھ ہی لیے تھے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ حضرت خضرؑ اللہ کے حکم کے مطابق کام کرتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہوئے کہ وہ وسیع علم رکھتے ہیں اور ان سے یہ کہنے کے باوجود کہ وہ (موسیٰؑ) خضر علیہ السلام کے شاگرد ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خضرؑ کے کاموں پر اعتراض ضرور کیا۔

لیکن ہمیں یہ ہرگز فراموش نہ کرنا چاہیے کہ صرف اللہ ہی زندگی دیتا ہے اور زندگی لیتا ہے۔ چنانچہ درج ذیل آیت میں فرمایا گیا ہے کہ جب تک اللہ نہ چاہے کوئی کسی دوسرے انسان کو قتل نہیں کر سکتا کیونکہ:

''پس تم نے قتل نہیں کیا انہیں بلکہ اللہ نے قتل کیا انہیں۔ اور (اے محبوب) نہیں پھینکی آپ نے (وہ مُشتِ خاک) جب آپ نے پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تاکہ احسان فرمائے مومنوں پر اپنی جناب سے بہترین احسان۔ بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔'' (الانفال۔8:17)

حضرت خضر علیہ السلام اللہ کے وفادار بندے ہیں اور اللہ کے حکم اور مرضی کے مطابق کام کرتے ہیں۔ وہ جو کچھ کرتے یا کہتے ہیں وہ عین اللہ کی مرضی کے مطابق ہوتا ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ جس بچے کو مار دیا گیا ہے وہ پاکیزہ ہے جب تک کہ اللہ اُسے نہ چاہے۔ تاہم حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ الفاظ اس لیے بولتے ہیں کیونکہ اللہ یہ چاہتا ہے کہ وہ ایسا کریں اور اس لیے بھی کہ یہ ان کے مقدر میں لکھا ہوا ہے۔

''اس نے کہا کیا (پہلے ہی) میں نے کہہ نہ دیا تھا آپ کو کہ آپ میری معیت میں صبر نہ کر سکیں گے۔ آپ نے کہا اگر میں پوچھوں آپ سے کسی چیز کے بارے میں اس کے بعد آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں۔ آپ میری طرف سے معذور ہوں گے۔'' (الکھف۔18:75-76)

اس قصے میں ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اللہ جب چاہتا ہے اپنے بندوں کو صبر دے بھی دیتا ہے اور چھین بھی لیتا ہے۔ مومنوں کی زندگی کا یہ قابل تعریف پہلو بہت سی آیات میں مذکور ہے اور اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی بتائی گئی ہے کہ صرف اللہ ہی صبر کی دولت عطا کرتا ہے۔ مثال کے طور پر طالوتؑ کی فوج نے اللہ سے جنگ کے دوران صبر مانگا تھا جیسا کہ درج ذیل آیت میں بتایا گیا ہے:

''اور جب سامنے آ گئے جالوت اور اس کی فوجوں کے تو بارگاہِ الٰہی میں عرض کرنے لگے اے ہمارے ربّ! اُتار ہم پر صبر اور جمائے رکھ ہمارے قدموں کو اور فتح دے ہمیں قوم کفار پر''۔ (سورۃ البقرہ۔2:250)

سورۃ الکھف کی آیت:76 میں بتایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس بات سے آگاہ ہیں کہ خضر علیہ السلام نے بُرا محسوس کیا ہے۔ گو حضرت خضر علیہ السلام جانتے تھے کہ حضرت موسیٰؑ بے صبری کا مظاہرہ کریں گے پھر بھی موسیٰؑ یقین دلاتے ہیں کہ وہ صبر سے کام لیں گے۔ تاہم جب وہ دو مرتبہ اپنا وعدہ نہ نبھا سکے پھر بھی انہوں نے اس صورت حال کا حل تلاش کرنا چاہا۔ انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو اس بات پر رضامند کرنے کے لیے کہ ان کی تعلیم کا سلسلہ منقطع نہیں ہونا چاہیے ایک اور حکمت عملی اپناتے ہیں۔ اسے ذہن میں رکھتے ہوئے حضرت موسیٰؑ نے حضرت خضرؑ کو بڑی یقین دہانیاں کرائیں، بڑی ضمانت دی تاکہ زیادہ سے زیادہ عرصے تک وہ اپنی تعلیم کے اس سلسلے کو طُول دے سکیں۔

''پھر وہ چل پڑے یہاں تک کہ جب ان کا گزر ہوا گاؤں والوں کے پاس تو انہوں نے ان سے کھانا طلب کیا تو انہوں نے (صاف) انکار کر دیا ان کی میزبانی کرنے سے پھر ان دونوں نے اس گاؤں میں ایک دیوار دیکھی جو گرنے کے قریب تھی تو اس بندے نے اسے دُرست کر دیا۔ موسیٰ کہنے لگے اگر آپ چاہتے تو اس محنت پر مزدوری ہی لے لیتے۔'' (الکھف۔18:77)

اپنے سفر کو جاری رکھتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام

ایک گاؤں میں پہنچے۔ یہاں نہ تو ان کی آؤ بھگت ہوئی نہ انہیں کھانا اور ٹھہرنے کی کوئی پناہ گاہ ملی جس سے ہمیں معلوم ہوا کہ ان کا سفر مشکلات لیے ہوئے تھا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہ بتانا چاہتا ہے کہ صداقت وسچائی اور نفع بخش علم کی تلاش میں جو صعوبتیں آتی ہیں ان میں بھی کوئی مصلحت اور بہتری پوشیدہ ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰ اس سفر میں حضرت خضرؑ کے ہمراہ رہنے کے بدلے میں کوئی بھی صعوبت برداشت کرنے کو تیار تھے کیونکہ وہ حضرت خضرؑ کی حکمت و دانائی اور یاددہانیوں سے مستفید ہونے کے آرزومند تھے۔ یہ ایک طرح سے تمام مسلمانوں کے لیے یاددہانی ہے کہ وہ سب ایسے ہی عزم مصمم کا مظاہرہ کریں اور ایسے حالات میں کردار کی مضبوطی دکھائیں۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت خضر علیہ السلام بطور خاص باصلاحیت اور تیزی سے کام کرنے والے تھے۔ اس کا ہمیں اس وقت اندازہ ہو جاتا ہے جب آپ کسی کو خبر ہوئے بغیر کہ وہ کیا کر رہے تھے انہوں نے کشتی میں شگاف کر دیا تھا۔ پھر انہوں نے اسی طرح کی تیزی کے ساتھ گرنے والی دیوار کو درست کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے تیزی سے فیصلے کرنے اور تجربے کا ذکر یوں فرمایا ہے: ''انہوں نے وہاں ایک دیوار دیکھی جو گرنے کے قریب تھی اور اس نے (خضرؑ) اسے درست کر دیا تھا۔'' حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی میں سوراخ بھی اس مہارت کے ساتھ کیا کہ یہ وقتی طور پر قابل استعمال نہ رہے۔

''......پھر ان دونوں نے اس گاؤں میں ایک دیوار دیکھی جو گرنے کے قریب تھی تو اس بندے نے اسے دُرست کر دیا.........'' (الکھف۔ 18:77)

''آپ فرمایئے بیشک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا (سب) اللہ کے لیے ہے جو ربّ ہے سارے جہانوں کا۔'' (الانعام۔6:162)

وہ بندۂ خُدا ایک کشتی کو تیار کرنے اور ایک دیوار کو درست کرنے کے لیے درکار سامان سے واقف تھا۔

اَب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے اپنا تیسرا اور آخری

سوال پوچھا۔ حضرت خضرؑ اللہ کی عطا کردہ حکمت و دانائی کے طفیل یہ جانتے تھے کہ اپنے اس کام کا معاوضہ انہیں طلب کرنا چاہیے یا نہیں۔ اس طرح کا کام کوئی پابندی کا کام نہ تھا کیونکہ اس کا انحصار تو حالات و واقعات پر ہوتا ہے۔ مومنین چونکہ ہر کام اللہ کی خوشنودی کے لیے کرتے ہیں اس لیے وہ اپنی مزدوری اور کام کے معاوضے کی توقع اللہ سے رکھتے ہیں اور ایسے کام کسی معاوضے اور اُجرت کی تمنا کے بغیر کرتے ہیں۔ اگر کبھی اس کا معاوضہ مل جائے تو اسے بھی اسی کی رضا اور خوشنودی کے حصول کے لیے خرچ کر دیا جاتا ہے۔ یہ کسی انسان کا انفرادی فیصلہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے رسولوں، پیغمبروں کی حکمت و دانائی اور اللہ کے فرمان کی روشنی میں معاوضہ طلب کرتا ہے یا نہیں۔

''اس نے کہا (بس سنگت ختم) اب میرے اور آپ کے درمیان جُدائی کا وقت آ گیا میں آگاہ کرتا ہوں آپ کو ان باتوں کی حقیقت پر جن کے متعلق آپ صبر نہ کر سکے۔'' (الکھف۔18:78)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ آخری سوال ظاہر کرتا ہے کہ اب ان میں اور حضرت خضرؑ میں جُدائی کا وقت آ پہنچا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ منشا تھی کہ موسیٰ علیہ السلام یہ صورتِ حال بیان کرتے جب انہوں نے قبل ازیں یہ کہا تھا: ''اب اگر اس کے بعد میں آپ سے کوئی سوال کروں تو آپ کو اختیار حاصل ہوگا کہ آپ مزید عرصے کے لیے مجھے اپنے ہمراہ نہ رکھیں۔'' حضرت خضرؑ اس کا سبب یہ بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پوشیدہ اسباب سے آگاہ نہیں کیا تھا اور یہ کہ حضرت خضرؑ اب ان سوالات کے جوابات دیں گے۔ اگر حضرت خضرؑ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ اسباب بتا دیئے ہوتے تو وہ ضرور صبر کا مظاہرہ کرتے۔ دوسرے لفظوں میں ہمیں ان باتوں میں جن کے بارے میں پیغمبران خدا اور اللہ کے منتخب بندے کچھ نہیں بتاتے ان میں کسی اچھائی اور حکمت و دانائی کی توقع کرنی چاہیے۔

وہ تمام باتیں جو دورانِ سفر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کو پیش آئیں یہ ان کے مقدر میں تھیں۔ اور ان کا فیصلہ اللہ کے ہاں ہو چکا تھا۔ گویا یہ سب کچھ ایسا ہی ہونا تھا اس کے برعکس ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ جُدائی کی گھڑی وقت و مقام ملاقات کی طرح اللہ کے علم میں تھی کیونکہ اس نے زمانے کی حدوں سے ماورا ماضی میں یہ

سب کچھ ان کے مقدر میں لکھ دیا تھا۔

"وہ جو کشتی تھی وہ چند غریبوں کی تھی جو (ملاّحی کا) کام کرتے تھے دریا میں۔ سو میں نے ارادہ کیا کہ اسے عیب دار بنا دوں اور (اس کی وجہ یہ تھی کہ) ان کے آگے (جابر) بادشاہ تھا جو پکڑ لیا کرتا تھا ہر کشتی کو زبردستی۔" (الکھف۔ 18:79)

جیسا کہ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اب جُدائی کا وقت آ گیا تھا۔ خضر علیہ السلام نے جو جو کام کیے تھے جن پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوالات پوچھے تھے، اب حضرت خضرؑ ان کے جوابات دیتے ہیں۔ سب سے پہلے تو انہوں نے کئی وجوہ کی بنا پر کشتی میں شگاف کیا تھا۔ اس سے قبل کہ حضرت خضرؑ کے کاموں کے پیچھے موجود اسباب کی تفصیل بتائی جائے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان کے رحملانہ اور ہمدردانہ کردار پر روشنی ڈالی جائے۔ خضر علیہ السلام نے ان غریبوں کی مدد کی تھی جن کو وہ آنے والی مشکلات سے بچانا چاہتے تھے اور انہیں ظالموں کے ظلم سے محفوظ بھی۔ اس سے غریبوں اور ضرورت مندوں کے لیے ان کے جذبۂ ہمدردی اور محبت بھرے کردار کا اظہار ہوتا ہے۔ ان میں اللہ کی صفات رحیمی و کریمی کا رنگ جھلکتا ہے۔ مومنوں اور کافروں میں یہ امتیازی فرق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"کیا آپ سمجھے کہ وہ گھاٹی کیا ہے۔ وہ (غلامی سے) گردن چھڑانا ہے یا کھانا کھلانا ہے بھوک کے دن (قحط سالی) میں۔ یتیم کو جو رشتہ دار ہے یا خاک نشین مسکین کو پھر وہ ایمان والوں سے ہو جو ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہیں صبر کی اور ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہیں رحمت کی یہی لوگ دائیں ہاتھ والے ہیں"۔ (البلد۔ 90:12-18)

رحمت، رحمدلی، ہمدردی اور محبت مومنوں کے لیے وہ صفات ہیں جو اللہ کے رسولوں اور پیغمبروں میں ملتی ہیں۔ حضرت خضرؑ میں بھی یہ صفات موجود تھیں اسی لیے انہیں اللہ کی طرف سے حکمت و دانائی کا اعلیٰ درجہ حاصل تھا۔

اس وجہ سے وہ ضرورت مند اور غریب افراد کی مدد کرنا چاہتے تھے جو اس کشتی میں شگاف کے ذریعے ہو سکتی تھی تاکہ یہ ناکارہ نظر آئے اور ظالموں کے ہاتھ نہ لگ جائے جو

اسے ضبط کر سکتے تھے۔

حضرت خضر علیہ السلام کا استدلال، پیش بینی، حکمت و دانائی اور عقلمندی فوراً سامنے آ جاتی ہے کیونکہ انہوں نے کشتی میں شگاف اس طرح کیا تھا تاکہ اسے آسانی سے مرمت کیا جا سکے اور یہ دوبارہ قابلِ استعمال ہو جائے۔ یوں وہ لوگ جو اس پر قبضہ کرنا چاہتے تھے وہ اسے شگاف دار دیکھ کر اس بارے میں اپنا ارادہ بدل لیں گے۔ ایک بار یہ خطرہ ٹل جانے پر اس کشتی کو آسانی کے ساتھ مرمت کر کے دوبارہ کام میں لایا جا سکتا تھا۔

دوسرا قابل ذکر معاملہ اس ظالم حکومت کا ہے جو ان غریبوں پر حکمرانی کر رہی تھی۔ یہ ایک آمرانہ حکومت تھی۔ یہ مومنوں کی املاک بغیر کسی جواز کے ضبط کر لیا کرتی تھی۔ یوں مومنین بڑی مشکلات کا سامنا کر رہے تھے اور اس صورت حال سے بچنا ان کے لیے مشکل ہو گیا تھا۔

اس آمرانہ حکومت میں بلا جواز لوگوں کی املاک ضبط کر لینا عام بات تھی۔ ماضی کی بادشاہتوں میں یہ ہوتا تھا اور آج ایسا فاشسٹ اور کمیونسٹ حکومتوں میں ہوتا ہے۔ یہ بے یارو مددگار لوگوں سے ان کی جائیداد چھین لیا کرتی تھیں اور وہ غریب خالی ہاتھ اور فاقوں پر مجبور ہو جاتے تھے۔ چنانچہ اس مثال سے معلوم ہوا کہ ظالم حکومتوں نے تاریخ انسانی کے ابتدائی دور سے بنی نوع انسان کو دکھی کر دیا تھا۔

"اور وہ جو لڑکا تھا تو (اس کی حقیقت یہ ہے کہ) اس کے والدین مومن تھے پس ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ (اگر زندہ رہا تو) مجبور کر دے گا انہیں سرکشی اور کفر پر۔" (الکھف۔ 18:80)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ لڑکے کے والدین مومن تھے۔ دوسرے لفظوں میں ان دنوں سچا دین موجود تھا۔ جب حضرت خضر علیہ السلام نے بچے کی جان لے لی تو یہ اللہ کی مرضی تھی کیونکہ اللہ نے اس بچے کی موت کا وقت اور مقام مقرر کیا ہوا تھا۔ اللہ لوگوں کو اس حقیقت کے بارے میں یُوں یاد دلاتا ہے: "اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا تمہیں مٹی سے پھر مقرر کی ایک میعاد اور ایک میعاد مقرر ہے اللہ کے نزدیک......" (الانعام۔ 6:2) قرآن میں یہ بھی مذکورہ ہے کہ فرشتے انسانی جان لے لیتے ہیں۔

"اور (اے مخاطب!) اگر تو دیکھے جب جان نکالتے ہیں کافروں کی فرشتے

(اور) مارتے ہیں ان کے چہروں اور پشتوں پر۔ اور (کہتے ہیں) چکھو آگ کا عذاب''۔(الانفال۔8:50)

تاہم فرشتے تو جان لینے کا ذریعہ بنتے ہیں دراصل تو اللہ جانیں لے لیتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دل کی گہرائیوں سے مانگی گئی دُعا مثال کے طور پر پیش کی گئی ہے:

''جس نے مجھے پیدا فرمایا پھر (ہر قدم پر) وہ میری رہنمائی کرتا ہے اور وہ جو مجھے کھلاتا بھی ہے اور مجھے پلاتا بھی ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے صحت بخشتا ہے اور وہ جو مجھے مارے گا پھر مجھے زندہ کرے گا اور جس سے میں اُمید رکھتا ہوں کہ وہ بخش دے گا میرے لیے میری خطا کو روز جزا کو اے میرے ربّ! عطا فرما مجھے علم وعمل (میں کمال) اور ملا دے مجھے نیک بندوں کے ساتھ''۔ (الشعراء۔26:78-83)

یہ اللہ نے چاہا تھا کہ حضرت خضر علیہ السلام اس بچے کی جان لے لیں اور اللہ کسی اور ذریعے اس بچے کی جان لینا چاہتا تھا۔ یہ لڑکا کسی حادثے میں بھی ہلاک ہوسکتا تھا۔ وہ حرکت قلب بند ہونے سے جان بحق ہوسکتا تھا یا گر کر سر میں شدید چوٹ آ جانے سے مر سکتا تھا۔ جیسا کہ اللہ اسے یوں واضح فرماتا ہے: ''......پس جب آ جاتی ہے ان کی (مقررہ) میعاد تو نہ وہ ایک لمحہ پیچھے ہو سکتے ہیں اور نہ آگے ہوسکتے ہیں''۔ (النحل۔16:61) اس لڑکے کے معاملے میں اللہ نے فیصلہ یہ فرمایا کہ روح قبض کرنے والے فرشتے تو نظر نہیں آتے جبکہ خضر علیہ السلام نظر آ رہے تھے جنہوں نے اس بچے کی جان لے لی تھی۔ حضرت خضر علیہ السلام کا یہ عمل اللہ کی طرف سے آئی ہوئی وحی کی تعمیل میں تھا اور یقیناً حضرت خضرؑ نے کوئی ایسا کام نہیں کیا تھا جو اللہ کے احکامات کے خلاف ہو۔ پھر جب تک اللہ نہ چاہتا وہ اپنی مرضی سے ایسا کیسے کر سکتے تھے۔ اللہ نے انہیں اس کام کے لیے چنا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اسی طرح ایک شخص کی جان لے لی تھی؛ جس کا ذکر درج ذیل آیات میں ہے:

''وہ شہر میں داخل ہوئے اس وقت جب بے خبر سو رہے تھے اس کے باشندے

پس آپ نے پایا وہاں دو آدمیوں کو آپس میں لڑتے ہوئے۔ یہ ایک ان کی جماعت سے تھا اور دوسرا ان کے دشمنوں سے۔ پس مدد کے لیے پکارا آپ کو اس نے جو آپ کی جماعت سے تھا اس کے مقابلے میں جو آپ کے دشمن گروہ سے تھا۔ تو سینے میں گھونسا مارا موسیٰؑ نے اس کو اور اس کا کام تمام کر دیا۔ آپ نے فرمایا یہ کام شیطان کی انگیخت سے ہوا ہے۔ بیشک وہ کھلا دشمن ہے بہکا دینے والا۔ آپ نے عرض کی میرے پروردگار! میں نے ظلم کیا اپنے آپ پر پس بخش دے مجھے تو اللہ نے بخش دیا اُسے۔ بیشک وہی غفور رحیم ہے۔''(القصص۔28:15-16)

حضرت موسیٰ علیہ السلام جھگڑے میں کسی کی مدد کرنے کے لیے مخل ہوئے تھے اور غیر ارادی طور پر ایک شخص کو مار ڈالا تھا۔ یہاں ایک بار پھر وہ تو اسے مارنے کا ایک ذریعہ بنے تھے۔ بیشک وہ شخص مرا تو حضرت موسیٰ کے ہاتھوں تھا مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام تو محض ایک نظر آنے والا سبب بنے تھے جبکہ جان لینے والے فرشتے نہ نظر آنے والے عامل تھے۔ اللہ قرآن پاک میں فرماتا ہے کہ لوگوں کی جانیں لینا فرشتوں کا کام ہے حالانکہ یہ دراصل اللہ ایسا کرتا ہے۔

لوگ جس قدر چاہیں مزاحمت کریں، جس طرف چاہیں پناہ کے لیے نظر دوڑائیں جہاں چاہیں بھاگیں ہر مرد اور عورت ہمیشہ اپنی موت کی طرف بڑھ رہے ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ کوئی بھی اپنی موت سے نہیں بچ سکتا:

''پھر اُتاری اللہ تعالیٰ نے تم پر غم واندوہ کے بعد راحت (یعنی) غنودگی جو چھا رہی تھی ایک گروہ پر تم میں سے اور ایک جماعت ایسی تھی جسے فکر پڑا ہوا تھا (صرف) اپنی جانوں کا بدگمانی کر رہے تھے اللہ کے ساتھ بلاوجہ عہد جاہلیت کی بدگمانی۔ کہتے کیا ہمارا بھی اس کام میں کچھ دخل ہے۔ آپ فرمایئے اختیار تو سارا اللہ کا ہے۔ چھپائے ہوئے ہیں اپنے دلوں میں جو ظاہر نہیں کرتے آپ پر کہتے ہیں (اپنے دلوں میں)'' (آلِ عمران۔3:154)

اس معاملے میں کسی کو کوئی اختیار نہیں دیا گیا اور اس سے کسی صورت میں کوئی راہ فرار نہیں کھلی ہوئی۔ جب موت کا معیّن وقت آ جاتا ہے تو موت کے فرشتوں سے بچنا

ممکن نہیں رہ جاتا۔ جیسا کہ قرآن میں صاف لفظوں میں بیان فرما دیا گیا ہے کہ ہر انسان اپنے مقررہ وقت اور مقام پر مرے گا:

''آپ (انہیں) فرمایئے یقیناً وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو وہ ضرور تمہیں مل کر رہے گی۔ پھر لوٹا دیا جائے گا تمہیں اس کی طرف جو جاننے والا ہے ہر چھپے اور ظاہر کو پس وہ آگاہ کرے گا تمہیں ان (اعمال) سے جو تم کیا کرتے تھے۔'' (الجمعہ۔62:8)

''جہاں کہیں تم ہو گے آلے گی تمہیں موت۔ اگرچہ (پناہ گزیں) ہو تم مضبوط قلعوں میں......'' (النساء۔4:78)

حضرت خضر علیہ السلام نے ایک ایسے بچے کو قتل کر دیا تھا جس کے بارے میں وہ جانتے تھے کہ وہ مستقبل میں دائرۂ ایمان سے نکل جائے گا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ یہ لڑکا اپنے خاندان اور ماحول کے لیے مصائب پیدا کرے اور بحرِ عصیاں میں ڈوب جائے یوں انہوں نے ایک تدارکی قدم اُٹھایا تھا۔

''پس ہم نے چاہا کہ بدلہ دے انہیں ان کا ربّ (ایسا بیٹا) جو بہتر ہو اس سے پاکیزگی میں اور (ان پر) زیادہ مہربان ہو۔'' (الکھف۔18:81)

بہت سے لوگ خاندان کے کسی فرد کی موت کے پیچھے چُھپی ہوئی حکمت، سبب اور اچھائی کو نہیں دیکھ سکتے۔ تاہم ہر دوسری بات کی مانند اس میں بھی ایک حکمت اور بہتری پوشیدہ ہوتی ہے۔ ان میں سے ایک کا ذکر درج بالا آیت میں آیا ہے: ''پس ہم نے چاہا کہ بدلہ دے انہیں ان کا ربّ (ایسا بیٹا) جو بہتر ہو اس سے پاکیزگی میں اور (ان پر) زیادہ مہربان ہو۔''

درج ذیل آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو خبردار کیا ہے جو اس بات پر یقین رکھنے سے انکار کر دیتے ہیں کہ اللہ ان کی جگہ زیادہ مخلص مومنین کو لے آئے گا:

''اے ایمان والو! جو پھر گیا تم میں سے اپنے دین سے (تو اس کی بدنصیبی) سو عنقریب لے آئے گا اللہ تعالیٰ ایک ایسی قوم محبت کرتا ہے اللہ ان سے اور وہ محبت کرتے ہیں اس سے جو نرم ہوں گے ایمانداروں کے لیے۔ بہت سخت

ہوں گے کافروں پر۔ جہاد کریں گے اللہ کی راہ میں اور نہ ڈریں گے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے یہ (محض) اللہ کا فضل (وکرم) ہے نوازتا ہے اسے جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی کشادہ رحمت والا سب کچھ جاننے والا ہے۔'' (المائدہ۔5:54)

''اور آپ کا پروردگار غنی ہے، رحمت والا ہے اگر چاہے تو لے جائے (تباہ کر دے) تمہیں اور تمہاری جگہ لے آئے تمہارے بعد جسے چاہے۔ جیسے پیدا کیا تمہیں دوسری قوم کی اولاد سے۔'' (الانعام۔6:133)

حضرت خضر علیہ السلام کے اخلاقِ حسنہ

جب ہم حضرت خضرؑ اور حضرت موسیٰؑ کا یہ قصہ پڑھنے کے بعد اس پر غور وفکر کرتے ہیں تو ہر آیت میں حضرت خضر علیہ السلام کے کردار کے بارے میں ایک پیغام ملتا ہے۔ یہ سب گذشتہ صفحات پر بالتفصیل موجود ہیں۔ ہم ان سب کو یہاں یکجا کر کے ان کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں۔ ان کے کردار کی صفات پر غور کرنے کے لیے ہم نے تائیدی ثبوت بھی فراہم کر دیئے ہیں۔

حضرت خضر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے احکامات کو فوراً بجا لاتے ہیں۔

سورۃ الکھف میں ان کے کردار کی سب سے بڑی خوبی یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ اللہ کے احکامات کی تعمیل میں تاخیر نہیں کرتے جونہی کوئی حکم ان پر وحی ہوتا ہے وہ بلاتاخیر اسے بجا لاتے ہیں۔

خضر علیہ السلام کی ہمدردی اور رحمدلی

اس کا ثبوت ان کی وہ مدد ہے جو وہ غریبوں، یتیموں اور دُکھیوں کی کرتے ہیں۔

مومنین کے لیے وقف کردہ خدمات اور مدد

وہ ایک ایمان دار ماں اور باپ کی مدد کرتے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنی زندگی

ایمان والوں کے لیے وقف کر رکھی ہے۔

حکمت و دانائی، بصیرت اور پیش بینی

خضر علیہ السلام کے تدارکی کام اور تدابیر جو وہ کفار کے لیے کرتے ہیں وہ ان کی حکمت و دانائی اور پیش بینی ثابت کرتے ہیں۔

خضر علیہ السلام کا اللہ پر توکّل

انہیں جو مشکل بھی پیش آتی ہے وہ اس کا اثر قبول نہیں کرتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ جو کچھ بھی ہوتا ہے۔ وہ اللہ کی مقرر کردہ تقدیر کے مطابق ہوتا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام کے کردار کی صفات کو قرآن پاک کی آیات کے ذریعے ظاہر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا کرم کیا ہے اور انہیں حکمت و دانائی اعلیٰ علم اور بے داغ کردار دیا ہے۔ جس عرصے تک حضرت موسیٰ ؑ حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ رہے' حضرت خضرؑ نے انہیں بہترین تعلیم دی۔ اور گفتار و عمل دونوں کے ذریعے انہیں مشورے دیئے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے صبر، عزم اور بالغ نظری کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے مثال پیش کی اور انہیں تجربات میں چھپی حکمت و دانائی سیکھنے کی تلقین کی۔

> ''باقی رہی دیوار (تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ) وہ شہر کے دو یتیم بچوں کی تھی۔ اور اس کے نیچے ان کا خزانہ (دفن) تھا۔ اور ان کا باپ بڑا نیک شخص تھا۔ پس آپ کے ربّ نے ارادہ فرمایا کہ وہ دونوں بچے اپنی جوانی کو پہنچیں اور نکال لیں اپنا دفینہ۔ یہ (ان پر) ان کے ربّ کی خاص رحمت تھی اور (جو کچھ میں نے کیا) میں نے اپنی مرضی سے نہیں کیا۔ یہ حقیقت ہے ان امور کی جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔'' (الکھف۔18:82)

حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے آخری کام کے بارے میں وضاحت یہ فرمائی کہ اس میں ان کی یہ حکمت و دانائی پوشیدہ تھی کہ یہ دیوار یتیم بچوں کی تھی۔ اس آیت میں ان یتیم بچوں کا خیال رکھنے پر بحث کی گئی ہے جن کے والدین ایمان والے ہوں۔ اسی

موضوع کو ہم ایک جگہ اور یوں پڑھتے ہیں:

> ''......اور پوچھتے ہیں آپ سے یتیموں کے بارے میں فرمایئے (ان سے الگ تھلگ رہنے سے) ان کی بھلائی کرنا بہتر ہے اور اگر (کاروبار میں) تم انہیں ساتھ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے اور اگر چاہتا اللہ تو مشکل میں ڈال دیتا تمہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا، بڑی حکمت والا ہے۔'' (البقرہ۔2:220)

جیسا کہ یہاں بتایا گیا ہے کہ مومنین یتیموں کے حقوق کی حفاظت کا بے حد خیال رکھتے ہیں اور ان کی اخلاقی تعلیم کو یقینی بناتے ہیں اس لیے کہ وہ اچھے کردار کے مالک ہوتے ہیں اور اللہ کے احکامات اور ہدایات کی پیروی کرتے ہیں۔ مسلمان یتیموں کے ساتھ بڑی فیاضی کے ساتھ پیش آتے ہیں: ''آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں۔ آپ فرمایئے جو کچھ خرچ کرو (اپنے) مال سے تو اس کے مستحق تمہارے ماں باپ ہیں اور قریبی رشتہ دار ہیں اور یتیم ہیں اور مسکین ہیں اور مسافر ہیں اور جو نیکی تم کرتے ہیں تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے''۔ (البقرہ۔2:215)

اگر مسلمان بھی ضرورت مند ہوں تو بھی یہ ترجیح ان دوسرے لوگوں کو دیتے ہیں: ''باوجود اس بات کے کہ وہ اس سے محبت کرتے ہیں وہ غریبوں، مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں' وہ لوگ جو یتیموں کے ساتھ زیادتی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں اس طرح خبردار کیا ہے:

> ''بیشک وہ لوگ جو کھاتے ہیں۔ یتیموں کے مال ظلم سے وہ تو بس کھا رہے ہیں اپنے پیٹوں میں آگ اور وہ عنقریب جھونکے جائیں گے بھڑکتی آگ میں۔'' (النساء۔4:10)

جیسا کہ اسلام کے اصول اخلاقیات اس بات پر زور دیتے ہیں حضرت خضر علیہ السلام یتیموں کی فلاح و بہبود کا خیال رکھتے ہوئے ان کے مستقبل کی فکر کرتے ہیں۔ اگر آپ نے وہ دیوار نہ کھڑی کر دی ہوتی تو یہ گر جاتی تو ان یتیموں کے لیے چھوڑا ہوا ان کے باپ کا دفینہ ظاہر ہو جاتا۔ یوں یہ خزانہ ظالموں کے ہاتھ لگ جاتا۔ حضرت خضرؑ نے

اس دیوار کی مرمت کر دی تھی تا کہ جب تک یہ یتیم بچے جوان نہیں ہو جاتے وہ خزانہ چھپا رہے ۔ یوں حضرت خضرؑ نے ان بچوں کے مرحوم والد کی طرف سے چھوڑے ہوئے اس دفینے کو محفوظ بنا دیا تھا تا کہ یہ بچے بڑے ہو کر اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔

جیسا کہ ہم اس سے قبل یہ ذکر کر چکے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام کی یتیموں کے لیے ہمدردی اور رحمدلی سے معلوم ہوا کہ حضرت خضرؑ یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ بچوں کی جائیداد کی حفاظت کے لیے تدابیر ضروری تھیں۔ خضرؑ نے اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے ایک مضبوط دیوار کھڑی کر دی تھی جو اس وقت تک قائم رہنی تھی جب تک اللہ ایسا چاہتا۔

مزید یہ کہ اگر دیوار گر جاتی تو راہ گزر زخمی ہو سکتے تھے، قریب کھڑے پودوں اور جانوروں کو نقصان پہنچ سکتا تھا یا یہ کسی کی موت کا سبب بھی بن سکتی تھی۔ اس کے علاوہ اس سے ایک پیشہ ورانہ صلاحیت کی بھی نشان دہی ہوئی جو حضرت خضرؑ میں موجود تھی۔

اس آیت میں حضرت خضرؑ فرماتے ہیں ''جو کچھ میں نے کیا اپنی مرضی سے کیا'' دوسرے لفظوں میں اللہ نے جو پہلے سے طے کردہ تقدیر میں لکھ رکھا ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے اور یہ بات واضح کر دی ہے کہ جو کام کوئی شخص سرانجام دیتا ہے وہ صرف اس کے اپنے فیصلوں کا نتیجہ نہیں ہوتا۔

''اور وہ دریافت کرتے ہیں آپ سے ذوالقرنینؑ کے متعلق۔ فرمایئے میں ابھی بیان کرتا ہوں تمہارے سامنے اس کا حال''۔(الکھف۔18:83)

تاریخ میں بہت سے سکالروں نے ذوالقرنین علیہ السلام کے قصے کو مختلف طریقوں سے بیان کیا ہے۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اس قصے کو ایمان والوں کے لیے ایک یاددہانی کے طور پر بیان فرمایا گیا ہے۔ اسے پوشیدہ معانی اور وجوہ والی وحی سے منسلک کیا جاتا ہے۔

قرآن نے ذوالقرنین علیہ السلام کے قصے کو اسلامی اقتدار کی مزید مثالیں دینے کے لیے استعمال کیا ہے تا کہ اس سے ایمان والے مستفید ہو سکیں۔ ایسے واقعات بیان کیے گئے ہیں جن سے وہ کئی سبق سیکھ سکتے ہیں۔ ان کے معانی اس قدر صاف اور واضح ہیں کہ انہیں آسانی کے ساتھ سمجھا جا سکتا ہے اور حقیقی معنوں میں لیا جا سکتا ہے تا کہ انہیں سمجھنے اور سیکھنے میں مدد مل سکے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''الف۔ لام۔ را۔ یہ وہ کتاب ہے محفوظ و مستحکم بنا دی گئی ہیں جس کی آیتیں۔ پھر ان کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ بڑے دانا اور ہر چیز سے باخبر (خُدا) کی طرف سے۔''(ھود۔11:1)

مومنین کو قرآن پاک کو پاکیزہ دل کے ساتھ پڑھنے اور سیکھنے کے ارادے کی ضرورت سے آگاہ کیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سورۃ الحج کی آیت:16 میں فرماتا ہے:

''ماہِ رمضان المبارک جس میں اُتارا گیا قرآن اس حال میں کہ یہ راہِ حق دکھاتا ہے لوگوں کو اور (اس میں) روشن دلیلیں ہیں ہدایت کی اور حق و باطل میں تمیز کرنے کی.........''(البقرہ۔2:185)

''بیشک تشریف لایا ہے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نُور اور ایک کتاب ظاہر کرنیوالی۔ دکھاتا ہے اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ انہیں جو پیروی کرتے ہیں اس کی خوشنودی کی، سلامتی کی راہیں اور نکالتا ہے انہیں تاریکیوں سے اجالے کی طرف اپنی توفیق سے اور دکھاتا ہے راہ راست۔ (المائدہ۔5:15-16)

''ہم نے اقتدار بخشا تھا اسے زمین میں اور ہم نے دیا تھا اُسے ہر چیز (تک رسائی حاصل کرنے) کا سازو سامان۔ پس وہ روانہ ہوا ایک راہ پر''۔ (الکھف۔18:84-85)

اس آیت میں طاقت اور اقتدار کا ذکر ہے۔ کسی بھی قوم کی حکومت کو سیاست، معیشت اور دفاع میں طاقتور ہونا چاہیے۔ اگر حکومت کمزور ہو تو ملک بہت نازک صورت حال سے دو چار ہو جاتا ہے۔ خاص طور پر غیر ملکی قوتیں اسے کمزور تر کرنے کی کوششیں کرتی ہیں اور اندرونی دشمن اسی مقصد کے لیے اپنی کوشش کو تیز تر کر دیتا ہے۔ اس کے نتیجے میں معاشی مسائل، بغاوت و سرکشی پیدا ہو جاتی ہے اور ملک میں انتشار پھیل جاتا ہے۔ مگر ذوالقرنین علیہ السلام کی قوم کا حال اِس سے مختلف تھا اس لیے کہ ان کی حکومت ٹھوس، مضبوط اور معقول تھی۔

''ہم نے اسے ہر چیز تک رسائی دی تھی'' کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ذوالقرنین علیہ السلام کو ہر مسئلہ حل کرنے کی صلاحیت بخشی گئی تھی جس سے مراد یہ ہے کہ وہ بہت

زیرک، معاملہ فہم اور ذہین ایمان والے تھے۔ اللہ کی عطا کردہ ان صلاحیتوں کے ذریعے وہ تمام پیچیدہ مسائل بہت تیزی کے ساتھ حل فرما لیتے اور اپنے راستے کی رکاوٹیں دور کر لیا کرتے تھے۔ اللہ نے ان کے راستے کو مشکلات سے پاک کیا اور انہیں اعلیٰ علم سے نوازا۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے ان کی خوبیوں سے لوگ واقف تھے اور اسی لیے وہ آپ سے رائے، مشورہ اور مدد کے طلبگار ہوتے تھے۔

''یہاں تک کہ جب وہ غروب آفتاب کی جگہ پہنچا، تو اس نے اسے یوں پایا گویا وہ ڈوب رہا ہے ایک سیاہ کیچڑ کے چشمے میں اور اس نے وہاں ایک قوم پائی۔ ہم نے کہا ''اے ذوالقرنین! (تمہیں اختیار ہے) خواہ تم انہیں سزا دو خواہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔'' (الکھف۔18:86)

اس آیت سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ حضرت ذوالقرنینؑ پہلے مغرب کی سمت بڑھتے ہیں کیونکہ جہاں سُورج غروب ہوتا ہے وہ زمین کا انتہائی مغربی کنارہ ہی ہوسکتا تھا۔ اگر اس سے مراد یورپ ہے تو یہ پُرتگال، اسپین، یا آبنائے جبرالٹر ہوسکتا تھا۔ اگر اس آیت میں افریقا کی طرف اشارہ ہے تو اس کے انتہائی مغربی ممالک سینی گال اور ماریطانیہ ہیں (اللہ ہی بہتر جانتا ہے)۔

اس آیت میں ایک اور اشارہ ''سیاہ کیچڑ'' کا بھی ملتا ہے۔ عربی کے ان الفاظ ''عین'' کے معانی ہیں ''آنکھ، چشمہ'' اور ''حمیئۃ'' کے معنی ہیں ''سیاہ کیچڑ'' داغدار اور گدلا، کیچڑ سے لت پت''۔

یہ بھی ممکن ہے کہ ذوالقرنینؑ افریقا کی جانب بڑھ رہے ہوں جیسا کہ بدیع الزمان سعید نرصی لکھتے ہیں:

''اولاً یہ لکھتے ہوئے کہ ذوالقرنینؑ کا مغرب کا سفر موسم گرما کی سخت گرمی کے ساتھ منطبق ہو جاتا ہے، زمین دلدلی بتائی گئی ہے، غروب آفتاب کا وقت اور طوفانی لہروں کے اُٹھنے کا وقت منطبق ہو جاتے ہیں۔ اس سے بہت سے سبق آموز اور معلوماتی معاملات کی جانب اشارہ ملتا ہے مثلاً فتح افریقا..........لفظ چشمہ بھی یہاں ایک استعارہ ہے۔ دُور سے دیکھا جائے تو سمندر پانی کا ایک چھوٹا سا تالاب نظر آتا ہے۔ دلدلی زمین سے آگے دُھند اور آبی بخارات نظر

آتے ہیں جو گرمی کی وجہ سے سمندر سے اُٹھ رہے ہوں۔ ''عین'' کے عربی میں معانی ہیں چشمہ، سُورج اور آنکھ جو بڑے بامعنی ہیں۔

بحیرۂ اوقیانوس کو ایک کیچڑ سے لت پت چشمہ کہنے سے مراد یہ ہے کہ ذوالقرنینؑ نے اس بڑے سمندر کو دُور سے ایک چشمے کی شکل میں دیکھا۔ مگر قرآن پاک تو ہر شے کو قریب سے دیکھتا ہے، اس نے وہ نہیں دیکھا تھا جو ذوالقرنینؑ نے دیکھا تھا۔ جو ایک سراب کی قسم تھی۔ قرآن چونکہ آسمانوں سے اُترا ہے اور ان ہی کی طرف دیکھتا ہے اس لیے یہ اس زمین کو بعض اوقات ایک میدان، کبھی ایک محل، کبھی ایک پنگھوڑے اور کبھی ایک کتاب کے ورق کی شکل میں دیکھتا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک کا اسے وسیع دُھندلا، بخاراتی بحیرۂ اوقیانوس، ایک چشمہ کہنا اس کی مرتفع کی جانب اشارہ ہے۔''

''..........یہاں تک کہ جب وہ غروب آفتاب کی جگہ پہنچا تو اس نے اسے یوں پایا گویا وہ ڈوب رہا ہے ایک سیاہ کیچڑ کے چشمے میں......'' (الکھف۔18:86)

اگر کوئی شخص فاصلے سے دیکھ رہا ہو کہ سُورج افق کے پار غروب ہو رہا ہے تو اسے یوں لگے گا جس طرح سُورج سمندر میں غوطہ زن ہو رہا ہے یا یہ کسی پہاڑ میں غروب ہو رہا ہے جو اس مقام پر نظر آتا ہو جہاں سُورج ڈوب رہا ہے۔ اس کا انحصار اس شخص کے کھڑے ہونے والے مقام اور اس زاویے پر ہے جس سے یہ منظر دیکھا جا رہا ہے۔

ذوالقرنین علیہ السلام جب اس سرزمین پر پہنچے تو ان کی ملاقات وہاں کے لوگوں سے ہوئی اللہ تعالیٰ نے انہیں بتایا کہ ان سے کس طرح ملنا ہے: اگر یہ ان سے وفاداری کا وعدہ کریں اور مسلمانوں کے طرزِ زندگی کو اپنا لیں تو ان سے اچھا سلوک کیا جائے۔ اور اگر وہ اللہ کے قانون کے خلاف بغاوت کریں، اسلام قبول نہ کریں اور بُرے کام کریں تو پھر ذوالقرنینؑ کو اجازت ہے کہ وہ بھی ان سے اسی کے مطابق سلوک کریں۔

ذوالقرنینؑ کا جواب تو قانون کے مطابق ہوگا۔ جو لوگ اچھے کام کریں گے ان سے جواباً اچھا سلوک کیا جائے گا اور جو بُرائی کا انتخاب کریں اور بغاوت پر اُتر آئیں' ان سے وہی سلوک کیا جائے جس کے وہ مستحق بنتے ہیں۔ چونکہ صرف ایک منصف کو ہی یہ اختیار حاصل ہے کہ مناسب جواب دے' اس لیے ہم اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ

ذوالقرنینؑ اپنی قوم کے رہنما ہونے کے علاوہ ایک مُنصف کے اختیارات بھی رکھتے تھے۔ مروجہ قانون کے مطابق وہ قید، گرفتاری اور دیگر سزائیں دینے کے مجاز تھے۔

اس آیت سے جو معانی نکلتے ہیں وہ یہ ہیں کہ ذوالقرنینؑ کی قوم کو ایک ایسے حکمران ملے تھے جو اس ملک کے حاکم اور قانونی نظام میں ایک منصف کے اختیارات بھی رکھتے تھے۔

اگر کوئی فرد یا کچھ لوگ بغاوت یا حملہ کر دیں تو وہ قوم اپنی پوری طاقت سے اپنا دفاع کرے گی۔ یہ الفاظ کہ ”آپ انہیں سزا دے سکتے ہیں“ یہ معانی دیتے ہیں کہ قوم کو اپنا دفاع کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ ہم جب سزا کی ان اقسام پر بات کر رہے ہیں تو کیوں نہ ذوالقرنینؑ سیکورٹی اور فوجی طاقت کا ذکر بھی کر دیں۔

سکالروں نے لفظ ”چشمے“ کی مختلف طریقوں سے تشریح کی ہے۔ ان میں سے ایک کے خیال میں ذوالقرنینؑ نے کسی ”مقصد“ کی خاطر خلاء میں سفر کیا اور سُورج کو ایک روزنِ سیاہ میں گرتے دیکھا۔ ٹوٹتے ہوئے ستارے اپنے اندر جب ٹوٹتے ہیں تو کوئی سیاہ روزن بن جاتے ہیں۔ ان ستاروں کے مادے کی کثافت ڈرامائی شکل میں بڑھتی جاتی ہے۔ وہ ستارے جن کا حجم ہمارے سُورج سے تین گنا زیادہ ہے سکڑ کر چند کلومیٹر قُطر یا موٹائی میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ ان کی کششِ ثقل اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ وہ روشنی، آواز اور یہاں تک کہ وقت کو نگل جاتے ہیں۔ ان کی کششِ ثقل دوسرے ستاروں میں کھچ کر آ جاتی ہے اور پھر ہر اس ستارے کی کششِ ثقل میں حسب تناسب اضافہ ہو جاتا ہے جسے وہ نگلتے ہیں۔

وہ چونکہ ہر اس شے کو نگل لیتے ہیں جو ان کی کشش ثقل کی زد میں آتی ہے اس لیے انہیں ”سیاہ دلدل“ سمجھا جاتا ہے۔ یہ چونکہ روشنی کو منعکس نہیں کرتے اس لیے انہیں ”سیاہ روزن“ کہا جاتا ہے۔

”ذوالقرنینؑ نے کہا جس نے ظلم (کفر وفسق) کیا تو ہم ضرور اسے سزا دیں گے پھر اُسے لوٹا دیا جائے گا اس کے ربّ کی طرف تو وہ اسے عذاب دے گا بڑا ہی سخت عذاب۔“ (الکھف۔18:87)

اس آیت میں دی گئی تفصیل سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ ذوالقرنینؑ ایک مسلمان رہنما

تھے اور اس مسلم قوم پر حکومت کرتے تھے۔ وہ جب اپنی قوم سے مخاطب ہوئے تو اسے اللہ اور آخرت کی یاددہانی کرائی۔ ان کا طرزِ تخاطب ایک مسلمان کا طرزِ تخاطب تھا۔ ذوالقرنینؑ نے اس بات کو واضح طور پر بیان فرمایا کہ غلط کاروں کو اس وقت کے قانون کے مطابق سزا دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ کفار کو اس دنیا میں عذاب دے گا مگر یہ تو ان کی سزا کا ایک حصہ ہوگا کیونکہ ہمارا پروردگار فرماتا ہے: ”.......... اور آخرت کا عذاب تو بہت بڑا ہے کاش! یہ لوگ (اس حقیقت کو) جانتے۔“ (القلم۔68:33)

ہر وہ شخص جو اللہ کی ہستی اور آخرت سے انکار کرتا ہے اور جو قرآن میں دیئے گئے اللہ کے احکامات سے انکار کرتا ہے انہیں اس دُنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی وہی عذاب ملے گا جس کے وہ مستحق ہوں گے۔ تاریخ گواہ ہے کہ بہت سی اقوام کو اس دنیا کی زندگی میں سخت عذاب سے گزارا گیا کیونکہ انہوں نے اللہ کے پیغمبر کی دعوتِ ایمان کو مسترد کر دیا تھا۔ وہ آیات جن میں ان اقوام کی تباہی کا ذکر ہے ان میں آخرت کے اس عذاب کے بارے میں بھی بتایا گیا ہے کہ وہ اس سے بھی زیادہ بُرا ہوگا اور لوگوں کو اس کے بارے میں زیادہ ڈرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”پس ہم نے بھیج دی ان پر سخت ٹھنڈی تند ہوا منحوس دنوں میں تاکہ ہم انہیں چکھائیں ذلت آمیز عذاب اس دنیوی زندگی میں اور آخرت کا عذاب تو بہت زیادہ رسوا کن ہوگا اور ان کی ہرگز مدد نہ کی جائے گی۔“ (حٰم السجدہ۔41:16)

”اور یوں ہی ہم بدلہ دیں گے ہر اس شخص کو جس نے حد سے تجاوز کیا اور نہ ایمان لایا اپنے ربّ کی آیتوں پر اور (سن لو) آخرت کا عذاب بڑا سخت اور بہت دیرپا ہے“۔ (طٰہٰ۔21:127)

کفار کا وہ عذاب جو جہنم میں ان کا منتظر ہے اسے ”خوفناک“ کہا گیا ہے۔ قرآن میں کئی مقامات پر ہمیں بتایا گیا ہے کہ یہ عذاب دنیا کے عذاب سے کئی گنا زیادہ تکلیف دہ اور شدید ہوگا۔ اس لیے لوگوں کو چاہیے کہ اس دنیا کی مشکلات کے بارے میں فکرمند ہونے سے پہلے آخرت کے عذاب سے ڈریں۔ اس لیے کہ یہی خوف اور ڈر انہیں توبہ پر مجبور کرے گا، وہ اللہ کا انکار کرنے سے باز آ جائیں گے اور اس کے حضور سرِ تسلیم خم کر دیں گے۔

"اور جو شخص ایمان لایا اور اچھے عمل کیے تو اس کے لیے اچھا معاوضہ ہے اور ہم اسے حکم دیں گے ایسے احکام بجا لانے کا جو آسان ہوں گے۔"
(الکھف۔18:88)

اس آیت سے ہمیں معلوم ہوا کہ ذوالقرنینؑ صرف اپنی قوم کے رہنما اور منصف ہی نہیں بلکہ وہ ایک ایسے مبلّغ ہیں جو لوگوں کو دعوت دین بھی دیتے ہیں۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ کی خوشنودی کے مطابق تعلیم دیتے اور ان پر حکومت کرتے ہیں۔

حضرت ذوالقرنینؑ جن لوگوں سے ملتے ہیں انہیں فوراً دعوت ایمان دیتے ہیں اور انہیں قرآن پاک میں بتائے گئے نیک کاموں کی تلقین کرتے ہیں وہ انہیں نماز اور عبادت کی طرف بُلاتے ہیں۔ اس سب کے بدلے میں ان لوگوں کو اس دنیا میں اور آخرت میں ملنے والے انعامات کے بارے میں مژدہ سناتے ہیں' جن کا ان سے اللہ نے وعدہ فرمایا ہے ۔ ہر پیغمبر ایسی ہی دعوت اپنی قوم کو دیا کرتے ہیں۔ پیغمبروں نے لوگوں کی رہنمائی فرمائی اور ان کے ضمیر کو جھنجھوڑنے کے لیے مختلف طریقے اپنائے۔

اس آیت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ لوگوں کی طرف سے جوابات جو بھی ہوں مومنوں کو چاہیے کہ وہ عزم صمیم کا اظہار کریں اور اللہ کے اس حکم کی تعمیل کریں کہ "نیکی کا حکم دیں اور بُرائی سے بچنے کی تلقین کریں"۔ سچے ایمان والوں کی یہ ایک اہم ذمہ داری ہے جیسا کہ یہ پیغمبروں کی ہوتی تھی۔ اس بارے میں درج ذیل آیت میں یوں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

"ضرور ہونی چاہیے تم میں ایک جماعت جو بُلایا کرے نیکی کی طرف اور حکم دیا کرے بھلائی کا اور روکا کرے بدی سے اور یہی لوگ کامیاب وکامران ہیں۔"
(آلِ عمران۔ 3:104)

"جو بھی نیک کام کرے مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اسے عطا کریں گے ایک پاکیزہ زندگی اور ہم ضرور دیں گے انہیں ان کا اجر ان کے اچھے (اور مفید) کاموں کے عوض جو وہ کیا کرتے تھے۔"
(النحل۔ 16:97)

یہاں ایک اور اہم بات یہ بتائی گئی ہے کہ مسلمانوں کے لیے چیزوں کو آسان بناؤ اور مختلف معاملات کو ان کے لیے پیچیدہ نہ بناؤ۔ اچھے لوگوں کے لیے ان کے کاموں، فیصلوں اور روزمرہ معاملات کے لیے چیزوں کو آسان، آرام دہ اور خوشگوار بنائیے۔ اس بارے میں ہمارا پروردگار اہلِ ایمان کو اس طرح یاددہانی کرتا ہے : "......اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تمہارے لیے سہولت اور نہیں چاہتا تمہارے لیے دُشواری......" (البقرہ۔2:185)

اور "اور بیشک ہم نے آسان کردیا ہے قرآن کو نصیحت پذیری کے لیے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟" (القمر۔54:17)۔ چنانچہ مومنوں کو ضرور یہ معلوم ہونا چاہیے کہ آسان تر راستے کا انتخاب قرآن کا بتایا ہوا راستہ ہے اور ان کے ذہن سے اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ کبھی محو نہ ہونا چاہیے: "اور ہم سہل بنا دیں گے آپ کے لیے اِس آسان (شریعت) پر عمل" (الاعلیٰ:87:8)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"اور (سرتوڑ) کوشش کرو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جس طرح کوشش کرنے کا حق ہے۔ اس نے چن لیا ہے تمہیں (حق کی پاسبانی اور اشاعت کے لیے) اور نہیں روا رکھی اس نے تم پر دین کے معاملے میں کوئی تنگی۔ پیروی کرو اپنے باپ ابراہیم کے دین کی۔ اسی نے تمہارا نام مُسلم (سراطاعت خم کرنے والا) رکھا ہے۔ اس سے پہلے اور اس قرآن میں بھی تمہارا یہی نام ہے تاکہ ہو جائے رسول (کریم) گواہ تم پر اور تم گواہ ہو جاؤ لوگوں پر۔ پس (اے دین حق کے علمبردارو!) صحیح صحیح ادا کیا کرو نماز اور دیا کرو زکوٰۃ اور مضبوط پکڑ لو اللہ تعالیٰ (کے دامنِ رحمت) کو وہی تمہارا کارساز ہے، پس وہ بہترین کارساز ہے اور بہترین مددفرمانے والا ہے۔" (الحج۔22:78)

"پھر وہ روانہ ہوا دوسرے راستے پر یہاں تک کہ جب وہ پہنچا طلوع آفتاب کے مقام پر تو اس نے پایا سُورج کو کہ وہ طلوع ہو رہا ہے ایسی قوم پر کہ نہیں بنائی ہم نے ان کے لیے سُورج (کی گرمی) سے بچنے کی آڑ۔ بات یوں ہی ہے اور ہم نے احاطہ کر رکھا ہے ہر اس چیز کا جو اس کے پاس تھی اپنے علم سے۔" (الکھف۔ 18:89-91)

دوسری بار جب حضرت ذوالقرنینؑ روانہ ہوئے تو مشرق کی سمت گئے۔ اس آیت کی روشنی میں جونقشہ بنتا ہے اس کے مطابق وہ کوریا، چین یا منچوریا (شمالی چین) تک جا سکتے تھے۔ اس آیت میں جب یہ ذکر آتا ہے کہ ''ہم نے اس قوم کے لیے گرمی سے بچنے کی آڑ نہیں بنائی تھی'' تو یہاں عربی لفظ ''ستر'' استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں ڈھانپنا، چھپانا''۔ اس کا مادہ ہے ''سترہ'' پس اس آیت کے سیاق و سباق میں اس کے معانی ہیں ''لباس جو کپڑوں کی شکل میں ہو یا ایک عمارت''۔

چنانچہ ہم یہ مطلب اخذ کر سکتے ہیں کہ یہ لوگ مکانوں میں نہیں رہتے تھے بلکہ کھلی وسیع زمین پرزندگی بسر کرتے تھے۔ ان کے پاس پناہ لینے کی کوئی شے یا چھتری کی قسم کی چیز نہ تھی۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ لوگ خانہ بدوش ہوں یا وہ لوگ ہوں جو رات کو کام کرتے ہوں اور دن میں زیرزمین پناہ گاہ میں چلے جاتے ہوں یا پھر نہ اِن لوگوں کا کوئی لباس ہو نہ تہذیب وتمدن۔

عمر نصوحی بلمن اس آیت کی تشریح یوں کرتا ہے:

> ''ذوالقرنینؑ اس سفر میں طلوع آفتاب کے مقام پر پہنچے تھے۔ سُورج سے بچنے کے لیے ان لوگوں کے پاس کپڑوں کی قسم کی کوئی شے نہ تھی، نہ کوئی عمارت یا پہاڑ تھا جس میں یہ پناہ لے سکتے۔ جب سُورج طلوع ہوتا تو یہ لوگ یا تو سمندر میں چلے جاتے یا زیرزمین کسی کھوکھلی جگہ میں اور غروب آفتاب کے بعد باہرنکل کر کام کرنے لگتے تھے۔''

سورۃ الکھف کی آیت: 91 میں ذوالقرنینؑ کے علم کا ذکر ہے کہ وہ چیزوں کی گہرائی تک کا علم رکھتے تھے۔ عربی میں اس کے لیے لفظ ''خبر'' ہے جس کے معانی ہیں حقیقت وسچائی سے پوری طرح واقف ہونا۔

یہ وہ علم ہے جو اللہ صرف اپنے چند منتخب بندوں کو عطا کرتا ہے۔ جیسا کہ اوپر سورۃ الکھف کی آیت: 68 میں بیان فرمایا گیا ہے کہ حضرت ذوالقرنینؑ کو بھی اسی خاص علم سے نوازا گیا تھا۔

> ''.....وہ طلوع آفتاب کے مقام پر پہنچا.....''(سورۃ الکھف۔18:90)

> ''پھر وہ روانہ ہوا ایک اور راہ پر یہاں تک کہ جب وہ پہنچا دو پہاڑوں کے درمیان تو پایا اس نے ان پہاڑوں کے پیچھے ایک قوم کو جونہیں سمجھ سکتے تھے (ان کی) کوئی بات''۔ (الکھف۔ 93-8:92)

جب حضرت ذوالقرنینؑ تیسری بار سفر پر روانہ ہوئے تو آپ مشرق و مغرب کے درمیان کے ایک علاقے میں پہنچتے ہیں۔ یہ علاقہ کوہ ہمالیہ میں ہوسکتا ہے۔ بدیع الزمان سعید نرصی نے بھی اس علاقے کا ذکر اس طرح کیا ہے:

> ''دیوار چین کئی دنوں کے سفر کے بعد ختم ہوتی ہے اور یہ دیوار چین اور انڈیا کے مظلوم لوگوں کو وحشی قبائل کے حملوں سے بچانے کے لیے تعمیر کی گئی تھی۔ ان قبائل نے بارہا دنیا میں بنی نوع انسان کو پریشان کیا اور مشرق سے مغرب تک تباہی پھیلائی۔ کوہ ہمالیہ کے قریب دو پہاڑوں کے درمیان ایک لمبی دیوار تعمیر کی گئی تھی جس نے ایک طویل مدت تک ان وحشی لوگوں کے آئے دن کے حملوں سے بچایا تھا......'' بدیع الزمان کے خیال میں یہ دو پہاڑ ایک پہاڑی سلسلہ بھی ہوسکتا تھا۔

اس آیت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جن لوگوں سے حضرت ذوالقرنینؑ کا آمنا سامنا ہوا وہ ان باتوں کونہیں سمجھتے تھے جو ان سے کہی جاتی تھیں۔ اس سے یہ مطلب بھی نکلتا ہے کہ یہ لوگ کوئی مختلف زبان بولتے تھے۔

حضرت ذوالقرنینؑ اپنے اس خاص علم کی وجہ سے جو اللہ نے انہیں عطا کیا تھا یا تو ان کی زبان میں بات کر سکتے تھے یا ان کے ہمراہ کوئی ایسا شخص تھا جو وہ خاص زبان جانتا تھا۔

اس آیت سے یہ تاثر بھی لیا جا سکتا ہے کہ ان کے ہمراہ ایسے افراد کا ایک خاص گروہ تھا جو ایسے معاملات کے ماہرین تھے۔

ان آیات سے ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ حضرت ذوالقرنینؑ جہاں کہیں بھی گئے انہیں غریب، ضرورت مند اور کمزور لوگ ملے۔ وہ لوگ جو مشرق میں ملے تھے وہ سُورج کی گرم کرنوں سے اپنی حفاظت نہ کر سکتے تھے۔ جو لوگ پہاڑوں کے درمیان ان سے ملے وہ تہذیب وتمدن کے حوالے سے، ٹیکنالوجی کے حوالے سے بے علم تھے اور خارجی دشمنوں سے اپنا دفاع بھی نہ کر سکتے تھے۔ یوں انہیں طوائف الملوکی کے خطرے کا سامنا بھی رہتا

تھا۔ حضرت ذوالقرنینؑ سے ان لوگوں کی ملاقات کا انہیں سب سے بڑا فائدہ یہ تھا کہ آپ ان کی غُربت، جہالت اور حالت انتشار و بدنظمی میں مدد فرما سکتے تھے۔ یہ وہ اہم عناصر ہیں جو اس وقت کی صورت حال کو سمجھنے میں ہماری مدد کرتے ہیں۔

''..........یہاں تک کہ جب ہموار کر دیا گیا وہ خلاء جو دو پہاڑوں کے درمیان تھا تو اس نے حکم دیا ''دھونکو''......'' (الکھف۔18:96)

''انہوں نے کہا اے ذوالقرنینؑ! یاجوج اور ماجوج نے بڑا فساد برپا کر رکھا ہے اس علاقے میں تو کیا ہم مقرر کر دیں آپ کے لیے کچھ خراج تاکہ آپ بنا دیں ہمارے درمیان اور ان کے درمیان بلند دیوار؟'' (الکھف۔18:94)

''یاجوج'' اور ''ماجوج'' الفاظ کے ذریعے سے جن کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ کسی دوسری زبان سے عربی میں متعارف کرائے گئے ہیں، ہمیں ان لوگوں کے متعلق معلوم ہوا جو زمین پر فساد پھیلا رہے ہیں۔ سکالروں نے اس حوالے سے جو تشریحات کی ہیں ان کے مطابق یہ لوگ ایک یا ایک سے زیادہ ظالم قوموں کے تھے جو اس علاقے کے لوگوں پر ظلم کرتے اور انہیں ستاتے تھے۔

چنانچہ ان مظلوم لوگوں نے حضرت ذوالقرنینؑ سے مدد چاہی تھی۔ اور اس کے عوض انہیں ٹیکس ادا کرنے کی پیشکش کی۔ اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ وہ ایک واحد انسان کی نمائندگی نہیں کرتے تھے بلکہ وہ ایک قوم پر حکومت کرتے تھے اور ان کی فوج بھی تھی حضرت سلیمانؑ کی طرح۔

گذشتہ آیات سے ہمیں پتا چلتا ہے کہ ان کے پاس ماہرین لسانیات کی ایک ٹیم تھی۔ تاہم اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ذوالقرنینؑ کے پاس ماہرین تعمیرات اور سِول انجینئرز بھی تھے۔لوگوں نے ان سے جو التماس کیا اس سے ہم یہ نتیجہ بھی اخذ کرتے ہیں کہ ذوالقرنینؑ تعمیرات اور سول انجینئرنگ میں دلچسپی بھی رکھتے تھے اور اس کا علم بھی رکھتے تھے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ ان شعبوں میں شہرت بھی رکھتے ہوں اور دوسری قوموں کی درخواست پر ان کی مدد بھی کرتے ہوں۔ ان سب باتوں سے ان کی قوم کی تعداد اور قوت کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت ذوالقرنینؑ اس حوالے سے بھی شہرت رکھتے ہیں کہ آپ لوگوں کو بُرائی سے بچنے کی تلقین فرماتے تھے۔ اسی لیے وہ قومیں جو مشکل میں ہوتی تھیں اور جنہیں بیرونی خطرات کا خدشہ ہوتا تھا وہ آپ سے مدد کی درخواست کیا کرتی تھیں۔ یوں وہ علاقے میں امن و امان قائم رکھتے تھے اور ہمسایہ اقوام ان سے اس لیے بھی مدد مانگتی تھیں کہ آپ کے پاس ایک اچھی فوج تھی اور آپ کو اللہ نے یہ صلاحیت دی تھی کہ آپ بُرائیوں کا خاتمہ کر سکیں۔ جب ہم یہ حقیقت دیکھتے ہیں کہ ایک قوم کسی دوسرے سے مدد مانگتی ہے تو پتا چلتا ہے کہ وہ خود اپنے مسائل حل نہیں کرسکتی اور جس سے مدد کی درخواست کی گئی ہے وہ انہیں حل کر سکتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں مدد کرنے والی قوم طاقتور ہوتی ہے اور اس نے اپنا ایک مقام منوا لیا ہوتا ہے۔

حضرت ذوالقرنینؑ کی مشرق و مغرب میں ایک خاص عزت تھی جس سے معلوم ہوا کہ وہ ایک بہت طاقتور قوم پر حکومت کرتے تھے۔ وہ ایک ایسے رہنما تھے جو اپنی ذمہ داری سے باخبر تھے اور جانتے تھے کہ امن و امان، عدل و انصاف اور سلامتی نہ صرف اپنی قوم کو دینی ہے بلکہ پورے خطے کے ہر حصے کے لوگوں کو بھی۔

اس قصے سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ حضرت ذوالقرنینؑ ایک مسلم حکمران تھے اور کئی ممالک ان کی حکومت میں شامل تھے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ عدل و انصاف، امن و سلامتی کے لیے کام کرے۔ دنیا کو جو مسائل درپیش ہیں انہیں حل کرنے کے لیے ہر ملک کو دلچسپی لینی چاہیے اور جن قوموں کو مالی مشکلات درپیش ہیں یا کوئی اور ضرورت ہے ان کی مدد کرنی چاہیے۔

حضرت ذوالقرنینؑ کے قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ قربِ آخرت کے دنوں میں دنیا میں اسلامی اقتدار کی اسی طرح حکمرانی ہوگی جس طرح ان کے عہد حکومت میں تھی۔

''وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے تم میں سے اور نیک عمل کیے کہ وہ ضرور خلیفہ بنائے گا انہیں زمین میں جس طرح اس نے خلیفہ بنایا ان کو جو ان سے پہلے تھے اور مستحکم کر دے گا ان کے لیے ان کے دین کو جسے اس نے پسند فرمایا ہے ان کے لیے اور وہ ضرور بدل دے گا ان کی حالتِ

خوف کو امن سے۔ وہ میری عبادت کرتے ہیں کسی کو میرا شریک نہیں بناتے اور جس نے ناشکری کی اس کے بعد تو وہی لوگ نافرمان ہیں۔" (النور۔24:55)

"وہ بولا وہ دولت جس میں میرے ربّ نے مجھے اختیار دیا ہے وہ بہتر ہے پس تم میری مدد کرو جسمانی مشقت سے میں بنا دوں گا تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط آڑ۔" (الکھف۔18:95)

یہ آیت حضرت ذوالقرنینؑ کی طاقت کے مستحکم ہونے کے بارے میں بھی بتاتی ہے ان کی قوم اتنی کمزور بھی نہیں کہ آسانی کے ساتھ شکست کھا جائے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ بہت مضبوط ہے اور یہ اپنی قوم کے علاوہ دوسری ضرورت مند اقوام کی مدد بھی کرتی ہے۔ یہ اللہ کے فضل و کرم سے ناقابلِ تسخیر نظر آتی ہے اور اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے کسی اندرونی یا بیرونی دباؤ کا سامنا نہیں نہ کسی مخالفت کا سامنا ہے۔ ان کی حکومت اس قدر مستحکم ہے کہ کوئی تصادم، بغاوت اسے متزلزل نہیں کر سکتی۔ حضرت ذوالقرنینؑ اپنی مدد کے عوض کسی سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتے تھے۔ قرآن پاک میں پیغمبروں کے کردار کے بارے میں اور بھی بہت سی مثالیں دی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر حضرت سلیمانؑ نے ان تحائف کو مسترد کر دیا تھا جو انہیں بھیجے گئے تھے:

"اور میں (ملکہ سبا) بھیجتی ہوں ان کی طرف ایک تحفہ پھر دیکھوں گی کہ قاصد کیا جواب لے کر لوٹتے ہیں۔ سو جب قاصد آپ کے پاس (ہدیہ لے کر) آیا تو آپ نے فرمایا کیا تم لوگ مال سے میری مدد کرنا چاہتے ہو (سنو!) جو عطا فرمایا ہے مجھے اللہ تعالیٰ نے وہ بہتر ہے اس سے جو تمہیں دیا ہے بلکہ تم اپنے ہدیہ پر پھولے نہیں سما رہے (گویا کوئی بڑی نادر چیز لائے ہو)" (النمل۔36-27:35)

حضرت سلیمانؑ اور حضرت ذوالقرنینؑ نے مادی تحائف کیوں واپس کیے اس کی کئی وجوہ ہو سکتی ہیں۔ شاید انہوں نے ایسا اس لیے کیا کہ ان تحائف کو قبول کرنے کا نتیجہ منفی ہوگا مثلاً تحائف بھیجنے والوں کی فرمانبرداری میں فرق آ جائے اور جنہیں تحائف بھیجے گئے ہیں ان کے احترام میں ان کے دلوں میں فرق آ جائے۔ لوگوں میں اس قسم کا نفسیاتی رویہ

پایا جاتا ہے۔ یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ ان معاملات میں اس طرح کی صورت حال کے وقت کوئی تحفہ، انعام یا فیس قبول نہ کرنا ہی زیادہ اچھا رہتا ہے۔ بلاشبہ اس قسم کے رویے سے جن کی مدد کی گئی ہو ان کے دلوں میں موجود محبت میں اضافہ ہوتا ہے اور ان کی وفاداری بھی بڑھ جاتی ہے اس کے علاوہ حضرت ذوالقرنینؑ بھی حضرت سلیمانؑ کی طرح ایک امیر قوم کے رہنما تھے جنہیں کسی بھی مدد کے لیے کسی معاوضے یا تحفے کی توقع نہیں ہوتی۔

بلقیس سبا کی ملکہ تھی، جو اس زمانے میں ایک طاقتور قوم تھی۔ قرآن پاک سے ہمیں معلوم ہوا کہ حضرت سلیمانؑ نے اس کے تحائف قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

تاہم حضرت ذوالقرنینؑ مزدوروں سے مدد ضرور حاصل کر لیتے تھے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے آپ مقامی لوگوں کو کام اور ذمہ داریاں سونپا کرتے تھے۔ اس طرح وہ ان لوگوں کو فن اور سائنس سکھاتے تھے اور ثقافت و ٹیکنالوجی میں ترقی کرنے کے لیے ان کی مدد کرتے تھے۔ وہ بیروزگار لوگوں سے بھی فائدہ اٹھاتے تھے۔ اپنی قوم کے دفاع میں وہ اپنے نئے ملازمین کو مفید بنا کر قوم کی دولت بچا لیتے تھے۔ بیشک اس طرح کا رشتہ و تعلق جس کی بنیاد عدل، احترام اور دیانتداری پر ہو باہمی اعتماد کو مضبوط بناتا اور لوگوں کا تعاون حاصل کرتا ہے۔

اس قسم کے رویے کے بہت سے مثبت پہلو ہوتے ہیں جن میں لوگوں کی تعلیم اور ہنر مند لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے اور کاہلی و سستی اور جمود سے دامن بچا کر لوگوں میں اپنی کوششوں سے کامیابی حاصل کرنے میں جوش و ولولہ پیدا کرتا ہے۔ اس سے قوم میں خود اعتمادی بڑھتی ہے اور وہ لوگ جو اپنی قوم کی بہتری کے لیے کام کرنا چاہتے ہیں ان میں بغاوت اور انقلابی خیالات پیدا نہیں ہوتے۔ اس کے نتیجے میں لوگوں پر حکومت کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ لوگ اپنے لوگوں سے مل جل کر زیادہ احسن طریقے سے کام کرتے ہیں یوں وہ اپنی قوم کی خدمت کر کے خوشی و مسرت محسوس کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ضروری نہیں کہ تمام لوگ اسی جذبے سے کام کر رہے ہوں اسے ذہن میں رکھتے ہوئے ہر فرد کے حقوق کی ضمانت دینی ہوتی ہے خواہ وہ اللہ کی خوشنودی کے حصول کے لیے کام کر رہا ہو۔ اس سے ہمیں حضرت ذوالقرنینؑ کی پالیسی کا اندازہ ہوتا ہے۔

اس آیت کے مطابق حضرت ذوالقرنینؑ نے ایک مضبوط دیوار تعمیر کرائی تھی جو ان لوگوں کے راستے میں رکاوٹ بن جاتی تھی جو دوسری طرف جانا چاہتے تھے۔ یہ اعلیٰ فن تعمیر اور ٹیکنالوجی کا ایک عمدہ نمونہ تھی۔ یہ بات بڑی اہم لگتی ہے کہ ہر عمارت بالخصوص پُل اس قدر مضبوط بنائے جائیں تا کہ وہ زلزلوں، سیلابوں، طوفانی بارشوں اور فوجی حملوں سے محفوظ رہ سکیں۔

"تم لے آؤ میرے پاس لوہے کی چادریں (چنانچہ کام شروع ہو گیا) یہاں تک کہ جب ہموار کردیا گیا وہ خلا جو دو پہاڑوں کے درمیان تھا تو اس نے حکم دیا دھونکو یہاں تک کہ جب وہ لوہا آگ بنا دیا گیا تو اس نے کہا لے آؤ میرے پاس پگھلا ہوا تانبا کہ میں اسے اس پگھلے ہوئے لوہے پر انڈیلوں۔"
(الکھف۔ 18:96)

اس آیت کے مطابق یہ دیوار کنکریٹ سے بنائی گئی ہوگی۔ اس قسم کی تعمیر آج کل تقریباً تمام عمارتوں اور بڑے بڑے ڈیموں کے بنانے میں استعمال ہوتی ہے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس دیوار میں حضرت ذوالقرنینؑ نے لوہے اور پگھلے ہوئے تانبے کا استعمال کیا تھا۔ لوہا عمارتی ساز و سامان میں سب سے مضبوط شمار ہوتا ہے جو پلوں اور ڈیموں کی تعمیر میں ایک اہم جزو کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ کسی عمارت کو مضبوط بنانے میں بہت کارآمد ثابت ہوتا ہے۔ اسے استعمال نہ کیا جائے تو کوئی بھی عمارت زمین بوس ہونے میں دیر نہیں لگاتی۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت ذوالقرنینؑ بڑی دیواریں بناتے وقت لوہے کے بلاک استعمال کرتے تھے اور اس میں سیمنٹ، ریت اور پانی کا مسالحہ بھی لگایا جاتا تھا۔ (اللہ ہی بہتر جانتا ہے)

عربی کے لفظ "قطر" کا ترجمہ "پگھلا ہوا تانبا" کیا گیا ہے جس کا ایک اور مطلب "تارکول" بھی ہے جسے لوہے کو نمی اور سمندری پانی سے بچانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ حضرت ذوالقرنینؑ نے ہوسکتا ہے تارکول کو اس تعمیراتی ڈھانچے میں استعمال ہونے والے لوہے کو زنگ سے بچانے کے لیے استعمال کیا ہو۔ ایسے طریقے جدید کنکریٹ کی عمارتوں کی تعمیر میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔

اسے زیادہ مضبوط بنانے کے لیے بجری، ریت، چونا اور پانی کو ملا کر استعمال کیا جاتا ہے۔ عموماً جب تارکول کو ریت اور چونے کے ساتھ ملایا جاتا ہے تو اس کے اندر سوراخ آسانی سے کیا جا سکتا ہے لیکن لوہے کے استعمال سے اسے اس قدر مضبوط بنا دیا جاتا ہے کہ پھر اسے تباہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اگر اللہ نہ چاہے تو اس قسم کی عمارت، دیوار یا پُل کو مسمار کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ ممکن ہے حضرت ذوالقرنینؑ نے دیوار تعمیر کراتے وقت یہی طریقے استعمال کیے ہوں جو آج ڈیموں کی تعمیر میں استعمال ہوتے ہیں۔

"سو یاجوج ماجوج بڑی کوشش کے باوجود اُسے سر نہ کرسکے اور نہ ہی اس میں سوراخ کر سکے۔ ذوالقرنینؑ نے کہا یہ میرے ربّ کی رحمت ہے (کہ اس نے مجھے یہ توفیق بخشی) اور جب آ جائے گا میرے ربّ کا وعدہ تو وہ اسے ریزہ ریزہ کر دے گا اور میرے ربّ کا وعدہ (ہمیشہ) سچا ہوا کرتا ہے۔"
(الکھف۔ 18:97-98)

پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ یہ مضبوط آڑ ناقابل تسخیر ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ یہ کافی بلند تعمیر تھی اور یہ حقیقت کہ اسے توڑا نہ جا سکتا تھا' بتاتی ہے کہ یہ تعمیراتی طور پر بے حد مضبوط تھی۔ یہ سارے حقائق ظاہر کرتے ہیں کہ اسے کنکریٹ لوہے سے یوں بنایا گیا تھا جس طرح آج ہمارے گرد ونواح میں مضبوط عمارتیں تعمیر کی جاتی ہیں۔

آیت: 98 کے مطابق حضرت ذوالقرنینؑ کو اسے مکمل کرنے کے بعد جو پہلی بات یاد آئی وہ اللہ کی عظمت اور صفتِ رحیمی ہے۔ وہ جانتے تھے کہ اللہ اگر نہ چاہتا تو اسے کوئی بھی تعمیر نہ کرسکتا تھا۔ انہیں فوراً یہ بھی خیال آیا کہ ہمارا ربّ ہی اس کا حقیقی بنانے والا تھا۔ چنانچہ انہوں نے لوگوں کو منع فرمایا کہ وہ ہرگز یہ نہ سمجھیں کہ یہ ان کی ذاتی کامیابی ہے یا ان کا کمال ہے۔

سورۃ الکھف کی آیت: 98 سے یہ حقیقت بھی کھلتی ہے کہ یہ دیوار روز قیامت تک موجود رہے گی۔ لفظ "وعدہ" اس روز کے لیے استعمال ہوا ہے جیسا کہ اس کے بعد کی آیت میں بھی آیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کی اس روز تک حفاظت کی جائے گی۔

یہ ہوسکتا ہے کہ اس دیوار کا صحیح محل وقوع معلوم ہو جائے یا نہ معلوم ہوسکے کیونکہ اسکا علم تو اللہ کو ہے مگر اہم بات یہ ہے کہ اسے روز قیامت تک کوئی تباہ نہیں کرسکتا کیونکہ

اس روز تو پھر ہر شے تباہ کردی جائے گی۔ بہت سی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ پہاڑ روئی کے گالوں کی مانند اُڑنے لگیں گے اور زمین پر کچھ نہ بچے گا۔

ان میں سے چند ایک آیات درج ذیل ہیں:

''اور (غور کرو) جس روز ہم ہٹا دیں گے پہاڑوں کو (ان کی جگہ سے) اور تم دیکھو گے زمین کو کہ کھلا میدان ہے.........'' (الکہف۔ 18:47)

''اور جب زمین پھیلا دی جائے گی اور باہر پھینک دے گی جو کچھ اس کے اندر ہے اور خالی ہو جائے گی اور کان لگا کر سنے گی اپنے ربّ کا فرمان اور اس پر فرض بھی یہی ہے''۔ (الانشقاق۔ 84:3-5)

''اور وہ آپ سے پہاڑوں کے انجام کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ فرمایئے میرا ربّ انہیں جڑوں سے اکھیڑ کر پھینک دے گا۔ پس بنا چھوڑے گا اس پہاڑی علاقے کو کھلا ہموار میدان نہ نظر آئے گا تجھے اس میں کوئی موڑ اور نہ کوئی ٹیلہ''۔ (طٰہٰ۔ 20:105-107)

حضرت ذوالقرنینؑ کے قصے کی ایک اور امکانیت

ایک دوسرا امکان یہ بھی ہے کہ اس قصے میں جو واقعات بیان فرما گئے ہیں یہ مستقبل میں وقوع پذیر ہوں گے۔

اللہ کے نزدیک تو تمام وقت ایک ہی ہے۔ مستقبل، ماضی اور حال تینوں بیک وقت رو پذیر ہوتے ہیں۔ چند آیات میں روز قیامت کے کچھ واقعات، دوزخ اور جنت کا ذکر یوں فرمایا گیا ہے جیسے وہ پہلے وقوع پذیر ہو چکے ہیں۔ اس کی مثال درج ذیل آیات ہیں:

''اور پھونکا جائے گا صُور، پس غش کھا کر گر پڑے گا جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ بجز ان کے جنہیں اللہ چاہے گا (کہ بے ہوش نہ ہوں) پھر دوبارہ (جب) اس میں پھونکا جائے گا تو اچانک وہ کھڑے ہو کر (حیرت سے) دیکھنے لگ جائیں گے اور جگمگا اُٹھے گی زمین اپنے ربّ کے نُور سے اور رکھ دیا

جائے گا دفترِ عمل اور حاضر کیے جائیں گے انبیاء اور (دوسرے) گواہ اور فیصلہ کر دیا جائے گا ان کے درمیان انصاف سے اور اُن پر (رتی بھر) ظلم بھی نہیں کیا جائے گا۔'' (الزمر۔ 39:68-69)

اس آیت میں جن واقعات کا ذکر ہے انہیں اس طرح بیان کیا گیا ہے جیسے وہ پہلے وقوع پذیر ہو چکے ہیں۔ خواہ ہمارے لیے وہ مستقبل میں وقوع پذیر ہوں گے۔ اس لیے ممکن ہے کہ حضرت ذوالقرنینؑ کا قصہ مستقبل سے ہو اور ہمارے لیے اسے ماضی میں بیان فرمایا گیا ہے۔ سورۃ الکھف کی آیت: 84 میں ارشاد ہوتا ہے: ''اور ہم نے دیا تھا اسے ہر چیز تک رسائی حاصل کرنے کا سازو سامان''۔ اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت ذوالقرنینؑ مستقبل میں دنیا پر حکومت کریں گے۔

آج کی دنیا میں کسی طاقتور رہنما یا قوم کے پاس مواصلاتی ٹیکنالوجی اور روایتی قوت دونوں ہونی چاہئیں۔ ایک رہنما ان سب کی اکیلا نگرانی نہیں کرسکتا اس لیے ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ وہ کسی مرکزی دارالخلافائی شہر میں قیام کرے گا اور سٹیلائٹس اور مواصلات کے دوسرے ذرائع سے ان کو کنٹرول کرے گا۔ جیسا کہ آیت: 95 میں مذکور ہے ''وہ دولت جس میں میرے ربّ نے مجھے اختیار دیا ہے وہ بہتر ہے''۔ حضرت ذوالقرنینؑ کی طاقت کو غالباً ہر کوئی تسلیم کرتا ہے۔ اگر ہم اس قصے کو اس تناظر میں دیکھیں تو ہر آیت ایک مختلف پیغام دے رہی ہے۔ مثال کے طور پر حضرت ذوالقرنین پہلے مشرق کی طرف گئے اور پھر واپس آئے۔ ان آیات سے یہ مطلب بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ وہ مختلف علاقوں کے ساتھ مواصلاتی رابطہ بذریعہ سیٹلائٹس رکھتے ہیں۔ ان آیات میں مسلسل یہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت ذوالقرنینؑ کو ایک چشمے کے قریب کچھ لوگ ملے اور مشرق میں ایک ایسی قوم ملی جو ان کی زبان نہ سمجھتی تھی۔ ''پانے'' یا ''ملنے'' کا یہ عمل تلاش سے حاصل ہوتا ہے جس کا انحصار ممکن ہے سیٹلائٹس کے چینلوں پر ہو۔

سیٹلائٹ ٹیکنالوجی کی مدد سے ہم زمین کی صاف اور واضح تصویریں لے سکتے ہیں۔ جاسوس سیٹلائٹ بطور خاص ہر ملک پر قریب کی نظر رکھ سکتے ہیں۔ آیات سے معلوم ہوا کہ مشرق کے لوگوں کے پاس سُورج کی گرمی سے بچنے کے لیے کوئی پناہ گاہ نہ تھی۔ اگر

ہم ان معلومات کو مواصلاتی ٹیکنالوجی کی روشنی میں دیکھیں تو دو پیغامات ملتے ہیں۔ اوّل یہ کہ حضرت ذوالقرنینؑ بذریعہ سیٹلائٹس ان علاقوں کے بارے میں خفیہ معلومات اکٹھی کر رہے تھے۔ (اللہ ہی بہتر جانتا ہے) یا یہ کہ وہ ایسی زیریں سُرخ ٹیکنالوجی استعمال کر رہے تھے جو آج مختلف خطوں میں استعمال ہو رہی ہے۔ مثلاً زیریں سُرخ کیمرے جو طب، جرائم سے پیدا شدہ امراض، موسمیات، جرمیات، انٹیلی جنس، انڈسٹری اور دیگر شعبوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ ان کیمروں کی مدد سے انسانی جسم کے اندر بڑی وسعت اور گہرائی کے ساتھ دیکھا جا سکتا ہے۔

انسان زیریں سرخ ٹیکنالوجی کا شکر گزار ہے کہ اس کی مدد سے ہر قسم کے جرم میں موقعہ واردات پر استعمال ہونے والے ہتھیار کا آسانی سے سراغ لگایا جا سکتا ہے اور تاریکی میں کیے جانے والے جرائم کو بہت باریکی تک دیکھا جا سکتا ہے۔ بیماریوں کی تشخیص کرنے میں بھی اس حوالے سے بڑی پیشرفت ہو چکی ہے۔

اگر حضرت ذوالقرنینؑ نے قوم سے خطاب کرنا ہے تو وہ بذریعہ سیٹلائٹ کر سکتے ہوں گے اور ٹی وی نشریات کی مدد سے بھی۔ اس سے انہیں لوگوں کی ضروریات اور شکایات کا بھی علم ہو جاتا ہوگا بغیر کسی اس امتیاز کے کہ وہ رہتے کہاں تھے اور یوں ان علاقوں پر حکومت کرنے میں آسانی ہو جاتی ہوگی۔

یاجوج اور ماجوج کی بدعنوانی دہشت یا براج کا ایک اعلیٰ نمونہ ہوگا یا اس کا ارتکاب بھی نشریاتی ذرائع سے ہوتا ہوگا۔ مثال کے طور پر وہ دوسرے نشریاتی رابطوں کو اپنے بُرے خیالات سے تہہ و بالا کر دیتے ہوں گے۔ حضرت ذوالقرنینؑ نے اس دخل اندازی سے محفوظ رہنے کے انتظامات کیے ہوں گے۔ مثلاً انہوں نے اس تانبے اور لوہے کا استعمال کیا ہوگا جس کا ذکر آیت میں آیا ہے تاکہ ایک برقی مقناطیسی شعبہ تخلیق کر کے ریڈیو اور ٹی وی نشریات میں خلل ڈال سکیں۔ ایسے ٹرانسفارمر جو بل کھاتی تانبے کی تاروں سے لوہے کے مرکز کے گرد بنائے جاتے ہیں۔ برقی مقناطیسی شعبے کا ایک ذریعہ ہیں۔ ایک طاقتور برقی مقناطیسی شعبہ ریڈیو اور ٹی وی نشریات میں خلل ڈال سکتا ہے۔

ایک اور امکان یہ بھی ہے کہ ایک بڑی مواصلاتی سیٹلائٹ ڈش استعمال کی جاتی

ہو۔ اس کا سبب یہ ہو سکتا ہے تاکہ یاجوج اور ماجوج کے منتشر کرنے والے نظام میں خلل ڈالا جا سکے۔ ان ڈشوں کے بالائی پرت عموماً سستے اور ہلکے المونیم سے بنائے جاتے ہیں۔ یہ کارکردگی کے لحاظ سے عمدہ نہیں ہوتے۔ تانبا ایک بہتر موصل ہے اسی لیے اسے ترجیح دی جاتی ہے۔ تاہم اتنی بڑی ڈش کو تانبے کی چادروں سے ڈھانپنا موزوں نہیں سمجھا جاتا۔ اس کے برعکس اگر پگھلے ہوئے تانبے سے ڈش کو ڈھانپا جائے تو اس کی سطح زیادہ ملائم ہو جائے گی اور اس طرح اس کی کارکردگی بھی بہتر ہو جائے گی۔

دیوار یا آڑ جسے نشریات میں خلل ڈال کر یا برقی مقناطیسی شعبے کے ذریعے تخلیق کیا گیا ہو اسے ”نظروں سے اوجھل دیوار یا باڑ“ کہا جائے گا۔

کچھ سکالر آیت: 93 کے لفظ ”سدّ أ“ کو ”نظر آنے والی دیوار“ کے معنوں میں بھی پڑھتے ہیں اور ”نظر نہ آنے والی دیوار“ کے معنوں میں بھی۔ (اللہ ہی بہتر جانتا ہے)۔

آیت: 97 میں بیان فرمایا گیا ہے کہ ”سو وہ (یاجوج اور ماجوج) بڑی کوشش کے باوجود اسے سر نہ کر سکے اور نہ ہی اس میں سوراخ کر سکے۔“ یہ حوالہ یاجوج اور ماجوج کے مواصلاتی خلل کی طرف بھی ہو سکتا ہے۔ یہ ان مواصلاتی اسٹیشنوں کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے جو آج نشریاتی رابطوں میں خلل ڈال کر انہیں توڑ دیتے ہیں۔ جہاں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ وہ ان لوگوں کی زبان بہت کم سمجھتے تھے، وہاں درج بالا حوالے کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ جو اس سیٹلائٹ کے ذریعے نشریاتی زبان کو کچھ لوگ نہیں سمجھ رہے تھے۔ جب نشریات میں خلل آ جاتا ہے تو لوگ اسے نہیں سمجھ سکتے تاہم جب کوئی خلل نہ ہو اور نشریات معمول کے مطابق ہو تو لوگ اسے سمجھنے لگتے ہیں (اللہ ہی بہتر جانتا ہے)۔

آیت: 86 میں جہاں ”سیاہ کیچڑ“ جیسے الفاظ کا استعمال بھی بڑا دلچسپ ہے کیونکہ جب ٹی وی سکرین پر غروب آفتاب کا منظر دیکھا جائے تو یوں لگتا ہے جیسے سُورج کسی چشمے کے اندر غروب ہو رہا ہے۔ جب سُورج فاصلے پر سمندر کے اوپر غروب ہو رہا ہو تو سکرین پر رنگ بدل جاتے ہیں اور یہ سیاہی مائل بھورا ہو جاتا ہے۔ کچھ لوگوں کو سُورج سیاہ کیچڑ والے چشمے میں غروب ہوتا دکھائی دے گا۔

حضرت ذوالقرنینؑ کا مشرق و مغرب سے رابطے کے معانی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ

دنیا کے مختلف حصّوں سے ان کا رابطہ ہے۔ سُورج ایک حصّے سے طلوع ہوتا ہے تو دوسرے حصے میں غروب ہو جاتا ہے۔

''اور ہم واگزار کر دیں گے بعض کو اس دن کہ وہ (تند موجوں کی طرح) دوسروں میں گھس جائیں گے اور صُور پھونکا جائے گا تو ہم سب کو اکٹھا کر دیں گے اور ہم ظاہر کر دیں گے جہنم کو اس دن کفار کے لیے بالکل عیاں۔'' (الکھف۔18:99-100)

قرآن پاک میں آیا ہے کہ پوری کائنات جس میں انسان، جانور، پودے، ستارے غرض ہر وہ شے شامل ہے جسے تخلیق کیا گیا ہے ایک روز ختم ہو جائے گی۔ قرآن میں اس روز کو یوں فرمایا گیا ہے: ''جس دن لوگ (جواب دہی کے لیے) کھڑے ہوں گے پروردگار عالم کے سامنے'' (المطففین۔83:6)

یہ بڑا خوفناک دن ہوگا۔ جو اللہ پر ایمان لائے تھے اس روز پہلی بار اللہ کی عظمت اور قوت کو محسوس کریں گے۔ کفار کے لیے یہ دن بڑے عذاب، دہشت، افسوس، پچھتاوے، دکھ اور حیرت و استعجاب کا دن ہوگا۔ اس روز ہر شخص ایک ایسا خوف اور ڈر محسوس کر رہا ہوگا جو اس نے دُنیا میں کبھی محسوس نہ کیا تھا۔

اس گھڑی کی ابتداء صور کے پھونکے جانے کے ساتھ ہوگی جو اس کائنات کے خاتمے کا آغاز ہوگا۔ یہ آواز دنیاوی زندگی کے خاتمے کی آواز ہوگی اور اُخروی حقیقی زندگی کی ابتداء کی آواز ہوگی۔ اس آواز کے سنتے ہی کفار کے خوف، دہشت، عذاب اور ایسی سراسیمگی کا آغاز ہوگا جو دائمی ہوگی۔ کفار کے لیے یہ دن کیسا ہوگا اس بارے میں قرآن پاک میں یوں ارشاد ہوتا ہے:

''پھر جب صُور پھونکا جائے گا تو وہ دن بڑا سخت دن ہوگا۔ کفار پر آسان نہ ہوگا۔'' (المدثر۔74:8-10)

سورۃ الکھف میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ لوگ روز قیامت ایک دوسرے کو یوں تھپیڑے ماریں گے جس طرح پانی کی بڑی لہریں مارتی ہیں۔ یوں لگے گا جیسے یہ سخت

خوفزدہ ہیں اور ٹھاٹھیں مارتی لہروں کی مانند آگے پیچھے ہوں گے۔ اس خوف کی وجہ سے وہ اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکیں گے اور انہیں یہ احساس ہی نہ رہے گا کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔

اس روز کے بارے میں جس قدر یہ لوگ بے خبر اور عدم احساس کا شکار ہوں گے اسی قدر ان کی دہشت میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ یہ احساس خوف و دہشت اسی لمحے سے اُن کے ساتھ ہوگا جس لمحے وہ مرے تھے اور یہ دائمی ہوگا جو کبھی پیچھا نہ چھوڑنے والا ہو۔

قرآن پاک میں بتایا گیا ہے کہ اس خوف سے بچوں کے بال سفید ہو جائیں گے:

''(ذرا سوچو) کہ تم کیسے بچو گے اگر تم کفر کرتے رہے اس روز جو بچوں کو بوڑھا بنا دے گا (اور) آسمان پھٹ جائے گا اس (کے ہول) سے۔ اللہ کا وعدہ تو پورا ہو کر رہے گا''۔ (المزمل۔73:17-18)

وہ لوگ جو یہ سمجھتے تھے کہ اللہ ان کے کاموں سے بے خبر ہے انہیں احساس ہوگا کہ یہ لوگ تو ربّ کائنات کے ادنیٰ غلام تھے اور اسی نے انہیں روز قیامت تک مہلت دے رکھی تھی۔ اس نے ایسا اس لیے کیا کیونکہ یہ اللہ کا وعدہ ہے جو اس نے اس آیت میں کیا ہے: ''......وہ تو انہیں صرف ڈھیل دے رہا ہے اس دن کے لیے جبکہ (مارے خوف کے) کھلی کی کھلی رہ جائیں گی آنکھیں۔'' (ابراہیم۔14:42)

''(دل ہلا دینے والی) کڑک ۔ یہ (زہرہ گداز) کڑک کیا ہے؟ اور آپ کو کیا معلوم کہ یہ کڑک کیا ہے جس دن لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہوں گے اور پہاڑ رنگ برنگی دھنکی ہوئی اون کی مانند ہوں گے۔'' (القارعہ۔101:1-5)

اے لوگو! ڈرو اپنے پروردگار (کی ناراضگی) سے۔ بیشک قیامت کا زلزلہ بڑی سخت چیز ہے۔ جس روز تم اس (کی ہولناکیوں) کو دیکھو گے تو غافل ہو جائے گی ہر دُودھ پلانے والی (ماں) اس (لختِ جگر) سے جس کو اس نے دودھ پلایا اور گرا دے گی ہر حاملہ اپنے حمل کو اور تجھے نظر آئیں گے لوگ جیسے وہ نشے میں

مست ہوں حالانکہ وہ نشے میں مست نہیں ہوں گے بلکہ عذاب الٰہی بڑا سخت ہوگا (وہ اس کی ہیبت سے حواس باختہ ہوں گے۔'' (الحج۔22:1-2)

چند وہ آیات جن میں اس روز لوگوں کی بے بسی کا ذکر ہے درج ذیل ہیں:

''اور چاند بے نور ہو جائے گا اور (بے نوری میں) سورج اور چاند یکساں ہو جائیں گے (اس روز) انسان کہے گا کہ بھاگنے کی جگہ کہاں ہے۔ ہرگز نہیں وہاں کوئی پناہ گاہ نہیں۔ صرف آپ کے ربّ کے پاس ہی اس روز ٹھکانا ہوگا۔'' (القیمۃ۔75:8-12)

''وہ کافر جن کی آنکھوں پر پردے پڑے تھے میری یاد سے اور جو (کلمۂ حق) سن بھی نہیں سکتے تھے۔'' (الکھف۔18:101)

اس آیت میں ان کفار کا ذکر ہے جو اللہ کا ذکر نہیں کرتے۔ ایک اور آیت میں ارشاد ہوا......

''یہ تو اپنے ربّ کے ذکر ہی سے سرگرداں ہیں۔'' (الانبیاء۔21:42)

یہ لوگ اللہ کی آیات کو جھٹلاتے اور کائنات میں پھیلی اللہ کی نشانیوں کو نظرانداز کر دیتے ہیں۔ یہ قرآن پاک پر کان دھرنے سے انکار کر دیتے ہیں جو اللہ نے رہنمائی کے لیے نازل فرمایا ہے۔ بہت سی آیات میں اللہ کے ذکر کی اہمیت کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے:

''اور یاد کرو اپنے ربّ کو اپنے دل میں عاجزی کرتے ہوئے اور ڈرتے ڈرتے اور زبان سے بھی چلائے بغیر (یوں یاد کرو) صبح کے وقت بھی اور شام کے وقت بھی اور نہ ہو جاؤ (یاد الٰہی سے) غافل رہنے والوں سے''۔ (الانفال۔8:205)

لوگ ہر کام میں جو وہ کرتے ہیں اللہ کی خوشنودی تلاش کرتے ہیں وہ اللہ کے احکام بجالاتے ہیں۔ اللہ کے ذکر کی اہمیت درج ذیل آیت میں بیان فرمائی گئی ہے:

''آپ تلاوت کیجیے اس کتاب کی جو وحی کی گئی ہے آپ کی طرف اور نماز صحیح صحیح ادا کیجیے۔ بیشک نماز منع کرتی ہے بے حیائی اور گناہ سے اور واقعی اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑا ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔'' (العنکبوت۔29:45)

ایمان والوں کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اے ایمان والو! تمہیں غافل نہ کر دیں تمہارے اموال اور نہ تمہاری اولاد اللہ کے ذکر سے اور جنہوں نے ایسا کیا تو وہی لوگ گھاٹے میں ہوں گے۔'' (المنفقون۔63:9) دوسرے لفظوں میں ذکر الٰہی ہر شے سے افضل ہے۔ وہ یہ بھی فرماتا ہے: ''اور ذکر کیا کرو اپنے ربّ کے نام کا اور سب سے کٹ کر اُسی کے ہو رہو''۔ (المزمل۔73:8)

''وہ (جواں) مرد جنہیں غافل نہیں کرتی تجارت اور نہ خرید و فروخت یاد الٰہی سے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے سے وہ ڈرتے رہتے ہیں اس دن سے گھبرا جائیں گے جس میں دل اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔'' (النور۔24:37)

سورۃ الکھف کی آیت: 101 میں بتایا گیا ہے کہ کفار قرآن پاک کی تلاوت کو برداشت نہیں کرتے۔ وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ دوسرے بھی قرآن پاک کی طرف سے منہ پھیر لیں۔ اس لیے کہ جو کوئی بھی اسے سنتا ہے وہ اپنے ضمیر کی آواز سننے پر مائل ہو جاتا ہے۔ پھر وہ حق و صداقت کا ساتھ دینے والوں کے ساتھی بن جاتے ہیں اور خود بھی سچ پر قائم ہو جاتے ہیں اور دوسروں کو بھی ایسا ہی کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے کفار مختلف ذرائع اختیار کر کے دعوت حق کو مسترد کر دیتے ہیں ان میں سے ایک کا ذکر اس آیت میں یوں آیا ہے:

''اور کہنے لگے وہ کافر مت سنا کرو اس قرآن کو اور شور وغل مچا دیا کرو اس کی تلاوت کے درمیان شاید تم (اس طرح) غالب آ جاؤ۔'' (حٰم السجدہ۔41:26)

جیسا کہ درج بالات آیت سے معلوم ہوا کہ کفار قرآن پاک کی آواز کو شور و غل میں ڈبو دینے کی کوشش کرتے ہیں، موضوع بدل دیتے ہیں یا تلاوت کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر انہیں ان حربوں میں ناکامی ہو تو وہ تشدد اور فتنہ و فساد پر اتر آتے ہیں اور ایمان والوں کو خاموش کرانے کے لیے تمام دباؤ استعمال کرتے ہیں۔ وہ ایسا صرف اس لیے کرتے ہیں کیونکہ انہیں یہ ڈر رہتا ہے کہ وہ کہیں حق و صداقت سے متاثر نہ ہو جائیں۔ ان کے ضمیر متاثر نہ ہو جائیں اور انہیں یہ احساس دلاتے ہیں کہ وہ کس قدر غلطی پر ہیں۔

ان کا خوف ان کے چہروں سے ٹپکتا ہے، ان کے رویے سے ظاہر ہوتا ہے اور اُس ڈر سے جھلکتا ہے جب وہ تخلیق کی صداقتوں کے بارے میں قرآن کی تلاوت سنتے ہیں۔ سورۃ یٰسین سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار حق و صداقت کی آواز نہیں سنیں گے حالانکہ قرآنی اقدار کو اپنا لینے ہی میں ان کی نجات کا راستہ پوشیدہ ہے:

''اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ ڈرو (اس عذاب سے) جو تمہارے سامنے اور جو تمہارے پیچھے ہے تاکہ تم پر رحم کیا جائے اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی نشانی ان کے ربّ کی نشانیوں سے، مگر وہ اس سے روگردانی کرنے لگتے ہیں۔'' (یٰسین۔ 36:45-46)

تاہم وہ لوگ جو قرآن کی آواز پر اپنے کان بند کر لیتے ہیں انہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ روز قیامت انہیں ندامت و پشیمانی ہوگی۔ اس روز جب وہ اپنے آپ کو ختم کرنے کے لیے موت کی خواہش کریں گے۔ قرآن پاک کہتا ہے:

''اور جس کو دیا جائے گا اس کا نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں، وہ کہے گا اے کاش! مجھے نہ دیا جاتا میرا نامۂ اعمال ۔ اور میں نہ جانتا میرا حساب کیا ہے۔ اے کاش! موت نے ہی (میرا) قصہ پاک کر دیا ہوتا۔ آج میرا مال میرے کسی کام نہ آیا۔ میری بادشاہی بھی فنا ہوگئی''۔ (الحاقہ۔ 69:25-29)

''کیا گمان کرتے ہیں کفار کہ وہ بنا لیں گے میرے بندوں کو میرے بغیر اپنا حمایتی؟ (یہ ناممکن ہے) بیشک ہم نے تیار کر رکھا ہے جہنم کو کفار کی رہائش کے لیے۔'' (الکھف۔ 18:102)

دوسرے لفظوں میں کچھ لوگ اللہ کو بھلا دیتے ہیں اور دوسروں کو اپنے دوست اور حمایتی سمجھنے لگتے ہیں۔ انہیں یہ غلط فہمی رہتی ہے کہ انہیں جب مدد کی ضرورت ہوگی تو یہ حمایتی ان کی مدد کریں گے اور ان کی مشکلات کو کم کر دیں گے۔ لوگوں سے نجات کی امید اور مدد کی توقع رکھنا بہت بڑی غلطی ہے کیونکہ جب تک اللہ نہ چاہے کوئی بھی کسی دوسرے کی مدد نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ ہر شے اسی کی تخلیق کی ہوئی ہے۔ یہ ساری چیزیں اس لیے وجود میں آئیں کیونکہ اللہ نے ایسا چاہا اور چونکہ وہ خالق ایسا چاہتا ہے اس لیے یہ اپنا وجود قائم رکھتی ہیں۔ صرف اللہ ہر مشکل حل کرتا اور آسانی پیدا کرتا ہے۔ وہ صحت و تندرستی اور غذا فراہم کرتا ہے اور وہی قہقہے عطا کرتا ہے اور آنسو بھی وہی دیتا ہے۔ المختصر یہ کہ ہر شخص بالکل بے بس، مفلس اور انحصار کرنے والا ہے۔ ان کے پاس کوئی قوت یا ذرائع نہیں ہوتے اور ان میں تو اتنی سکت بھی نہیں ہوتی کہ خود اپنی مدد کر سکیں۔ اس لیے لوگوں کا اس پر ایمان ہونا چاہیے، اسی سے انہیں مدد کے طلبگار ہونا چاہیے اور ہر شے اللہ ہی سے مانگنی چاہیے۔ اس لیے کہ کوئی دوسرا معبود نہیں نہ کوئی دوسری ہستی ان کے لیے کچھ کر سکتی ہے۔

اگر صورت حال یہ ہو کہ دوسروں سے مدد مانگنا یا انہیں اپنا حمایتی جاننا اور اللہ کو بھلا بیٹھنا اور اس پر بھروسہ نہ کرنا اور اسباب و علل اور لوگوں پر تکیہ کرنا اور اللہ کی مخلوق کو خود مختار قوتیں تصور کرنا شرک کو جنم دیتا ہے۔ قرآن پاک انسانوں کی اس بڑی غلطی کا ذکر یوں کرتا ہے:

''اور ان (ظالموں) نے بنائے ہیں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور خدا کہ شاید وہ ان کی مدد کریں۔ یہ جھوٹے خدا نہیں مدد کر سکتے ان کی۔ اور یہ کفار ان معبودوں کے لیے تیار شدہ لشکر ہیں۔'' (یٰس۔ 36:74-75)

جہنم سزا کا آخری مقام ہے، اللہ کی صفات قہاری، جبّاری اور مُنتقمی آخرت میں منعکس ہوں گی۔ سورۃ الکھف کی آیت: 102 میں بتایا گیا ہے کہ جہنم میں جانے والے کفار کے لیے یہ دائمی سزا ہوگی۔

جب اللہ کے حضور کفار کا حساب کتاب ہوگا تو انہیں ان کا نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اِس لمحے ان لوگوں کو احساس ہوگا کہ انہیں ہمیشہ کے لیے جہنم کے عذاب

میں ڈالا جا رہا ہے۔ اور اب ان کے بچ نکلنے کی کوئی راہ نہیں ہے جہنم میں بھیجے جانے والوں میں سے ہر ایک فرد کے ساتھ دو فرشتے ہوں گے ایک جہنم کی طرف ہانکنے والا اور دوسرا گواہ۔ اس موضوع پر درج ذیل آیات سے مزید معلومات حاصل ہوتی ہیں:

''اور صُور پھونکا جائے گا یہی وعید کا دن ہوگا اور حاضر ہوگا ہر شخص اس طرح کہ اس کے ہمراہ ایک (اُسے) ہانکنے والا اور ایک گواہ ہوگا۔ تو (عمر بھر) غافل رہا اس دن سے پس ہم نے اٹھا دیا ہے تیری آنکھوں سے تیرا پردہ، سو تیری بینائی آج بڑی تیز ہے اور کہے گا اس کا (عمر بھر کا) ساتھی ۔ یہ اعمال نامہ جو میرے پاس تھا بالکل تیار ہے جہنم میں جھونک دو ہر کافر سرکش کو جو سختی سے روکنے والا تھا نیکی سے، حد سے بڑھنے والا شک کرنے والا تھا جس نے بنا رکھے تھے اللہ کے ساتھ کئی اور خدا پس جھونک دو اس (بدبخت) کو عذاب شدید میں۔'' (ق۔ 50:20-26)

اس طرح کفار کو اس خوفناک ٹھکانے کی طرف لے جائیں گے۔ انہیں گروہ در گروہ جہنم میں جھونکا جائے گا اور نارِ جہنم کی آواز دور سے سنائی دے گی۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ روز قیامت حساب کے لمحے ہی سے کفار کو احساس ہو جائے گا کہ کس قسم کا عذاب ان کا منتظر ہے۔ ان کے سر احساس ذلت و ندامت سے جھکے ہوں گے۔

ان کا کوئی یار و مددگار نہ ہوگا، وہ بے بس ہوں گے اور ان کا سارا غرور و تکبر خاک میں مل چکا ہوگا۔ وہ نظریں اٹھا کر دیکھنے کے قابل نہ رہیں گے اور کنکھیوں سے ادھر ادھر دیکھ رہے ہوں گے۔ ایک آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اور آپ انہیں دیکھیں گے کہ پیش کیے جا رہے ہوں گے دوزخ پر اس حال میں کہ عاجز و درماندہ ہوں گے ذلّت کے باعث، دیکھتے ہوں گے کنکھیوں سے چوری چوری اور کہیں گے اہل ایمان کہ حقیقی گھاٹے میں وہی لوگ ہیں جنہوں نے گھاٹے میں ڈالا اپنے آپ کو، اپنے گھر والوں کو قیامت کے روز۔ سُن لو

ظالم لوگ ضرور ابدی عذاب میں ہوں گے''۔ (الشوریٰ۔ 42:45)

مزید یہ کہ منکرین کے ساتھ دوزخ کے دروازوں پر درج ذیل سلوک ہوگا:

''اور ہانکے جائیں گے کفار جہنم کی طرف گروہ در گروہ۔ جب اس کے پاس آئیں گے تو کھول دیئے جائیں گے اس کے دروازے اور پوچھیں گے ان سے دوزخ کے پہریدار کیا نہیں آئے تھے تمہارے پاس پیغمبر تم میں سے جو پڑھ کر سناتے تمہیں تمہارے ربّ کی آیات اور ڈراتے تمہیں اس دن کی ملاقات سے۔ کہیں گے بیشک آئے تھے لیکن ثبت ہو چکا تھا (لوح محفوظ میں) عذاب کا حکم کفار پر۔ انہیں کہا جائے گا داخل ہوجاؤ دوزخ کے دروازوں سے اس حال میں کہ تم ہمیشہ اس میں رہو گے۔ پس کتنا بُرا ٹھکانا ہے مغروروں کا''۔ (الزمر۔ 39:71-72)

انہیں دوزخ میں جھونکنے کے بعد اس کے دروازے بند کر دیئے جائیں گے۔ انہیں جو سزا ملے گی اسے قرآن میں ''سخت عذاب'' اور ''دردناک عذاب'' کہا گیا ہے۔ دنیا کی زندگی کے کسی عذاب سے اس کا موازنہ نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ درج ذیل آیت سے ظاہر ہوتا ہے:

''پس اس دن اللہ کے عذاب کی طرح نہ کوئی عذاب دے سکے گا اور نہ اس کے باندھنے کی طرح کوئی باندھ سکے گا''۔ (الفجر۔ 89:25-26)

جہنم رسید ہونے والے لوگوں کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا جسے 70:15، 92:14 اور 25:11 میں ''بھڑکتی ہوئی آگ'' کہا گیا ہے۔

ایک اور آیت میں فرمایا:

''اور جس کے (نیکیوں کے) پلڑے ہلکے ہوں گے تو اس کا ٹھکانا ہاویہ ہوگا اور آپ کو کیا معلوم کہ ہاویہ کیا ہے؟ ایک دہکتی ہوئی آگ''۔ (القارعہ۔ 101:8-11)

دوزخ کی آگ وہ آگ ہے جو کفار کی منتظر ہوگی۔ یہ کفار اب، اپنا دفاع نہ کر سکیں

گے کہ انہیں اس کا موقع نہیں ملے گا اور یوں یہ عذاب انہیں ہر طرف سے گھیر لے گا۔ وہ اس درد سے نہ بچ سکیں گے جس میں انہیں مبتلا کیا جائے گا اور یہ دائمی ہوگا، کبھی نہ ختم ہونے والا۔

''......بیشک جو لوگ میری عبادت کرنے سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب جہنم میں داخل ہوں گے ذلیل وخوار ہو کر۔'' (المومن۔40:60)

''فرمایئے (اے لوگو!) کیا ہم مطلع کریں تمہیں ان لوگوں پر جو اعمال کے لحاظ سے گھاٹے میں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری جدوجہد دنیوی زندگی کی آرائشگی میں کھو کر رہ گئی اور وہ یہ خیال کر رہے ہیں کہ وہ کوئی بڑا عمدہ کام کر رہے ہیں۔ یہی وہ (بدنصیب) ہیں جنہوں نے انکار کیا اپنے ربّ کی آیتوں کا اور اس کی ملاقات کا تو ضائع ہو گئے ان کے اعمال تو ہم ان (کے اعمال تولنے) کے لیے روز قیامت کوئی ترازو نصب نہیں کریں گے۔'' (الکھف۔18:103-105)

ان آیات میں ان لوگوں کے بارے میں بتایا گیا ہے جنہوں نے اپنی دنیوی زندگی میں بہت جدوجہد کی، مال و دولت کے حصول میں کامیاب ہوئے، بڑے بڑے کام کیے، فنون میں نام پیدا کیا یا سائنسی دریافتیں کیں۔ مگر آخرت میں وہ سب کچھ ضائع گیا اس لیے کہ انہوں نے اللہ کا انکار کیا اور وحی پر ایمان نہیں لائے تھے۔

ان کی کامیابیاں جس قدر بھی بڑی تھیں یا ان کی دریافتیں کتنی ہی اہم کیوں نہ تھیں اگر انہوں نے قرآن کی باتوں سے انکار کیا تو آخرت میں وہ گھاٹے میں رہیں گے۔ درج ذیل آیات میں ان کی حالت بیان کی گئی ہے:

''......اور جو انکار کرتا ہے ایمان کا تو بس ضائع ہو گیا اس کا عمل اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں سے ہوگا۔'' (المائدہ۔5:5)

''اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات کو ضائع ہو گئے ان کے سارے اعمال۔ کیا انہیں جزا دی جائے گی۔ سوائے اس کے جو وہ کیا

کرتے تھے (ہرگز نہیں)'' (الاعراف۔7:147)

''(منافقو!) تمہاری حالت بھی ایسی ہے جیسے ان لوگوں کی جو تم سے پہلے گزرے وہ زیادہ تھے تم سے قوت میں اور مال اور اولاد کی کثرت میں۔ سو لطف اُٹھایا انہوں نے جو تم سے پہلے ہو گزرے اپنے (دنیوی) حصے سے اور (لذتوں میں) تم بھی ڈوبے رہے جیسے وہ ڈوبے رہے تھے۔ یہی وہ لوگ ہیں ضائع ہو گئے جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں اور یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں''۔ (التوبہ۔9:69)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ جہاں ایک طرف کفار کی ساری کوششیں رائیگاں گئیں وہاں دوسری جانب ایمان والوں کو ان کے ہر اچھے عمل کا انعام دیا گیا۔ ان کی کوئی کوشش بھی ضائع نہیں جائے گی۔ جیسا کہ درج ذیل آیت میں بتایا گیا ہے:

''تو قبول فرما لی ان کی التجا اُن کے پروردگار نے (اور فرمایا) کہ میں ضائع نہیں کرتا عمل کسی عمل کرنے والے کا تم سے خواہ مرد ہو یا عورت۔ بعض تمہارا جز ہے بعض کی تو وہ جنہوں نے ہجرت کی اور نکالے گئے اپنے وطن سے اور ستائے گئے میری راہ میں اور (دین کے لیے) لڑے اور مارے گئے تو ضرور میں مٹا دوں گا ان (کے نامۂ عمل) سے ان کے گناہ اور ضرور داخل کروں گا انہیں باغوں میں بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں۔ (یہ) جزا ہے (اُن کے اعمال حسنہ کی) اللہ کے ہاں اور اللہ ہی کے پاس بہترین ثواب ہے۔'' (آلِ عمران۔3:195)

''توبہ کرنے والے (اللہ کی) عبادت کرنے والے، حمد وثنا کرنے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیکی کا حکم دینے والے اور بُرائی سے روکنے والے اور نگہبانی کرنے والے اللہ کی (مقررہ) حدوں کی (اے میرے رسول) خوشخبری سنا دیجیے ان (کامل) مومنوں کو۔'' (التوبہ۔9:112)

"یہ ہے ان کی جزا جہنم اس وجہ سے کہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیتوں اور رسولوں کو مذاق بنالیا۔" (الکھف۔18:106)

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ کفار کو جہنم کا عذاب دیا جائے گا کیونکہ انہوں نے اللہ کی آیات اور اس کے رسولوں کا مذاق اُڑایا تھا۔ لوگوں کو قرآن سننے سے باز رکھنے کے لیے کفار یہ حربہ استعمال کرتے تھے۔ درج ذیل آیات میں کفار کی اس حرکت کا ذکر آیا ہے:

"اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی نشانی اپنے ربّ کی نشانیوں سے مگر وہ ہو جاتے ہیں اس سے منہ پھیرنے والے۔ بیشک انہوں نے جھٹلایا حق کو جب وہ آیا ان کے پاس سو اَب آیا چاہتی ہیں ان کے پاس خبریں اس چیز کی جس کے ساتھ وہ مذاق کیا کرتے تھے۔" (الانعام۔6:4-5)

ایک اور آیت میں یہ ذکر یوں آیا ہے:

"پس آپ (حضرت موسیٰ) جب آئے ان کے پاس ہماری نشانیاں لے کر تو اس وقت وہ ان کا مذاق اُڑانے لگے تھے۔" (الزخرف۔43:47)

اس مذاق اُڑانے کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ وہ سننا نہ چاہتے تھے جو کہا جا رہا تھا۔ انہیں ڈر یہ رہتا تھا کہ کہیں ان کے ضمیر نہ بیدار ہو جائیں اور وہ آخرت کے بارے میں یا اس دنیا کی زندگی میں اپنی ذمہ داریوں اور موت کے بارے میں نہ سوچنے لگ جائیں۔ ان کی نیت یہ ہوتی تھی کہ اللہ کے اس دین کا مذاق اڑائیں جو اس کے پیغمبروں کے ذریعے ان تک پہنچایا جا رہا تھا۔ وہ خاکے بناتے، تضحیک آمیز مضامین لکھتے اور یہ توقع رکھتے تھے کہ ایسا کرنے سے وہ لطف اُٹھائیں گے۔ اس طرح وہ ان حقائق کو بھلانے کی کوشش کرتے ہیں جو قرآن میں بیان فرمائے گئے ہیں۔

مذاق اڑانا اُن کمزور لوگوں کا حربہ ہوتا ہے جو اپنے احساساتِ کمتری کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ حق و صداقت کو جھٹلانے کے لیے ان کے پاس کوئی دلائل نہیں ہوتے۔ وہ لوگ جو حق کا مذاق اڑاتے ہیں وہ ایسا بہت تھوڑی دیر کے لیے کر سکتے ہیں جیسا کہ اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے:

"اللہ سزا دے رہا ہے انہیں اس مذاق کی اور ڈھیل دیتا ہے انہیں تاکہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔" (البقرہ۔2:15)

جس کا وہ مذاق اُڑایا کرتے تھے وہ ان کے سامنے آئے گا اور "......اور گھیر لے گا انہیں وہ (عذاب) جس کا یہ مذاق اُڑایا کرتے تھے۔" (الزمر۔39:48)

وہ لوگ جو قرآن کا مذاق اُڑاتے ہیں ان کے ساتھ کیا بیتے گی اس کی وضاحت اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے:

"آپ تو اظہار تعجب کرتے ہیں (قدرت کے کرشمے دیکھ کر) اور وہ تمسخر اڑاتے ہیں اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو وہ نصیحت قبول نہیں کرتے اور جب کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو مذاق کرنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں نہیں ہے یہ مگر کھلا جادو۔ کیا جب ہم مر جائیں گے اور (مرکر) مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے (تو) کیا ہم زندہ کر کے اُٹھائیں جائیں گے اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی۔ فرمایئے ہاں (ضرور) اس حال میں کہ تم ذلیل وخوار ہو گے پس قیامت تو فقط ایک جھڑکی ہوگی۔ پس وہ (اُٹھ کر ادھر اُدھر) دیکھنے لگیں گے اور کہیں گے ہم برباد ہو گئے! یہ تو یوم جزا ہے۔ (ہاں ہاں) یہی فیصلے کا دن ہے جس (کی آمد) کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔" (الصفت۔37:12-21)

"یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل (بھی) کرتے رہے تو فردوس کے باغات ان کی رہائش گاہ ہوں گے۔ وہ ہمیشہ رہیں گے ان میں (اور) نہیں چاہیں گے کہ وہ اس جگہ کو بدل لیں۔" (الکھف۔18:107-108)

روزِ محشر مومنین کو ان کے اعمال نامے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے جن میں ان کی زندگی بھر کے کام درج ہوں گے۔ قرآن پاک میں ان لوگوں کو جنتی کہا گیا ہے جن کا حساب کتاب آسان ہوگا۔ دوسری آیات میں بھی ان کے بارے میں ذکر موجود ہے:

''پس جس کو دیا گیا اس کا نامۂ عمل اس کے دائیں ہاتھ میں تو اس سے حساب آسانی سے لیا جائے گا اور واپس لوٹے گا اپنے گھر والوں کی طرف شاداں و فرحاں''۔(الانشقاق۔9-84:7)

جب ان کا حساب ہو چکا ہوگا تو مومنین کی خوشی کی انتہا نہ ہوگی کیونکہ انہیں نجات مل چکی ہوگی۔ جیسا کہ درج ذیل آیات میں ارشاد ہوا ہے:

''(انہیں حکم ملے گا) داخل ہوجاؤ ان جنتوں میں خیر و عافیت کے ساتھ بے خوف ہوکر''۔(الحجر۔15:46)

ایک مومن کو جب جنت میں داخل ہونے کے لیے کہا جائے گا تو وہ کہہ اُٹھے گا:

''وہ بولا کاش! میری قوم بھی جان لیتی کہ بخش دیا ہے مجھے میرے ربّ نے اور شامل کر دیا ہے مجھے باعزت لوگوں میں۔'' (یٰسین۔ 36:26-27)

ایک اور آیت میں مومنین سے کہا گیا ہے:

''......یہ ہے وہ دن جس میں فائدہ پہنچائے گا سچوں کو ان کا سچ ان کے لیے باغات ہیں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں وہ ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے......'' (المائدہ۔5:119)

جنت میں بیشمار انعامات مومنین کے منتظر ہوں گے کیونکہ ''سدا بہار باغات! یہ ان میں داخل ہوں گے، پہنائے جائیں گے انہیں وہاں سونے کے کنگن اور موتیوں کے ہار اور ان کی پوشاک وہاں ریشمی ہوگی (شکر نعمت کے طور پر) کہیں گے سب ستائش اللہ کے لیے ہے جس نے دُور کردیا ہم سے غم (اور اندوہ) یقیناً ہمارا ربّ بہت بخشنے والا بڑا قدر دان ہے جس نے ہمیں بسایا ہے ابدی ٹھکانے پر اپنے فضل (اور احسان) سے۔ نہ چھوئے گی ہمیں یہاں کوئی تکلیف اور نہ چھوئے گی ہمیں یہاں کوئی تھکن۔'' (فاطر۔35-35:33)

جنت کی نعمتوں کا بیان نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ آیات میں بتایا گیا ہے کہ ہمارے پانچوں حواس جنت میں انتہائی خوشی و مسرت محسوس کریں گے۔ مگر جنت کا سب سے بڑا

انعام اللہ کی خوشنودی ہوگی۔ حقیقی خوشی و مسرت اللہ کی خوشنودی حاصل کر لینے میں اس کی دی ہوئی ہر نعمت پر شکر گزاری میں ہے۔ ان جنتی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''......راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان سے اور راضی ہو گئے وہ اللہ سے، یہی ہے بڑی کامیابی''۔(المائدہ۔5:119)

''(اے حبیب!) آپ فرمایئے کہ اگر ہو جائے سمندر روشنائی میرے ربّ کے کلمات (لکھنے) کے لیے تو ختم ہو جائے گا سمندر اس سے پیشتر کہ ختم ہوں میرے ربّ کے کلمات اور اگر ہم لے آئیں اتنی اور روشنائی اس کی مدد کو (تب بھی ختم نہ ہوں گے)۔'' (الکھف۔18:109)

اس آیت میں اللہ کی لامحدود حکمت و دانائی کا ذکر ایک مثال کے ذریعے بیان کیا گیا ہے۔ اللہ آسمانوں اور زمین کا علم رکھتا ہے، اسے درمیان کی ہر شے کا علم ہے، اسے فطرت کے ہر قانون اور سائنس کا علم ہے۔ کسی بھی لمحے کہیں بھی جو کچھ بھی ظہور پذیر ہوتا ہے اس کی اسے خبر ہوتی ہے۔ اس لیے کہ یہ سب کچھ اسی کا تو تخلیق کیا ہوا ہے۔

اللہ کے علم کی کوئی حد نہیں ہے۔ وہ بیک وقت دنیا کے ہر انسان کے بارے میں جو اس دنیا میں آیا یا آئے گا، جانتا ہے۔ وہ درخت سے گرنے والے ایک پتے سے لے کر اربوں ستاروں، کہکشاؤں کا علم رکھتا ہے۔ اسے وہ سب کچھ بھی معلوم ہے جسے ہم زینت اوراق نہیں بنا سکتے۔ وہ کائنات میں وقوع پذیر ہونے والے ایک ایک واقعہ، ایک ایک بات سے واقف ہے۔ اسے انسانوں، جانوروں، شجر و حجر ہر شے کا ایک ہی وقت میں علم ہوتا ہے خواہ ان کا تعلق کسی بھی زمانے سے ہو۔ خلاء کا پورا کنٹرول اور زمین کا مکمل کنٹرول اس کے ہاتھ میں ہے۔ اس لامحدود علم کو اللہ نے بہت سی آیات میں ظاہر فرمایا ہے جن میں درج ذیل آیات بھی شامل ہیں:

''کیا تم غور نہیں کرتے کہ بلاشبہ اللہ ہی ہے جس کی تسبیح بیان کرتے ہیں سارے آسمانوں والے اور زمین والے اور پرندے پر پھیلائے ہوئے ہر ایک

جانتا ہے اپنی (مخصوص) دُعا اور اپنی تسبیح کو اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ کرتے رہتے ہیں۔" (النور۔24:41)

"سنو! وہ دوہرا کر رہے ہیں اپنے سینوں کو تاکہ چھپالیں اللہ تعالیٰ سے (اپنے دلوں کا بُغض) سنتے ہو! جس وقت وہ خوب اوڑھ لیتے ہیں اپنے کپڑے تو اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ بلاشبہ وہ خوب جاننے والا ہے جو کچھ سینوں میں (پوشیدہ) ہے۔" (ھود۔5:5)

"......جانتا ہے جو ان سے پہلے (ہو چکا) ہے اور جو ان کے بعد (ہونے والا) ہے وہ نہیں گھیر سکتے کسی چیز کو اس کے علم سے مگر جتنا وہ چاہے۔ سما رکھا ہے اس کی کرسی نے آسمانوں اور زمین کو اور نہیں تھکاتی اسے زمین و آسمان کی حفاظت اور وہی ہے سب سے بلند عظمت والا۔" (البقرہ۔2:255)

"اور وہی اللہ ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔ وہ جانتا ہے تمہارے بھید بھی اور تمہاری کھلی باتیں بھی اور جانتا ہے جو تم کما رہے ہو۔" (الانعام۔6:3)

"(اے پیکر رعنائی و زیبائی!) آپ فرمایئے کہ میں بشر ہی ہوں تمہاری طرح، وحی کی جاتی ہے۔ میری طرف کہ تمہارا خدا صرف اللہ وحدہ ہے۔ پس جو شخص امید رکھتا ہے اپنے ربّ سے ملنے کی تو اسے چاہیے کہ وہ نیک عمل کرے اور نہ شریک کرے اپنے ربّ کی عبادت میں کسی کو۔" (الکھف۔18:110)

اللہ نے ہر قوم کی طرف پیغمبر بھیجے، ماضی و حال میں تاکہ انہیں اللہ کے صراطِ مستقیم کی طرف بلائیں۔ یہ پیغمبر اللہ کے وہ برگزیدہ بندے ہوتے ہیں جو اللہ اور اس کی واحدانیت کے بارے میں لوگوں کو بتاتے ہیں۔ انہیں اس کے دین کی دعوت دیتے اور انہیں مطلع کرتے ہیں کہ اللہ ان سے کیا چاہتا ہے اور انہیں کیا کرنا چاہیے اور کن کاموں سے باز رہنا چاہیے۔ یہ انہیں جہنم کے عذاب کے بارے میں انتباہ کرتے ہیں اور ساتھ ہی انہیں جنت کا مژدہ بھی سناتے ہیں۔

پیغمبروں کی زندگیاں ان مومنوں کے لیے سبق آموز باتوں سے پُر ہوتی ہیں جو سمجھتے اور یاد رکھتے ہیں۔ مومنین کو ان پیغمبروں میں فرق نہیں کرنا چاہیے جو اپنے اعلیٰ رویے، حسن سلوک اور کردار کی بلندی کی قابل رشک مثالیں پیش کرتے ہیں۔ لوگوں کو چاہیے کہ ان سے مشورہ لیں اور ان کی منع کی ہوئی باتوں کی طرف نہ جائیں۔

اللہ کے پیغمبروں نے جو دعوتِ دین دی اس کا ذکر قرآن میں بھی آیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک نے لوگوں کو اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دی، انہیں قرآن کی صداقت پر مبنی تعلیم پر عمل کرنے کی تلقین کی اور بھٹکنے سے محفوظ رہنے اور اللہ کے احکام کی نافرمانی سے باز رہنے کی تاکید کی۔ اس وجہ سے مومنین کو چاہیے کہ ایک پیغمبر خدا کو دوسرے پر ترجیح نہ دیں، ہر پیغمبر پر جو نازل ہوا اس پر ایمان لانا چاہیے اور ان کی دعوت پر لبیک کہنا چاہیے۔ اس آیت میں فرمایا گیا:

"کہہ دو ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور اس پر جو نازل کیا گیا ہماری طرف اور جو اُتارا گیا ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ و اسحٰقؑ و یعقوبؑ اور ان کی اولاد کی طرف اور جو عطا کیا گیا موسیٰ و عیسیٰؑ کو اور جو عنایت کیا گیا دوسرے نبیوں کو ان کے ربّ کی طرف سے ہم فرق نہیں کرتے ان میں کسی پر ایمان لانے میں اور ہم تو اللہ کے فرمانبردار ہیں۔" (البقرہ۔2:136)

تمام رسولوں نے لوگوں کو سچے دین اور صراطِ مستقیم کی طرف بُلایا۔ ان کی دعوت ان کی اپنی قوموں اور ہمارے لیے معتبر تھی۔ دین کے بنیادی تصورات اور اخلاقیات جن کی طرف انہوں نے بلایا اور ان کے اعلیٰ کردار ہر نسل کے لیے رہنمائی کا ذریعہ ہیں جن میں ہم بھی شامل ہیں۔ جس حق و صداقت کی جانب انہوں نے بُلایا اور ان کی مثالی اخلاقی صفات کو قرآن نے مختلف تناظر سے بیان فرمایا ہے۔ اللہ نے مومنوں کو حکم دیا ہے کہ وہ پیغمبروں کے بتائے ہوئے صراطِ مستقیم پر چلیں۔

"یہ وہ لوگ تھے ہم نے عطا کی تھی جنہیں کتاب اور حکمت اور نبوت تو اگر انکار کریں اس کا یہ (مکّے والے) تو ہم نے مقرر کر دیئے ہیں اس کو ماننے کے لیے

ایسے لوگ جو اس کے ساتھ کفر کرنے والے نہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ہدایت دی تھی اللہ نے تو انہیں کے طریقے کی پیروی کرو آپ فرمائیے میں نہیں مانگتا تم سے اس (تبلیغ قرآن) پر کوئی (اجرت) نہیں ہے وہ (قرآن) مگر نصیحت سارے جہانوں کے لیے۔'' (الانعام۔6:89-90)

یہی وجہ ہے کہ مومنوں کو قرآن میں دیئے گئے قصص انبیاء کو بغور پڑھنا چاہیے ان کے مشورے پر عمل کرنا چاہیے اور ثابت قدمی سے صراطِ مستقیم پر چلنا چاہیے۔

☆......☆......☆

سورۃ الکھف میں آیات کی نشاندہی

اس کتاب میں ہم نے شروع سے آخر تک سورۃ الکھف کی ان بہت سی آیات کا ذکر کیا ہے جن میں آخرت کے بارے میں بات کی گئی ہے۔ چند آیات کی عددی قدر ہمارے اپنے عہد کے قریب ہے۔ مثلاً

- ہم نے مضبوط کر دیا ان کے دلوں کو...... (الکھف۔18:14)
  اسلامی زمانہ:1400
  عیسوی زمانہ:1979
- وہ بولا ''وہ دولت جس میں میرے ربّ نے مجھے اختیار دیا ہے وہ بہتر ہے......(الکھف۔18:95)
  اسلامی زمانہ:1409
  عیسوی زمانہ:1988
- ہم نے اقتدار بخشا تھا اسے زمین میں......(الکھف۔18:84)
  اسلامی زمانہ:1440
  عیسوی زمانہ:2019

ایک آیت جو پندرھویں اسلامی صدی کے آغاز اور بیسویں صدی کے اختتام کی جانب اشارہ کرتی ہے اور اکیسویں صدی عیسوی کے آغاز کی طرف اشارہ کرتی ہے وہ 1980 ہجری ہے۔ اسے سورۃ الکھف کی آیات کی تعداد سے ضرب دے کر قرآن پاک میں دی ہوئی اس کی عددی ترتیب سے نکالا گیا ہے۔

o سورۃ الکھف قرآن پاک میں 18 ویں سورۃ ہے جس کی 110 آیات ہیں
سو اِسے یوں نکالا گیا ہے = 18x110 = 1980

بدیع الزمان سعید نرصی نے بھی کئی جگہ آخرت کے آغاز کا زمانہ یہی بتایا ہے۔ مثال کے طور پر وہ لکھتا ہے:

"یہ کیسے ایمان سے عاری لوگ ہیں جو اس حقیقت کو نہیں جانتے اور کہتے ہیں:
"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام جو بینا قلوب اور بصیرت رکھتے تھے، جنہیں آخرت کے بارے میں ساری تفصیلات سکھا دی گئی تھیں انہوں نے اس حقیقت کو کیوں نہ جان لیا کہ آخرت 1400 سال بعد آئے گی۔ جیسے ان کے خیالات اس صداقت سے ایک ہزار برس دُور چلے گئے تھے؟"

بدیع الزمان جب "1400 برس بعد" کہتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام نے آخرت کا وقت 1980 ہجری کے آس پاس کے برسوں کو بتایا ہوگا۔ یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ اس نے 1400 کہا 1373، 1378 اور 1398 نہیں کہا۔ دوسرے لفظوں میں پندرھویں اسلامی صدی۔

☆......☆......☆

حاصل مطالعہ

اس پوری کتاب میں ہم نے سورۃ الکھف میں دیئے گئے درس عبرت حکمت ودانائی اور اللہ کی یاد جیسے عنوانات کا جائزہ لیا۔ ان آیات میں جو حکمت و دانائی پائی جاتی ہے ہم نے اس کی تشریح پیش کی کیونکہ ہمارا ربّ حکم دیتا ہے:

"اور یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو تم پر ہے اور (یاد کرو) جو اس نے نازل فرمایا تم پر قرآن اور حکمت اور وہ نصیحت فرماتا ہے تمہیں اس سے"۔ (البقرہ۔2:231)

یہ ہر مسلمان کی ذمہ داری بن جاتی ہے کہ وہ ان آیات میں مذکور حکمت و دانائی کو سمجھے اور اس کے مطابق خود بھی زندگی بسر کرے اور لوگوں کو بھی اس کے متعلق بتائے کیونکہ اللہ فرماتا ہے:

"بلاشبہ پہلی قوموں (کے عروج و زوال) کی داستانوں میں (درس) عبرت ہے سمجھداروں کے لیے نہیں ہے یہ قرآن ایسی بات جو (یوں ہی) گھڑ لی گئی ہو بلکہ یہ تصدیق کرتی ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں اور یہ (قرآن) ہر چیز کی تفصیل ہے اور سراپا ہدایت و رحمت ہے اس قوم کے لیے جو ایمان لاتی ہے۔" (یُوسف۔12:111)

ہر وہ شخص جو رہنمائی اور حکمت و دانائی کی تلاش میں ہے اس کے لیے اس کتاب میں جو آپ کے ہاتھ میں ہے فرمانبرداری، تقدیر کے سامنے جھکنے اور اس عارضی دنیاوی زندگی کے بارے میں اہم باتیں بیان کی گئی ہیں۔ اللہ جو زمان و مکاں سے ماورا ہے، اس

کے بندے جنہیں خاص علم عطا کیا گیا ہے ان کی باتیں ہیں اور وہ جو اللہ کی نازل کردہ کتاب کے خلاف ہو کر گستاخی پر اُتر آتے ہیں ان کے دردناک انجام کا ذکر ہے اور مومنوں کے لیے منتظر انعامات کی وعید والے مستقبل کا ذکر ہے۔

سورۃ الکھف میں مومنوں کے لیے ایک بہت اچھی خبر بھی ہے: کہ آخرت کا رفیع الشان زمانہ قریب آ رہا ہے۔ اگر سورۃ الکھف کا اس تناظر میں جائزہ لیں تو یہ آخرت کے زمانے کے اسلام کے مختلف مراحل کی طرف اشارہ کرتی ہے (آغاز، ترقی کا دور اور اختتام) جس میں غلبہ وحکمرانی اسلام کی ہوگی اور حضرت عیسیٰؑ تشریف لائیں گے۔

جیسا کہ ہمیں بہت سی آیات سے معلوم ہوا کہ فتح ونصرت اور حکومت کا وعدہ ان مومنین سے کیا گیا ہے جنہیں حکمت و دانائی عطا کی گئی ہے۔ یہ آخری مرحلہ ہے اور ایک ایسا زمانہ ہے جس میں وہ باتیں سچ ثابت ہوں گی جن کا ذکر سورۃ النور میں آیا ہے۔ یہ سب کچھ اللہ کی عین مرضی کے مطابق ہوگا:

> ''وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے تم میں سے اور نیک عمل کیے کہ وہ ضرور خلیفہ بنائے گا انہیں زمین میں جس طرح اس نے خلیفہ بنایا ان کو جو ان سے پہلے تھے اور مستحکم کر دے گا ان کے لیے ان کے دین کو جسے اس نے پسند فرمایا ہے ان کے لیے اور ضرور بدل دے گا انہیں ان کی حالت خوف کو امن سے۔ وہ میری عبادت کرتے ہیں۔ کسی کو میرا شریک نہیں بناتے اور جس نے ناشکری کی اس کے بعد تو وہی لوگ نافرمان ہیں۔''
>
> (النور۔24:55)

نظریۂ ارتقاء کا فریب

ڈارونیت یا دوسرے لفظوں میں نظریۂ ارتقاء کو اس لیے سامنے لایا گیا تھا تاکہ تخلیق کی حقیقت کو مسترد کیا جا سکے۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ یہ غیر سائنسی لغویات ناکام ہوگئی ہے۔ اس نظریے کا دعویٰ یہ ہے کہ زندگی بے جان مادے سے اتفاقاً وجود میں آئی ہے۔ مگر اس کا کوئی سائنسی ثبوت پیش نہ کیا جا سکا۔ یوں سائنس نے اس بات کی تصدیق کی کہ اس کائنات کے تمام جانداروں کو اللہ نے تخلیق کیا ہے۔ آج نظریۂ ارتقاء کو زندہ رکھنے کے لیے جو پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے وہ سائنسی حقائق کو مسخ کرنے کے ذریعے ہو رہا ہے جو تشریح کی جاتی ہے وہ بھی تعصب و جانبداری پر مشتمل ہے اور جھوٹ کے پلندے کو سائنس کا نام دے کر پیش کیا جا رہا ہے۔

یہ پروپیگنڈہ سچائی کو نہیں چھپا سکا۔ یہ حقیقت ہے کہ سائنس کی تاریخ میں نظریۂ ارتقاء سب سے بڑا فریب ہے جسے سائنسی دنیا میں پچھلے بیس تیس برس سے بڑی شد و مد سے بیان کیا جا رہا ہے۔ 1980ء کی دہائی کے بعد جو تحقیق ہوئی اس سے ظاہر ہوا ہے کہ ڈارونیت کے سارے دعوے بے بنیاد ہیں۔ یہ وہ بات ہے جس کا ذکر سائنسدانوں کی ایک بڑی تعداد نے کیا ہے۔ امریکا میں بطور خاص بہت سے سائنسدانوں نے کئی شعبوں مثلاً حیاتیات، حیاتیاتی کیمیا اور قدیم رکازیات میں ڈارونیت کی حقیقت سے انکار کیا ہے۔ یہ ''استدلالی نمونہ'' اس حقیقت کا سائنسی اظہار ہے کہ تمام جانداروں کو اللہ نے تخلیق کیا ہے۔

ہم نے نظریۂ ارتقاء کی موت کا جائزہ لیا ہے اور ہماری کئی کتابوں میں تخلیق کے عظیم سائنسی ثبوت بڑی تفصیل سے پیش کیے گئے ہیں اور ہم بدستور ایسا کر رہے ہیں۔ اس موضوع کو چونکہ بہت اہمیت دی گئی ہے اس لیے اس کا یہاں خلاصہ پیش کرنا بے حد مفید ثابت ہوگا۔

ڈارونیت کی سائنسی موت

یوں تو نظریۂ ارتقاء کا ذکر قدیم یونان سے جا ملتا ہے مگر اس نظریے کو زیادہ وسعت انیسویں صدی میں حاصل ہوئی۔ اس سلسلے میں پیشرفت اس وقت ہوئی جب 1859ء میں چارلس ڈارون کی کتاب ''جانداروں کی ابتداء'' شائع ہوئی اور سائنسی دنیا میں یہ نظریہ چوٹی کے موضوعات میں شامل ہوگیا تھا۔ ڈارون نے اس کتاب میں اس بات سے انکار کیا تھا کہ زمین پر خدا نے جانداروں کو علیحدہ علیحدہ تخلیق کیا ہے۔ اس کے خیال میں تمام جانداروں کا جدِ امجد ایک ہی تھا اور وقت کے ساتھ ساتھ چھوٹی چھوٹی تبدیلیوں کے ذریعے یہ ایک دوسرے سے مختلف ہوگئے تھے۔ ڈارون کے اس نظریے کا کوئی ٹھوس سائنسی ثبوت نہ تھا اور اس نے خود بھی اس بات کا اعتراف کیا کہ یہ محض ایک ''مفروضہ'' تھا۔ مزید یہ کہ ڈارون نے ''نظریے کی مشکلات'' نامی کتاب کے طویل باب میں یہ اعتراف بھی کیا کہ یہ نظریہ بہت سے تنقیدی سوالات کا جواب نہ دے سکنے کی وجہ سے ناکام اور مسترد ہو رہا تھا۔

ڈارون نے اپنی ساری امیدیں اور توقعات نئی سائنسی دریافتوں سے وابستہ کر رکھی تھیں، جو اس کے خیال میں اس نظریے کی مشکلات کو حل کر سکتی تھیں۔ مگر اس کی توقعات کے برعکس سائنسی دریافتوں نے تو اس کی مشکلات کا دائرہ اور وسیع کر دیا تھا۔

سائنس کے خلاف ڈارونیت کی شکست اور ناکامی کو تین بنیادی موضوعات کے تحت زیرِ بحث لایا جا سکتا ہے:۔

1۔ یہ نظریہ کسی طرح بھی یہ وضاحت نہ کر سکا کہ زمین پر زندگی کیسے شروع ہوئی۔
2۔ کوئی بھی ایسی سائنسی دریافت نہیں ہے جو یہ ظاہر کرتی ہو کہ ''ارتقائی میکانزم'' جو

یہ نظریہ پیش کرتا ہے اس میں کوئی ایسی قوت ہو جو ارتقائی مراحل طے کراتی ہو۔

3۔ نظریۂ ارتقاء نے جو مفروضے پیش کیے ہیں دستیاب فوسل ریکارڈ ان کے بالکل برعکس ثبوت فراہم کرتا ہے۔

کتاب کے اس حصے میں ہم ان تین باتوں کا مختصر سا جائزہ لیں گے

پہلا ناقابلِ تسخیر قدم : زندگی کی ابتداء

نظریۂ ارتقاء کا مؤقف یہ ہے کہ تمام جاندار ایک واحد زندہ خلیے سے وجود میں آئے جو قدیم زمین پر 3.8 بلین برس قبل نمودار ہو گیا تھا۔ سوچنے کا مقام ہے کہ ایک واحد خلیہ کئی ملین پیچیدہ جانداروں کو کیسے پیدا کر سکتا تھا اور اگر ایسا ارتقاء عمل میں آیا بھی تو فوسل ریکارڈ میں اس کے نشانات کیوں نہیں ملتے، یہ چند ایسے سوالات ہیں جن کا جواب یہ نظریہ نہیں دے سکتا۔ تاہم پہلا اور سب سے ضروری قدم تو یہ ہے کہ اس نظریے کے ارتقائی عمل سے پوچھا جائے کہ یہ ''پہلا خلیہ'' کیسے پیدا ہوا؟

چونکہ نظریۂ ارتقاء تخلیق سے انکار اور کسی قسم کی ماورائی دخل اندازی کو قبول نہیں کرتا اس لیے وہ اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ ''پہلا خلیہ'' اتفاقاً قوانین فطرت کے مطابق پیدا ہو گیا تھا جس میں کوئی نقشہ و نمونہ، منصوبہ بندی یا ترتیب شامل نہ تھی۔ اس نظریے کے مطابق بے روح اور بے جان مادے نے اتفاقات کے نتیجے میں کسی زندہ خلیے کو پیدا کر دیا ہوگا۔ مگر یہ دعویٰ تو حیاتیات کے ناقابل تردید قوانین کے بھی خلاف ہے۔

''زندگی جنم لیتی ہے زندگی سے''

ڈارون نے اپنی کتاب میں زندگی کی ابتداء کا ذکر بھی نہیں کیا۔ اس کے زمانے میں قدیم سائنسی علم کی بنیاد اس مفروضے پر تھی کہ جانداروں کی ساخت بڑی سادہ سی تھی۔ پھر وسطی زمانے میں خود بخود تخلیق کی بات چلی جس میں یہ نظریہ کارفرما تھا کہ بے جان مادے یکجا ہوئے تو جاندار نامیاتی جسم وجود میں آئے۔

اس نظریے پر اکثریت کا یقین تھا۔ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ بچی کھچی خوراک سے کیڑے پیدا ہوئے اور چوہوں نے گندم سے جنم لیا۔ اس نظریے کو درست ثابت کرنے کے لیے دلچسپ تجربے کیے گئے تھے۔

گندم کے کچھ دانے ایک گندے کپڑے کے ٹکڑے پر رکھ دیئے گئے تھے اور یہ تصور کر لیا گیا تھا کہ کچھ وقت کے بعد ان سے چوہے پیدا ہو جائیں گے۔ اسی طرح گوشت میں پیدا ہونے والے کیڑوں کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا تھا کہ خود بخود تخلیق کا یہ ایک ثبوت تھا۔ تاہم کچھ عرصے بعد پتا چلا کہ گوشت پر کیڑے پیدا ازخود نہیں ہو جاتے بلکہ مکھیاں ان کو لاروا کی شکل میں وہاں لے آتی تھیں اور انہیں انسانی آنکھ نہیں دیکھ سکتی تھی۔

اس دور میں بھی جب ڈارون نے ''جانداروں کی ابتداء'' نامی کتاب لکھی سائنسی دنیا میں یہ تصور عام تھا کہ بکٹیریا بے جان مادے سے جنم لیتا ہے۔

تاہم ڈارون کی کتاب کی اشاعت کے پانچ برس بعد لوئس پیچیور نے اس نظریے کو باطل قرار دے دیا تھا۔ اس سے ارتقاء کی داغ بیل رکھی گئی۔ پیچیور نے یہ خلاصہ وسیع مطالعے اور تجربات کے بعد یوں پیش کیا کہ ''یہ دعویٰ کہ بے جان مادہ زندگی کو جنم دیتا ہے ہمیشہ کے لیے تاریخ کے اوراق میں دفن ہو گیا ہے۔''

نظریۂ ارتقاء کے حامیوں نے کافی عرصے تک پیچیور کی دریافت کی مخالفت کی۔ تاہم جب سائنسی ترقی نے جاندار کے خلیے کی پیچیدہ ساخت کے بھید کو کھولا تو اس تصور کو دھچکا لگا کہ زندگی اتفاقاً وجود میں آ سکتی ہے۔

☆......☆......☆

بیسویں صدی کی لاحاصل کوششیں

پہلا ارتقاء پسند جس نے زندگی کی ابتداء کے موضوع کو بیسویں صدی میں اُٹھایا وہ ایک مشہور روسی حیاتیات دان الیگزینڈر اوپرن تھا۔ 1930ء میں اس نے مختلف دلائل کے ساتھ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ جاندار کے خلیے سے اتفاقاً زندگی کی تخلیق ہوسکتی ہے مگر یہ تحقیق ناکام ہوئی اور اس حیاتیات دان کو درج ذیل اعتراف کرنا پڑا:

"بدقسمتی سے خلیے کی ابتداء ایک سوال بن کر رہ جاتا ہے جو مکمل نظریۂ ارتقاء کا تاریک ترین پہلو ہے۔"

اوپرن کے مقلدین ارتقاء پسندوں نے ایسے تجربات جاری رکھے جن سے زندگی کی ابتداء کا مسئلہ حل ہوسکتا ہو۔ ان میں بہترین تجربہ ایک امریکی کیمیا دان سٹینلے مِلر کا تھا جو اس نے 1953ء میں کیا تھا۔ اس نے ان گیسوں کو اکٹھا کر کے تجربہ کیا جو اس نے بتایا کہ زمین کے قدیم ترین کرۂ ہوائی میں موجود تھیں۔ پھر مِلر نے اس گیسوں کے آمیزے میں توانائی ملائی اور پروٹین کے عناصر ترکیبی میں موجود بہت سے نامیاتی سالموں (امینو ترشوں) کو ملا کر مرکب سازی کی۔

چند ہی برسوں کے بعد یہ ثابت ہوگیا تھا کہ یہ تجربہ جو اسوقت ارتقاء کے نام پر کیا گیا تھا باطل تھا تجربے کے دوران جو کرۂ ہوائی استعمال ہوا وہ زمین کی اصل صورت حال سے بہت مختلف تھا۔

طویل خاموشی کے بعد مِلر نے یہ اعتراف کرلیا تھا کہ کرۂ ہوائی کے جس واسطے کو اس نے استعمال کیا تھا وہ حقیقت سے دُور تھا۔

ارتقاء پسندوں کی تمام کوششیں جو انہوں نے پوری بیسویں صدی میں زندگی کی ابتداء کی تشریح کرنے کے لیے کیں ناکام ثابت ہوئیں۔ ارضی کیمیا دان جیفرے بیدا نے جس کا تعلق سان ڈیاگو سکرپس انسٹی ٹیوٹ سے تھا، اس حقیقت کا اعتراف اپنے ایک مضمون میں کیا جو 1998ء کے ایک رسالے "ارتھ" (زمین) میں شائع ہوا تھا۔

آج جب ہم بیسویں صدی کو پیچھے چھوڑنے والے ہیں ہمارے سامنے وہ سب سے بڑا لاینحل مسئلہ بدستور موجود ہے جو اس وقت بھی تھا جب ہم بیسویں صدی میں داخل ہوئے تھے:

"زمین پر زندگی کی ابتداء کیسے ہوئی؟"

زندگی کی گرہ دار ساخت

زندگی کی ابتداء کے بارے میں نظریۂ ارتقاء اس قدر بڑی ناکامی سے دوچار کیوں ہوا اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جاندار نامیے جو بظاہر بہت سادہ نظر آتے تھے وہ بھی ناقابل یقین حد تک پیچیدہ ساخت والے نکلے۔ ایک جاندار کا خلیہ انسان کی بنائی ہوئی ٹیکنیکل چیزوں سے زیادہ پیچیدہ ہے آج دنیا کی نہایت جدید لیبارٹریوں میں بھی ایک جاندار خلیہ غیرنامیاتی مادوں کو اکٹھا کر کے پیدا نہیں کیا جاسکتا۔

ایک خلیے کو بنانے کے لیے جو مطلوبہ شرائط ہوتی ہیں وہ مقدار میں اتنی زیادہ ہیں کہ ان کی تشریح اتفاقات سے نہیں کی جاسکتی۔ پروٹینز کی امکانیت خلیے کے ساختیاتی حصے جن کی مرکب سازی اتفاقاً کی جارہی ہو، وہ ایک اوسط پروٹین کا 10950 میں سے ایک ہے جو 500 امینو ترشوں سے بنا ہو۔

جانداروں کے بارے میں تمام معلومات ڈی این اے سالمے میں جمع ہوتی ہے۔

معلومات کے جمع ہونے کا یہ ناقابل یقین بہترین طریقہ اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ زندگی اتفاقاً وجود میں نہیں آئی تھی بلکہ اسے کسی مقصدیت کے تحت تخلیق کیا گیا ہے یا یوں کہیے کہ اسے تخلیق کی احسن ترین شکل دی گئی ہے۔

ارتقاء پسندوں کا سب سے بڑا فریب یہ ہے کہ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ زندگی اس زمین پر اچانک وجود میں آ گئی تھی۔ ان دعوؤں کو سچ ثابت کرنے کے لیے انہوں نے ملر تجربے کا سہارا لیا مگر سائنسی حقائق کے مقابلے میں ایک بار اور شکست کھائی۔ 1970ء کے نتائج نے بتایا کہ جس زمین پر زندگی کے آغاز کا دعویٰ کیا گیا تھا وہاں تو زندگی وجود میں آ ہی نہ سکتی تھی۔

ریاضی میں وہ امکانیت جو 1050 کا ایک ہوا سے عملاً ناممکن سمجھا جاتا ہے۔ ڈی این اے سالمہ جو خلیے کے مرکزہ میں ہوتا ہے اور جو جینی معلومات کو اپنے اندر جمع کر لیتا ہے ایک ناقابل یقین ڈیٹا بینک ہے۔ یہ حساب لگایا گیا ہے کہ اگر وہ معلومات جو ڈی این اے میں کوڈ کی جاتی ہے، اسے کاغذ پر لکھا جائے تو اس سے ایک بہت بڑی لائبریری وجود میں آ جائے گی جس میں 900 جلدوں پر مشتمل ایسے انسائیکلوپیڈیا ہوں گے جن میں سے ہر ایک کے 500 صفحات ہوں اس موقع پر ایک بہت دلچسپ الجھاؤ پیدا ہو جاتا ہے، ڈی این اے کا نقش ثانی صرف چند مخصوص پروٹینز (خامروں) کی مدد سے بنایا جا سکتا ہے۔ تاہم ان خامروں کی مرکب سازی ڈی این اے میں کوڈ شدہ معلومات سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ یہ دونوں چونکہ ایک دوسرے پر انحصار کرتے ہیں اس لیے ان کا نقش ثانی بنانے کے لیے ایک ہی وقت میں موجود رہنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اس سے یہ منظر نامہ کہ زندگی خود بخود وجود میں آ گئی تھی یکسر بدل جاتا ہے۔ پروفیسر لیسلے آرگل جو سان ڈیاگو یونیورسٹی کیلی فورنیا کا مشہور ارتقا پسند ہے ''سائنسی امریکی میگزین'' کی ستمبر 1994ء کی اشاعت میں اس حقیقت کا اعتراف یوں کرتا ہے:

اس بات کا امکان بالکل نہیں ہے کہ پروٹینز اور مرکزی ترشے، جو دونوں پیچیدہ ساخت رکھتے ہیں بیک وقت ایک ہی مقام پر پیدا ہوتے ہوں۔ مگر یہ بھی ناممکن ہے کہ

ایک کے بغیر دوسرا ہو۔ چنانچہ پہلی نظر میں انسان اسی نتیجے پر پہنچتا ہے کہ زندگی درحقیقت کیمیائی ذرائع سے کبھی وجود میں نہیں آئی تھی۔

ایک حقیقت جو نظریہ ارتقاء کو منسوخ کر دیتی ہے، یہ ہے کہ زندگی کی ساخت ناقابل یقین حد تک پیچیدہ اور گرہ دار ہے۔ اس کی ایک مثال وہ ڈی این اے سالمے ہیں جو جانداروں کے خلیوں کے مرکزے میں پائے جاتے ہیں۔ ڈی این اے ایک قسم کا ایسا ڈیٹا بینک ہے جو چار مختلف سالموں کی مختلف ترتیب سے وجود میں آتا ہے اس ڈیٹا بینک میں اس جاندار کے تمام طبعی اوصاف کے کوڈ موجود ہوتے ہیں۔ جب ہم انسانی ڈی این اے کو تحریر میں لاتے ہیں تو حساب لگانے سے پتہ چلتا ہے کہ اس سے ایک ایسا انسائیکلوپیڈیا تیار ہو جائے گا جس کی 900 جلدیں ہوں۔ بلاشبہ ایسی غیر معمولی معلومات اس اتفاقاً کے تصور کی تردید کر دیتی ہے۔

بلاشبہ اگر زندگی کے لیے یہ ناممکن ہے کہ وہ قدرتی اسباب سے بھی بیدار ہو جاتی ہے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ اسے مافوق الفطرت طریقے سے ''تخلیق'' کیا گیا تھا۔ یہ حقیقت اس نظریۂ ارتقاء کو واضح طور پر باطل قرار دے دیتی ہے جس کا اصل مقصد ہی تخلیق سے انکار کرنا ہے۔

ارتقاء کے تخیلاتی میکانکی طریقے

دوسری اہم بات جو ڈارون کے نظریے کی نفی کرتی ہے، یہ ہے کہ دونوں تصورات جو یہ نظریہ بطور ''ارتقائی میکانکی طریقوں'' کے پیش کرتے ہیں ان میں درحقیقت کوئی ارتقائی قوت موجود نہ تھی۔

ڈارون نے ارتقاء کے نظریے کی مکمل بنیاد ''قدرتی انتخاب'' کے میکانکی طریقے پر رکھی، اس طریقے کو جو اہمیت اس نے دی وہ اس کی کتاب ''جانداروں کی ابتداء۔ قدرتی انتخاب کے ذریعے'' میں بیان کی گئی ہے۔

قدرتی انتخاب میں اس بات میں یقین کیا جاتا ہے کہ وہ جاندار جو زیادہ طاقتور

ہوں گے اور جہاں وہ قیام پذیر ہیں وہاں کے حالات کے لیے زیادہ موزوں ہوں گے وہی کارزار حیات میں زندہ رہ سکیں گے۔ مثال کے طور پر ہرنوں کا وہ غول جسے جنگلی درندوں کے حملے کا ڈر ہو اس میں سے صرف وہی ہرن بچیں گے جو زیادہ تیز دوڑ سکتے ہیں۔ اس لیے اس ہرنوں کے غول میں تیز تر دوڑنے والے اور مضبوط ہرن ہونے چاہئیں۔ تاہم بلاشبہ اس میکانکی طریقے سے ہرن کسی اور جاندار مثلاً گھوڑوں میں کبھی تبدیل نہیں ہوں گے۔

چنانچہ معلوم یہ ہوا کہ قدرتی انتخاب کا میکانکی طریقہ اپنے اندر کسی طرح کی ارتقائی قوت نہیں رکھتا۔ ڈارون بھی اس حقیقت سے آگاہ تھا اور اس کا ذکر اسے اپنی کتاب ''جانداروں کی ابتدا'' میں کرنا پڑا۔

فرانسیسی حیاتیات دان لیمرک کا اثر

تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ ''موافق تبدیلیاں کیسے وقوع پذیر ہوئیں؟'' ڈارون نے اس سوال کا جواب اپنے دور میں قدیم سائنسی علوم کو سامنے رکھ کر دینے کی کوشش کی۔ ڈارون کے ایک پیشرو لیمرک، جو فرانسیسی حیاتیات دان تھے، کے خیال میں جاندار اپنے وہ خواص جو وہ اپنی زندگی میں حاصل کرتے ہیں آنے والی نسل کو منتقل کر دیتے ہیں۔ پھر یہ خواص جب ایک نسل سے دوسری نسل میں جمع ہوتے جاتے ہیں تو اس طرح نئے اور مختلف جاندار وجود میں آ جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر لیمرک کا موقف یہ تھا کہ زرافہ ایک آہو کی ارتقائی شکل تھی۔ یہ چونکہ اونچے اونچے درختوں کے پتے کھانے کی کوشش کرتے تھے اس لیے نسلاً بعد نسلاً ان کی گردنیں لمبی ہوتی گئیں۔

ڈارون نے بھی ایسی ہی مثالیں دی ہیں۔ مثلاً اس کی کتاب ''جانداروں کی ابتدا'' میں بتایا گیا ہے کہ ریچھ جب پانی میں اپنی خوراک تلاش کرنے گئے تو کچھ وقت گزرنے پر وہیل مچھلیاں بن گئے تھے۔

تاہم قوانین موروثیت جو گریگور مینڈل نے دریافت کیے اور جن کی تصدیق اس علم

جینیات نے کی جو بیسویں صدی میں پھیلا اُس سے تو یہ کہانی بالکل بے بنیاد ثابت ہوئی کہ حاصل کردہ خاصیتیں آنے والی نسلوں کو منتقل کر دی جاتی تھیں۔ یوں قدرتی انتخاب بطور ارتقائی میکانکی طریقہ اپنی مقبولیت کھو بیٹھا تھا۔

حادثاتی طور پر انسانوں اور دوسرے جانداروں میں شکلیں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ تبدیل ہو جانے والی صورتوں کے اثرات کے لیے چونکا دینے والا تجربہ ہے۔

نوڈارونیت اور تبدیلی توارث

کوئی حل تلاش کرنے کے لیے ڈارونیت پسندوں نے 1930ء کے آخر میں ''جدید نظریہ کیمیائی ساخت'' کو عام کیا یا یوں کہیے کہ نو ڈارونیت کو پھیلایا۔ نو ڈارونیت نے اس میں تبدیلئ توارث کا تصور شامل کر دیا تھا جس میں جانداروں کے جنین بیرونی عناصر مثلاً شعاع ریزی یا نقش ثانی بنانے کی غلطیوں کی وجہ سے مسخ ہو جاتے ہیں۔ قدرتی تبدیلئ توارث کے علاوہ یہ ''موافق انحراف کا سبب تھا۔''

آج دنیا میں جو ماڈل ارتقا پیش کرتا ہے وہ نو ڈارونیت ہے۔

اس نظریے کے مطابق زمین پر جو جاندار کئی ملین کی تعداد میں موجود ہیں یہ اس عمل کے نتیجے میں وجود میں آئے جس کے ذریعے ان نامیاتی اجسام کے بے شمار پیچیدہ اعضاء مثلاً کان، آنکھیں، پھیپھڑے اور پنکھ تبدیلئ توارث کے ذریعے وجود میں آئے جسے جینیاتی بے ترتیبی کا نام دیا جا سکتا ہے۔ مگر ایک مسلمہ سائنسی حقیقت ایسی بھی ہے جو اس نظریے کو مکمل طور پر جڑ سے اکھاڑ پھینکتی ہے۔ تبدیلئ توارث جانداروں کو پروان چڑھنے میں مدد نہیں دیتی۔ اس کے برعکس یہ انہیں نقصان پہنچاتی ہے۔

اس کا سبب بڑا آسان ہے: ڈی این اے کی ساخت بڑی پیچیدہ ہوتی ہے اور ارتقائی اثرات اسے صرف نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ ایک امریکی ماہر جینیات بی۔ جی رنگا نتھن اس کی وضاحت یوں کرتا ہے:

بیسویں صدی کے آغاز سے ارتقائی حیاتیات مفید تغیر پذیر جانداروں کی مثالیں

تلاش کرنے کے لیے تغیر پیدا کرنے والی مکھیوں کو تخلیق کرتی رہتی ہے مگر یہ کوششیں بیمار اور معذور مکھیاں پیدا کرسکیں۔

تبدیلئ توارث چھوٹے، اتفاقی اور نقصان دہ ہوتے ہیں۔ یہ کبھی کبھی واقع ہوتے ہیں اور امکان یہ رہتا ہے کہ یہ بے اثر اور لاحاصل ہوں گے۔ یہ چار خاصیتیں ثابت کرتی ہیں کہ تبدیلئ توارث ارتقائی عمل کی طرف کبھی نہیں لے جاتی۔ کسی بہت ہی خاص نامیاتی جسم میں اتفاقی تبدیلی یا تو بے اثر ہوتی ہے یا ضرر رساں۔ کسی گھڑی میں اتفاقی تبدیلی آ جائے تو اس سے وہ اس گھڑی کو بہتر تو نہیں بنا سکتی۔ اس بات کا زیادہ امکان یہ رہتا ہے کہ یہ اسے نقصان پہنچائے گی یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ بے اثر ثابت ہوگی۔ زلزلے سے کوئی شہر بہتر تو نہیں ہوجاتا یہ تو اس کے لیے تباہی و بربادی کا سامان لے کر آتا ہے۔

اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں کہ آج تک کوئی تبدیلئ توارث کی ایسی مثال نہیں ملتی جو مفید ہو اور جس سے جینی کوڈ میں بہتری دیکھنے میں آئی ہو۔ تبدیلئ توارث ہمیشہ ضرررساں ثابت ہوئے ہیں۔ لوگ جانتے تھے کہ تبدیلئ توارث جسے ''ارتقائی میکانکی طریقہ'' کے طور پر پیش کیا جاتا ہے دراصل ایک جینیاتی عمل ہے جو جانداروں کو نقصان پہنچاتا اور انہیں معذور اور اپاہج بنا دیتا ہے (تبدیلئ توارث کا انسانوں پر بدترین اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ کینسر میں مبتلا ہو جاتے ہیں) بیشک ایک تباہ کن میکانکی طریقہ ''ارتقائی میکانکی طریقہ'' نہیں ہوسکتا۔ دوسری جانب قدرتی انتخاب ''از خود کچھ نہیں ہوسکتا'' اور اسے ڈارون نے بھی تسلیم کیا۔ اس حقیقت سے معلوم ہوا کہ فطرت میں ''ارتقائی میکانکی طریقہ'' نام کی کوئی شے نہیں پائی جاتی۔ چونکہ کوئی ارتقائی میکانکی طریقہ وجود نہیں رکھتا اس لیے کوئی تصوراتی عمل جسے ارتقاء کہا جائے ظہور پذیر نہیں ہوا۔

ساتھ ساتھ انہوں نے اپنا وجود تبدیل کر لیا تھا اور یہ اب کوئی اور شے بن گئے تھے۔ اس نظریے کے مطابق تمام جاندار اسی طرح وجود میں آئے اور کئی ملین برس سے یہ عمل جاری ہے۔

اگر فی الواقع ایسا ہی ہوتا تو بیشمار درمیان کے جاندار موجود ہوتے اور منتقلی کے اس

طویل عرصے کے دوران انہوں نے زندگی گزاری ہوتی۔

فوسل ریکارڈ: نظریۂ ارتقاء کے مطابق ہر جاندار اپنے پیشرو سے وجود میں آیا ہے۔ نظریۂ ارتقاء کا دعویٰ ہے کہ جاندار آہستہ آہستہ ایک دوسرے سے وجود میں آئے جبکہ فوسل ریکارڈ اس کی تردید کرتا ہے مثلاً کیمبرین عہد میں 550 ملین برس پہلے چند نمایاں جاندار اچانک وجود میں آ گئے تھے۔ اس حقیقت کو سائنسی ادب میں ''کیمبرین دھماکہ'' کا نام دیا گیا جو تخلیق کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

مثال کے طور پر نصف مچھلی اور نصف مگرمچھ ماضی میں کبھی ضرور زندہ رہے ہوتے جب ان میں مچھلی کی خاصیتوں کے علاوہ کچھ خاصیتیں مگرمچھ کی بھی پیدا ہوگئی تھیں۔ یا ہوا میں سانس لینے والے کچھ ایسے پرندے موجود ہوتے جن میں ان کی اپنی پرندوں کی خاصیتوں کے ساتھ ساتھ چھپکلی یا رینگنے والے کیڑے مکوڑوں کی خصوصیات بھی پیدا ہوگئی تھیں چونکہ یہ ان کا عبوری زمانہ تھا اس لیے وہ معذور اپاہج، نقص دار، لولے لنگڑے جاندار ہوتے۔ ارتقاء پسندوں نے خیالی جانداروں کا ذکر کیا ہے جو ان کے نظریے کے مطابق ماضی میں زندہ تھے اور یہ ان کا ''عبوری شکلوں'' کا زمانہ تھا۔

اگر ایسے جانور واقعی موجود تھے تو یہ کئی ملین بلکہ کئی بلین تعداد میں اور قسموں میں موجود ہونے چاہییے تھے۔ مزید یہ کہ کم از کم ان عجیب وغریب جانوروں کا فوسل ریکارڈ تو دستیاب ہوتا ڈارون اپنی کتاب ''جانداروں کی ابتداء'' میں لکھتا ہے:

> ''اگر میرا نظریہ حقیقت پر مبنی ہوتا تو درمیانی عرصے کے بیشمار جاندار، جن کا قریبی تعلق اسی گروپ کے جانداروں سے ہوتا، ضرور موجود ہوتے۔ بالآخر ان کے گذشتہ وجود کا ثبوت صرف فوسل ریکارڈ میں مل سکتا تھا۔''

نک سک سے آراستہ پیدا ہونا جس میں اس کا کوئی ارتقائی جدامجد نہ تھا۔ یہ ثابت کرتا ہے کہ اسے تخلیق کیا گیا تھا۔ اس حقیقت کا اعتراف ایک مشہور حیاتیات دان ڈگلس ایف نے بھی کیا ہے۔

تخلیق اور ارتقاء، ان کے درمیان جانداروں کی ابتداء کی ممکنہ تشریحات ختم ہو جاتی ہیں نامیاتی اجسام یا تو زمین پر مکمل شکل میں نمودار ہوئے یا ایسا نہیں ہوا۔ اگر ایسا نہیں ہوا تو وہ ضرور اپنی نسل کے ان جانداروں سے ترقی کر کے یہاں تک پہنچے جو ان سے قبل موجود تھے اور ایسا کسی ترمیم و تبدیلی کے عمل کے ذریعے ہوا ہوگا۔ اگر وہ مکمل شکل میں نمودار ہوئے تو ضرور انہیں کسی قادر مطلق نے پیدا کیا ہوگا۔

فوسل ریکارڈ سے پتہ چلتا ہے کہ جاندار زمین پر مکمل شکل میں پیدا ہوئے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ ''جانداروں کی ابتداء'' ڈارون کے مفروضے کے بالکل برعکس ہوئی جس میں ارتقاء نہیں بلکہ تخلیق شامل تھی۔

ڈارون کی اُمیدوں پر پانی پھر گیا

گو دنیا بھر میں 19ویں صدی کے وسط میں ارتقاء پسند فوسل تلاش کرنے کی کوششوں میں مصروف رہے مگر عبوری دَور کی بیچ کی شکلوں سے فوسلز نہیں مل سکے۔ کھدائیوں کے دوران جو فوسلز دستیاب ہوئے ان سے ارتقاء پسندوں کی توقعات کے برعکس یہ ثابت ہوا کہ زمین پر زندگی اچانک اور جامع شکل میں شروع ہوئی۔

ایک مشہور برطانوی ماہر قدیم حیاتیات ڈیرک وی ایجر اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے، حالانکہ وہ خود ارتقاء پسند ہے:

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم جب فوسل ریکارڈ کا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں، خواہ یہ اصناف کی سطح پر ہو یا جانداروں کی سطح پر تو ہمیں قدم قدم پر پتہ چلتا ہے کہ ارتقاء بتدریج نہیں ہوا بلکہ ایک گروہ کا دوسرے گروہ کی قربانی کی بنیاد پر اچانک وجود میں آنا ثابت ہوتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ فوسل ریکارڈ کے مطابق تمام جاندار مکمل شکل میں اچانک پیدا ہوئے اور ان کی درمیانی یا بیچ کی کوئی شکل نہ تھی۔ یہ ڈارون کے مفروضوں کے بالکل برعکس بات ہے۔

انسانی ارتقاء کی کہانی

نظریۂ ارتقاء کے حامیوں کی طرف سے جو موضوع اکثر زیر بحث لایا جاتا ہے وہ انسان کی ابتداء کے بارے میں ہے۔ ڈارونیت پسندوں کا دعویٰ یہ ہے کہ آج کے انسان بوزنے جیسی کسی مخلوق سے موجودہ شکل میں منتقل ہوئے ہیں۔ یہ ارتقائی عمل جسے چار پانچ ملین برس پرانا تصور کیا جاتا ہے اس کے مطابق دعویٰ یہ کیا جاتا ہے کہ دور جدید کے انسان اور اس کے آباؤ اجداد کے درمیان کوئی ''عبوری شکلیں'' بھی تھیں، جو موجود تھیں۔ اس مکمل خیالی منظر نامے کے مطابق چار بنیادی درجے یہ ہیں:

1۔ آسٹرالوپیتھسیز (Australopithecines)

2۔ قدیم انسان (Homo habilis)

3۔ دور وسطیٰ کا انسان (Homo erectus)

4۔ موجودہ انسان (Homo Sapiens)

ارتقاء پسند، انسانوں اور بوزنوں کے ان مشترک نام نہاد آباؤ اجداد کو آسٹرالوپیتھسنز کہتے ہیں جن سے مراد ''جنوبی افریقی بوزنے'' ہیں۔ یہ سوائے بوزنے کی ایک قدیم نسل کے اور کچھ نہیں ہیں جو اب کرۂ ارض سے مٹ چکی ہے۔ برطانیہ اور امریکا کے دو عالمی شہرت کے حامل ماہرین تشریح الابدان لارڈ سولی ذکرمین اور پروفیسر چارلس آکسنرڈ نے مختلف آسٹرالوپیتھسنز پر وسیع تحقیق کی اور اس نتیجے پر پہنچے کہ ان کا تعلق عام بوزنوں سے تھا جو اب ناپید ہو چکے ہیں اور انسانوں سے ان کی کوئی مشابہت نہیں۔

ارتقاء پسندوں نے انسانی ارتقاء کے اگلے مرحلے کو ہومو کے درجے میں رکھا ہے جس کے معنی ہیں ''انسان''۔ ان کے دعووں کے مطابق اس درجے کے زندہ جانور آسٹرالوپیتھیکس کی نسبت زیادہ ترقی یافتہ ہیں۔

ارتقاء پسندوں کے اخبارات اور رسائل اکثر قدیم انسان کی تصاویر چھاپتے رہتے ہیں۔ یہ کسی آرٹسٹ کے تخیل کی پیداوار ہوتی ہیں۔ سائنسی اعداد و شمار نے نظریۂ ارتقاء کا پول اس قدر کھول دیا ہے کہ آج سنجیدہ پریس میں اس کا ذکر کم سے کم آ رہا ہے۔

ارتقاء پسندوں نے ان جانداروں کے فوسلز کو ایک خاص ترتیب سے رکھ کر ایک تصوراتی ارتقائی سکیم تیار کی۔ یہ سب خیالی سکیم ہے کیونکہ یہ کبھی ثابت نہیں ہوسکا کہ ان مختلف درجوں میں ارتقاء کا کوئی رشتہ پایا جاتا ہے۔ بیسویں صدی میں ارنسٹ میئر نے جو نظریۂ ارتقاء کا دفاع کرنے والوں میں پیش پیش تھا اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ وہ سلسلہ جو موجودہ انسان تک پہنچتا ہے دراصل کہیں گم گیا ہے۔

اس مربوط زنجیر کا خاکہ یہ ارتقاء پسند اس طرح بناتے ہیں:

آسٹرالوپتھیکس قدیم انساندورِ وسطیٰ کا انسانموجودہ انسان۔ ان کے خیال میں ان انواع میں سے ہر کوئی ایک دوسرے کا مورثِ اعلیٰ ہے۔ تاہم ماہرین قدیم حیاتیات نے حال ہی میں یہ انکشاف کیا ہے کہ یہ چاروں انواع بیک وقت دنیا کے مختلف خطوں میں پائی جاتی تھیں۔ مزید یہ کہ نسل انسانی کے ایک حصے کو جسے قدیم انسان کا عہد قرار دیا جاتا ہے ایک جدید عہد تک زندہ وسلامت رہنے کا حکم ملا ہے۔ موجودہ انسان، پتھر کے زمانے کا انسان (نینڈرتھل) اور جدید انسان ایک ہی خطۂ ارض میں موجود تھے۔ یہ صورت حال بظاہر اس دعوے کے مطابق ہونے کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ وہ ایک دوسرے کے آباؤ اجداد ہیں۔ ہارورڈ یونیورسٹی کے ماہر قدیم حیاتیات سٹیفن جے گولڈ جو خود بھی ارتقاء پسند ہیں نظریہ ارتقاء کے تعطل کے بارے میں لکھتے ہیں:

ہمارے زینے کا کیا ہوا ہے۔ اگر ایک ہی زمانے میں نوع انسانی کی تین صفیں ہیں (اے۔ افریقی، تنومند آسٹرالوپیتھی سینز اور قدیم انسان) اور کسی نے بھی ایک دوسرے سے واضح طور پر کچھ حاصل نہیں کیا؟ مزید یہ کہ ان تینوں میں سے کسی ایک نے بھی ارتقائی رجحان اس کرۂ ارض پر اپنے عرصہ زندگی میں نہیں دکھایا۔

مختصر یہ کہ انسانی ارتقاء کا منظر نامہ جسے پیش کرتے وقت مختلف تصاویر کی مدد لی جاتی ہے جن میں ''نصف بوزنے، نصف انسان'' جیسی مخلوق کو ذرائع ابلاغ اور نصاب کی کتب میں دکھایا گیا ہے۔ یہ دراصل پروپیگنڈے کی ایک شکل ہے اور ایک ایسی کہانی ہے جس کی کوئی سائنسی بنیاد نہیں ہے۔

برطانیہ کے سائنسدانوں میں ایک بہت نامور محترم نام لارڈ سولی ذکرمین کا ہے وہ

برسوں فوسل ریکارڈ کا مطالعہ کرتا رہا اور اس موضوع پر کئی برس تحقیق کی۔ اس نے آسٹرالوپتھیکس فوسلز کا 15 سال تک مطالعہ کیا۔ اور بالآخر اس نتیجے پر پہنچا کہ اس قسم کا کوئی شجرۂ نسب نہیں ہے جس میں یہ دکھایا گیا ہو کہ انسان بوزنے کی قسم کی مخلوق ہے اس سائنسدان نے ایک دلچسپ ''سائنسی طیف'' بنایا جو سائنسی اور غیر سائنسی کے درمیان پھیلا ہوا تھا۔ اس کے طیف کے مطابق نہایت ''سائنسی'' یعنی سائنس کے ٹھوس اعداد وشمار والے شعبوں کیمیا اور طبیعیات پر انحصار کرتے ہوئے اسے مکمل کیا گیا تھا۔

ذکرمین نے ایک دلچسپ ''سائنسی طیف'' بھی بنایا تھا یہ سائنسی اور غیر سائنسی کے درمیان تصور ہوتے تھے۔ ذکرمین کے سائنسی طیف کے مطابق جو نہایت ''سائنسی'' ہے اور جس کا انحصار ٹھوس اعداد وشمار پر ہے۔ سائنس کے شعبوں میں کیمیا اور طبیعیات ہیں۔ ان کے بعد حیاتیاتی سائنسز آتی ہیں اور پھر سوشل سائنسز کی باری آتی ہے۔ طیف کے آخری سرے پر جسے نہایت ''غیر سائنسی'' حصہ تصور کیا جاتا ہے خارج از حواس عمل ادراک ہوتا ہے۔ یہ وہ تصورات ہیں جنہیں ٹیلی پیتھی اور چھٹی حس کا نام دیا جاتا ہے اور بالآخر یہ ''انسانی ارتقاء'' کا نام لے لیتا ہے۔ ذکرمین اپنا استدلال یوں پیش کرتا ہے:

پھر ہم معروضی صداقت سے حیاتیاتی سائنس کے شعبوں میں داخل ہوتے ہیں جس طرح خارج از حواس عمل ادراک میں یا انسان کے فوسل کی تاریخ کی تشریح میں جہاں ایک مخلص ماہر ارتقاء کے لیے ہر شے ممکن ہو جاتی ہے اور جہاں ایک پکا ماہر ارتقاء (ارتقاء میں) بعض اوقات بیک وقت بہت سی متضاد باتوں میں یقین کرنا شروع کر دیتا ہے۔

انسانی ارتقاء کی کہانی نیچے آتے آتے وہاں پہنچ جاتی ہے جہاں کچھ باقی نہ رہا ہو۔ مگر چند افراد نے کچھ ایسے فوسل کھود کر نکالے ہیں جو اپنے نظریے پر اندھا یقین رکھتے ہیں۔

ڈارونی فارمولا!

اس ٹیکنیکل ثبوت کے علاوہ جس پر ہم اب تک بحث کر چکے ہیں۔ آئیے اب یہ

دیکھتے ہیں کہ ارتقاء پسند اب تک وہ سیدھی سادہ سی مثال کیوں نہیں سمجھ سکے جسے بچے بھی سمجھ جاتے ہیں۔

نظریۂ ارتقاء اس بات پر زور دیتا ہے کہ زندگی اتفاقاً وجود میں آئی ہے۔ اس دعوے کے مطابق بے جان اور بے حس ایٹموں نے باہم مل کر ایک خلیہ تشکیل دیا تھا۔ پھر انہوں نے کسی طرح دوسری جاندار چیزیں بنا لی تھیں جن میں اِنسان بھی شامل تھا۔ ہمیں اس بارے میں سوچنا ہوگا۔ زندگی کو تشکیل دینے والے عناصر کو جب ہم یکجا کرتے ہیں مثلاً کاربن، فاسفورس، نائٹروجن اور پوٹیشیم تو صرف ایک ڈھیر تشکیل پاتا ہے، خواہ اس کے لیے کیا کچھ نہ کرنا پڑے یہ ایٹمی ڈھیر ایک بھی زندہ انسان کو تخلیق نہیں کر سکتا۔ اگر آپ پسند کریں تو ہم اس موضوع پر ایک تجربہ کر کے ارتقاء پسندوں کی طرف سے یہ جائزہ لیتے ہیں کہ جسے وہ ''ڈارونی فارمولا'' کہتے ہیں وہ کیا ہے۔

ارتقاء پسند انسانوں کو تخلیق کرنے کے لیے جس قدر مواد چاہیں بڑے بڑے ڈرموں میں ڈال لیں جیسے فاسفورس، نائٹروجن، کاربن، آکسیجن، لوہا اور میگنیشم۔ انہیں یہ بھی اجازت ہے کہ ان میں کوئی ایسا مادہ بھی ڈال لیں جو عام حالات میں موجود نہیں ہوتا مگر وہ اسے ضروری سمجھتے ہوں۔ وہ اس ملغوبے میں جتنے امینو ترشے چاہیں ملا لیں۔ یہ قدرتی حالات میں تشکیل پانے کا کوئی امکان نہیں رکھتے۔ وہ حسب منشا پروٹین بھی شامل کر سکتے ہیں۔ ان میں سے ایک کی تشکیلی امکانیت 10950 ہوتی ہے۔ وہ اپنی مرضی کے مطابق اس ملغوبے کو جس درجے کی حدت اور نمی باہم پہنچانا چاہئیں، انہیں اجازت ہے۔ وہ اپنی خوشی سے جس ٹیکنالوجی کی مدد سے چاہیں اس ملغوبے کو پھٹک سکتے ہیں۔ یہ لوگ صف اوّل کے سائنس دانوں کو بھی ان ڈرموں کے قریب بٹھا سکتے ہیں۔ یہ سائنس دان اربوں برس تک ان ڈرموں کے قریب بیٹھے رہیں۔ انسانی شکل کو بنانے کے لیے جو باتیں ضروری ہوتی ہیں۔ یہ ان کو بروئے کار لا سکتے ہیں۔ یہ ایڑی چوٹی کا زور لگا لیں تب بھی ان ڈرموں میں سے ایک انسان بھی تخلیق نہیں کر پائیں گے۔ یہ لوگ انسان تو انسان، شیر، زرّافہ، شہد کی مکھی، گوڑے، ڈالفن، تربوز، خربوزہ، انجیر، زیتون، انگور، مالٹا، آڑو، کھجور، ٹماٹر، رنگ برنگی تتلیاں اور ان جیسی چیزیں لاکھوں اور چیزیں نہ بنا سکیں گے۔ یہاں تک کہ ان میں سے

کسی ایک کا صرف ایک خلیہ بھی حاصل نہ کر سکیں گے۔

المختصر یہ کہ بے جان اور بے حس ایٹم مل کر بھی ایک خلیہ تخلیق نہیں کر سکتے۔ یہ ایک نیا فیصلہ بھی نہیں کر سکتے تاکہ ایک خلیے کو دو حصوں میں تقسیم کر سکیں۔ نہ ہی یہ ایسے پروفیسروں کو تخلیق کر سکتے ہیں جنہوں نے سب سے پہلے الیکٹران مائیکروسکوپ ایجاد کی تھی تاکہ پھر وہ اپنے خلیے کی ساخت کا اس مائیکروسکوپ سے معائنہ کر سکیں مادہ ایک بے حس، بے جان ڈھیر ہے اور اسے صرف اللہ ہی زندگی بخش سکتا ہے۔

نظریۂ ارتقاء جو اس کے برعکس دعویٰ کرتا ہے وہ مکمل طور پر استدلال کے مقابلے میں ایک مغالطے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ ارتقاء پسندوں کے دعووں پر معمولی سا غور بھی کیا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے۔

کیمروں اور آواز ریکارڈ کرنے والے آلات سے مقابلہ کیا جائے تو انسانی آنکھ اور کان زیادہ پیچیدہ ہیں اور یہ زیادہ کامیابی سے اپنا اپنا کام کر رہے ہیں۔ یہ جدید ترین اعلیٰ ٹیکنالوجی کی مصنوعات کے مقابلے میں کہیں زیادہ اچھے ڈیزائن میں تخلیق کیے گئے ہیں۔

آنکھ اور کان کے اندر کی ٹیکنالوجی

ایک اور موضوع ایسا ہے جس کے بارے میں نظریۂ ارتقاء کے پاس کوئی جواب نہیں ہے اور وہ ہے آنکھ اور کان کے اندر کا ادراک۔

آنکھ کے موضوع کی طرف آنے سے قبل آیئے ہم اس سوال کا مختصر جواب دے دیں۔

کہ ''ہم دیکھتے کس طرح ہیں'' کسی شے سے نکلنے والی شعاعیں آنکھ کے پردے پر مخالف سمت سے پڑتی ہیں۔ یہاں روشنی کی ان کرنوں کو خلیے برقی اشاروں میں منتقل کر دیتے ہیں اور وہ ایک چھوٹی سی جگہ میں، دماغ کے پچھلے حصے میں پہنچ جاتے ہیں جسے مرکز نظر کہتے ہیں۔ یہ برقی اشارے دماغ کے اس مرکز میں مسلسل کئی مراحل سے گزر کر ایک شبیہ کے طور پر ادراک میں آتے ہیں۔ اس ٹیکنیکل پس منظر کے ساتھ آیئے اب ہم اس پر

کچھ غور وفکر کرتے ہیں۔

دماغ روشنی سے غیر موصل کر دیا جاتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ دماغ کا اندرونی حصہ پوری طرح تاریک ہے اور جہاں دماغ واقع ہے وہاں تک روشنی نہیں پہنچ سکتی۔ وہ مقام جسے مرکزِ نظر کہتے ہیں وہ مکمل تاریک ہوتا ہے جہاں تک روشنی کبھی نہیں پہنچ پاتی۔ یہ شاید اس قدر تاریک مقام ہے جتنا تاریک مقام کوئی اور آپ جانتے ہی نہ ہوں۔ تاہم اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں آپ کو ایک چمکتی دمکتی روشن دنیا دکھائی دے گی۔

وہ شبیہہ جو آنکھوں میں متشکل ہوتی ہے اس قدر واضح اور نمایاں ہوتی ہے کہ بیسویں صدی کی ٹیکنالوجی بھی اسے حاصل نہیں کر سکتی۔ مثال کے طور پر اس کتاب کو دیکھیے جو آپ پڑھتے ہیں، اپنے ہاتھوں پر نظر ڈالیں جن سے آپ نے اس کتاب کو تھام رکھا ہے، اب اپنا سر اُٹھائیے اور اپنے اردگرد نگاہ ڈالیے...... کیا آپ نے کبھی کسی اور جگہ اس قدر واضح اور نمایاں شبیہہ دیکھی ہے جیسی یہ ہے؟ یہاں تک کہ ٹی وی کی نہایت ترقی یافتہ سکرین جسے دنیا کے کسی بڑے کاریگر نے بنایا اس طرح کی واضح شبیہہ آپ کو نہیں دے سکتی۔ یہ شبیہہ سہ جہتی، رنگین اور انتہائی واضح ہوتی ہے۔ ایک سو سال سے زیادہ عرصے تک ہزاروں انجینئر اس کوشش میں لگے رہے کہ ایسی ہی واضح تصویر پیش کر سکیں، بڑے بڑے کارخانے قائم کیے گئے، بڑی تحقیق ہوئی، اس مقصد کے حصول کے لیے منصوبہ سازی ہوئی نئے نئے ڈیزائن بنے مگر ویسی واضح اور صاف تصویر پیش نہ کی جا سکی۔ ٹی وی سکرین پر آپ کو دو جہتی تصویر دکھائی دیتی ہے جبکہ آپ اپنی آنکھوں سے سہ جہتی تصویر دیکھتے ہیں جس میں گہرائی ہوتی ہے۔

برسوں سے انجینئر ایک سہ جہتی تصویر والا ٹی وی بنانے میں لگے ہوئے ہیں تاکہ انسانی آنکھ کی تصویر کے معیار تک پہنچ سکیں۔ ہاں انہوں نے اب ایک سہ جہتی ٹی وی سسٹم بنا لیا ہے مگر آنکھوں پر عینک چڑھائے بغیر اسے دیکھنا ممکن نہیں ہے۔

مزید یہ کہ یہ تو صرف ایک مصنوعی سہ جہت ہے۔ پس منظر بڑا دُھندلا ہے اور پیش منظر ایک کاغذی منظر لگتا ہے۔ ایسا کبھی ممکن نہیں ہو سکا کہ آنکھ کی طرح کی واضح اور نمایاں تصویر پیش کی جا سکے۔ کیمرے اور ٹی وی دونوں میں تصویر کا معیار کمتر پایا جاتا ہے۔

اِرتقاء پسند یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ میکانکی عمل جو یہ واضح اور نمایاں تصویر بناتا ہے

وہ اتفاقاً وجود میں آیا ہے۔ اب اگر کوئی آپ کو یہ بتا چکا ہو کہ وہ ٹی وی جو آپ کے کمرے میں رکھا ہے اتفاقاً بن گیا اس کے تمام پُرزے اتفاقیہ طور پر بن گئے اور پھر ایک آلہ تیار ہو گیا جو تصویر پیش کرتا ہے تو آپ کیا سوچیں گے؟ پُرزے وہ سب کچھ کیسے کر سکتے ہیں جو ہزاروں انسان نہ کر سکے؟

تقریباً ایک صدی سے ہزاروں انجینئر اس تحقیق میں مصروف ہیں اور بڑی بڑی اعلیٰ فنی تجربہ گاہوں اور صنعتی کارخانوں میں مصروف عمل ہیں۔ وہ جدید ترین آلات استعمال کر رہے ہیں مگر پھر بھی جو وہ پیش کر چکے ہیں اس سے اور زیادہ کچھ نہیں بنا سکے۔

اگر ایک آلہ جو آنکھ کی نسبت زیادہ پُرانی تصویر پیش کر رہا ہے اتفاقاً وجود میں نہیں آ گیا تھا تو پھر یہ بات عیاں ہے کہ آنکھ اور آنکھ سے نظر آنے والی تصویر اتفاقاً وجود میں نہیں آئی۔ اس کے لیے ٹی وی کی نسبت ایک زیادہ دانشمندانہ منصوبہ سازی اور ڈیزائن کی ضرورت ہے۔ تصویر کی منصوبہ سازی اور اسے واضح اور نمایاں بنانے کا کام خدا سے تعلق رکھتا ہے جسے تمام چیزوں پر پوری پوری قدرت حاصل ہے۔

یہی صورت حال کان سے متعلق ہے۔ کان کا بیرونی حصہ لالۂ گوش کی مدد سے دستیاب آوازوں کو اُچک لیتا ہے اور انہیں کان کے درمیانی حصے کی سمت بھیج دیتا ہے۔ کان کا درمیانی حصہ آواز کی لہروں میں شدت پیدا کرنے کے بعد ان کی ترسیل کرتا ہے۔ کان کا اندرونی حصہ ان لہروں کو برقی اشاروں میں بدل کر دماغ کو بھیج دیتا ہے جیسا کہ آنکھ کرتی ہے سماعت کا کام دماغ کے مرکزِ سماعت میں جا کر حتمی صورت اختیار کرتا ہے۔

آنکھ میں جو صورت حال ہوتی ہے وہ کان کے لیے بھی درست اور صحیح ہے اور وہ یہ ہے کہ دماغ آواز سے جُدا کر دیا جاتا ہے، جس طرح یہ روشنی سے کیا جاتا ہے۔ یہ کسی آواز کو اندر نہیں جانے دیتا۔ اس لیے قطع نظر اس بات کے کہ باہر جس قدر بھی شور ہو دماغ کا اندرونی حصہ مکمل طور پر خاموشی میں ہوتا ہے۔ تاہم نہایت واضح ترین آوازیں دماغ میں ادراک پاتی ہیں۔ آپ کے دماغ میں جسے آواز سے جُدا کر دیا گیا ہو آرکیسٹرا کی دُھنیں سنائی دیتی ہیں اور کسی پُرہجوم مقام کی تمام شور وغل سے بھرپور آوازیں آتی ہیں۔

آیئے ایک بار پھر انسانوں کی بنائی ہوئی ٹیکنالوجی سے کان اور دماغ میں موجود

اعلیٰ، معیاری اور بہترین ٹیکنالوجی کا مقابلہ کرتے ہیں۔ جیسا کہ تصویر کے حوالے سے بات ہوئی، برسوں سے یہ کوششیں ہورہی ہیں کہ ایسی آواز پیدا کی جا سکے یا دوبارہ پیدا کی جائے جو بالکل اصل جیسی ہو۔ ان ساری کوششوں کا نتیجہ صوت نگار مشینوں، آواز کی ہو بہو نقالی کے سسٹم اور آواز کے واضح ادارک کے لیے سسٹم کی شکل میں سامنے آیا ہے اس ساری ٹیکنالوجی، ہزاروں انجینئروں اور ماہرین کے مصروف کار رہنے کے باوجود کوئی ایسی آواز حاصل نہیں ہوسکی جس میں اسی قدر وضاحت وصفائی ہوتی جس قدر کہ اس آواز میں جس کو کان سُن سکتا ہے۔ مطابق بہ اصل ہائی فائی (Hi-Fi) کی اعلیٰ کارکردگی کا تصور کیجیے جسے موسیقی کی صنعت میں ایک سب سے بڑی کمپنی نے تیار کیا ہے۔ ان آلات میں بھی جب آواز کو ریکارڈ کیا جاتا ہے تو اس کا کچھ حصہ ضائع ہو جاتا ہے۔ جب آپ اس مطابق بہ اصل سسٹم کا بٹن دباتے ہیں تو آپ کو موسیقی کے آغاز سے قبل ایک سسکاری سنائی دیتی ہے تاہم انسانی جسم کی ٹیکنالوجی سے پیدا ہونے والی آوازیں زیادہ واضح اور صاف ہوتی ہیں۔ انسانی کان میں آواز کے ساتھ کوئی سسکاری سنائی نہیں دیتی جیسا کہ ہائی فائی میں ہوائی سسکاری سنائی دیتی ہے۔ کان آواز کو اسی طرح سنتا ہے جسے طرح کی وہ ہوتی ہے، واضح اور صاف صاف۔

آج تک انسان کوئی ایسا بصری یا ریکارڈ کرنے والا آلہ تیار نہیں کر سکا جو اس قدر حساس اور کامیاب ہوتا جس قدر انسانی آنکھ اور کان۔ تاہم جہاں تک دیکھنے اور سننے کی بات ہے ایک کہیں بڑی حقیقت اس سب کچھ سے بھی آگے ہے۔

دماغ کے اندر موجود آگہی جو دیکھتی اور سنتی ہے، اس کا مالک کون ہے؟

دماغ کے اندر جو دلکش اور دلرُبا دنیا آباد ہے اسے کون دیکھتا ہے، پرندوں کی

چہچہاہٹ اور مسحور کن نغمے کون سنتا ہے اور جسم و جاں کو معطر کرنے والی گلاب کی خوشبو کون سُونگھتا ہے؟

ایک انسان کی آنکھوں، کانوں اور ناک سے نکلنے والے ہیجانات برقی کیمیائی عصبی ریشے میں انتقال احساس کے طور پر دماغ کی طرف سفر کرتے ہیں۔ حیاتیات، عضویات اور حیاتیاتی کیمیا کی کتابوں میں اس بارے میں آپ کو بڑی تفصیل مل سکتی ہے کہ یہ شبیہہ دماغ میں کس طرح تشکیل پاتی ہے۔ تاہم آپ کا اس نہایت اہم حقیقت سے کبھی آمنا سامنا نہ ہوگا: ان برقی کیمیائی عصبی ریشوں میں انتقال احساس کی مختلف شکلوں، آوازوں، خوشبوؤں اور حسی انگیختوں میں بدلنے کا ادراک کون کرسکتا ہے؟ دماغ میں ایک آگہی ہوتی ہے جو اس سب کچھ کا ادراک کرتی ہے اور اسے آنکھ، کان اور ناک کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ اس آگہی کا مالک کون ہے؟ یقیناً اس کا تعلق اعصاب، چربی کی تہہ اور ان عصبی خلیوں سے نہیں ہوتا جن سے دماغ بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈارونی مادہ پرست جن کا خیال یہ ہے کہ ہر شے مادے سے بنتی ہے، ان سوالات کا جواب نہیں دے سکتے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ آگہی وہ رُوح ہے جس کا خالق اللہ ہے، جسے تصویروں کو دیکھنے کے لیے آنکھ کی ضرورت نہیں ہوتی نہ آوازیں سننے کے لیے کان درکار ہوتے ہیں۔ مزید یہ کہ اسے سوچنے کے لیے دماغ کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔

جو کوئی بھی اس واضح سائنسی حقیقت کو پڑھتا ہے اسے اللہ تعالیٰ کے بارے میں غور کرنا چاہیے، اس سے ڈرنا چاہیے اور اسی میں پناہ تلاش کرنی چاہیے۔ وہی ذات باری تعالیٰ پوری کائنات کو سمیٹ کر چند مربع سینٹی میٹروں پر مشتمل ایک سہ جہتی، رنگین، سایہ دار اور روشن و چمکدار شکل میں محدود کر دیتا ہے۔

ایک مادہ پرست عقیدہ

وہ ساری معلومات جو ہم نے اب تک پیش کیں ہمیں بتاتی ہیں کہ نظریۂ ارتقاء سائنسی دریافتوں سے بالکل ہم آہنگ نہیں ہے۔ اس نظریے کا جو دعویٰ زندگی کی ابتداء کے بارے میں ہے وہ سائنس کے خلاف جاتا ہے۔ جس ارتقائی میکانیات کو یہ تجویز کرتا

ہے اس میں کوئی ارتقائی قوت نہیں ہے۔ فوسل یہ بتاتے ہیں کہ مطلوبہ درمیانی شکلیں کبھی موجود ہی نہ تھیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ نظریۂ ارتقاء کو ایک غیر سائنسی تصور سمجھتے ہوئے پسِ پشت ڈال دیا جانا چاہیے۔ سائنس کی تاریخ میں ایسے بہت سے تصورات کا ذکر ہے جنہیں پس پشت ڈال دیا گیا تھا۔

تاہم نظریۂ ارتقاء سائنس کے ایجنڈے پر موجود ہے۔ کچھ لوگ اس تنقید کو بھی ''سائنس پر حملے'' کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو اس کے خلاف ہوئی۔ ایسا کیوں ہے؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ نظریہ چند حلقوں میں ایک ناگزیر کٹر عقیدے کے طور پر لیا جاتا ہے۔ یہ حلقے اس مادی فلسفے پر اندھا یقین رکھتے ہیں اور فطرت کیسے کام کرتی ہے۔ اس بارے میں یہ ڈارونیت کا سہارا لیتے ہیں کیونکہ یہ واحد مادی تشریح ہے جس کی وہ مدد لے سکتے ہیں۔

یہ بات بھی بڑی دلچسپ ہے کہ یہ لوگ وقتاً فوقتاً اس حقیقت کو تسلیم بھی کرتے آئے ہیں۔ ایک مشہور ماہر جینیات اور صاف گو ارتقاء پسند رچرڈ سی لیون ٹن جس کا تعلق ہارورڈ یونیورسٹی سے ہے اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ وہ ''اوّل ایک مادہ پرست ہے اور بعد میں ایک سائنس دان'':

> ''ایسا نہیں ہے کہ سائنس کے طریقے اور قوانین ہمیں کسی طور اس بات پر مجبور کرتے ہیں کہ ہم اس مظاہراتی دنیا کی مادی تشریح کریں بلکہ اس کے برعکس ہم چونکہ ایک عرصے سے مادی اسباب سے وابستہ ہیں اور تحقیق کا ایک ایسا آلہ بنانا چاہتے ہیں جس کی مدد سے ہم مادی تشریحات پیش کر سکیں۔ اس کے لیے ہمارے چند تصورات بھی ہونے چاہئیں۔ ہمیں اس کی پرواہ نہیں کہ دوسرے اس بارے میں کیا خیال کریں گے۔ مادہ پرستی ہر پابندی سے آزاد ہے اس لیے ہم دروازے میں کسی متبرک اور مقدس پاؤں کو اجازت نہیں دے سکتے۔''

ایسے بہت سے واضح بیانات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈارونیت ایک کٹر عقیدہ ہے جسے صرف اس لیے زندہ رکھا گیا ہے تاکہ مادہ پرستی سے وفاداری قائم رکھی

جا سکے۔ یہ عقیدہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ مادے کے سوا کوئی جاندار بھی نہیں ہے۔

اس لیے یہ نظریہ دلیل پیش کرتا ہے کہ بے جان اور بے حس و جامد مادہ نے زندگی تخلیق کی۔ یہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ کئی ملین جاندار (مثلاً پرندے، مچھلیاں، زرافہ، چیتے، کیڑے مکوڑے، اشجار، پھول، وہیل اور انسان) مادے میں پیدا ہونے والے باہمی عمل کے نتیجے میں پیدا ہوئے جیسے برستا مینہ بجلی کی چمک وغیرہ وغیرہ اس بے جان مادے میں سے پیدا ہوئے۔ یہ بیان دلیل و منطق اور سائنس دونوں کے خلاف ہے۔ پھر بھی ڈارونی نظریے کے حمایتی اس کا دفاع کرتے ہیں۔

کوئی بھی انسان جو جانداروں کی ابتداء کے بارے میں مادہ پرستانہ تعصب نہیں رکھتا۔ اسے یہ صداقت ضرور نظر آ جائے گی: تمام جاندار خالق کی تخلیق ہیں، جو قادر مطلق، عظیم حکیم و دانا اور علیم وخبیر ہے۔ یہ خالق اللہ ہے جس نے عدم سے اس کائنات کو تخلیق کیا اور اسے نہایت احسن شکل میں پیدا کر کے اس کے اندر اپنی بہترین تخلیق انسان کو پیدا کیا۔

☆......☆......☆

نظریۂ ارتقاء دنیا کا زبردست جادو؟

ہر وہ انسان جو تعصب کی عینک اُتار کر اور کسی نظریے سے مرعوب ہوئے بغیر دلیل اور منطق کا سہارا لیتا ہے اسے یہ بات بڑی آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے کہ نظریۂ ارتقاء میں یقین رکھنا جس میں سائنس کے علم یا تہذیب وتمدن کا نشان تک نہیں پایا جاتا ایک بے بنیاد سا نظریہ ہے۔

جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ وہ لوگ جو نظریۂ ارتقاء میں یقین رکھتے ہیں وہ یہ سوچتے ہیں کہ چند ایٹم اور سالمے کسی حوض یا ٹینکی میں ڈال دیئے جائیں تو ان میں سے دلائل سے بات کرنے والے پروفیسر اور یونیورسٹی طلبہ پیدا ہو جائیں گے اور سائنسدان بھی مثلاً آئن سٹائن اور گلیلیو نیز لیمن کے پودے اور گلابی پھول بھی۔ مزید یہ کہ چونکہ سائنسدان اور پروفیسر جو اس لغویات میں یقین رکھتے ہیں وہ تعلیم یافتہ ہوتے ہیں۔ اس لیے اس نظریے کو ''تاریخ کا زبردست جادو'' کہنا بالکل مبنی برانصاف لگتا ہے۔ اس سے قبل کسی عقیدے نے لوگوں کی قوت استدلال کو اس طرح ان کے ذہنوں سے خارج نہیں کیا جنہوں نے عقل وشعور اور استدلال کا ساتھ چھوڑ دیا ہو اور سچ کو ان سے یوں چھپا لیا ہو جیسے ان کی عقل پر پردہ پڑ گیا ہو۔

یہ تو ان مصریوں کی ناقابل یقین پرستش کے مقابلے میں بھی زیادہ بُری ہے جن کی عقلوں پر جب پردہ پڑا تو انہوں نے سُورج دیوتا کی پرستش شروع کر دی تھی یا افریقا کے کچھ علاقوں میں لوگ مظاہر فطرت کی پرستش کرتے تھے، سبا کے لوگ سُورج کی اور پیغمبر

خدا حضرت ابراہیمؑ کے قبیلے کے لوگ ان بتوں کی پرستش کرتے تھے جو ان کے اپنے ہاتھوں تراشیدہ ہوتے تھے یا حضرت موسیٰؑ کی قوم نے سونے کے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی تھی۔

اللہ نے قرآن پاک میں استدلال کی اس کمی کی طرح اشارہ فرمایا ہے۔ بہت سی آیات میں وہ فرماتا ہے کہ کچھ لوگوں کے ذہنوں پر پردہ ڈال دیا جائے گا اور وہ حق و صداقت کو نہ دیکھ سکیں گے۔ ان میں سے چند آیات درج ذیل ہیں:

''بیشک جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ہے یکساں ہے ان کے لیے چاہے آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ مہر لگا دی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔'' (البقرہ۔ 2:6-7)

''......ان کے دل (تو) ہیں لیکن وہ سمجھتے نہیں ان سے اور ان کی آنکھیں تو ہیں لیکن وہ دیکھتے نہیں ان سے اور ان کے کان تو ہیں لیکن وہ سنتے نہیں ان سے۔ وہ حیوانوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ، یہی لوگ تو غافل (بے خبر) ہیں۔'' (الاعراف۔ 7:179)

''اور اگر ہم کھول بھی دیتے اُن پر دروازہ آسمان سے اور وہ سارا دن اس میں سے اوپر چڑھتے رہتے پھر بھی وہ یہی کہتے کہ ہماری تو نظریں بند کر دی گئی ہیں بلکہ ہم ایسی قوم ہیں جس پر جادو کر دیا گیا ہے۔'' (الحجر۔ 15:14-15)

یہ کس قدر حیران کن بات ہے جسے الفاظ میں بیان ہی نہیں کیا جا سکتا کہ اس جادو نے اتنی بڑی تعداد میں لوگوں کو اپنا اسیر رکھا۔ یہ لوگ سچائی سے دُور رہے اور ان پر اس جادو کا اثر 150 برس تک رہا۔ یہ تو سمجھ میں آتا ہے کہ چند لوگ ناممکن باتوں میں یقین کر لیتے ہوں اور ایسے دعووں پر ایمان لے آتے ہوں جن کی بنیاد ایسی حماقت پر ہوتی ہے جس میں کوئی استدلال نہ ہو۔ مگر اسے ''جادو'' نہیں تو اور کیا کہا جائے کہ دنیا بھر کے بیشمار

لوگوں نے اس بات پر یقین کر لیا ہو کہ بے جان اور جامد ایٹموں نے اچانک یکجا ہونے کا فیصلہ کیا اور پھر ایک ایسی کائنات وجود میں آ گئی جس کا ایک نقص سے پاک نظام ہے، نظم و ضبط ہے، استدلال اور آگہی ہے۔ زمین ایک سیارے کی صورت میں ہے جہاں وہ ضروریات موجود ہیں جو زندگی کے لیے موزوں تھیں۔

پھر اس زمین پر وہ جاندار رہتے ہوں اور اس میں بیشمار گنجلک نظام کارفرما ہوں۔

دراصل قرآن پاک نے حضرت موسیٰ ؑ اور فرعون کا قصہ بیان فرمایا ہے تاکہ یہ بتایا جا سکے کہ کچھ ایسے لوگ جو ملحدانہ فلسفوں کی حمایت کرتے ہیں وہ دراصل دوسروں کو جادو سے مرعوب کر لیتے ہیں۔ جب فرعون کو سچے دین کے بارے میں بتایا گیا تو اس نے حضرت موسیٰ ؑ سے کہا کہ وہ اس کے جادوگروں سے ملیں چنانچہ موسیٰ ؑ جب اس کے جادوگروں سے ملے تو آپ نے ان سے کہا کہ پہلے وہ اپنے جادو کے کمالات دکھائیں۔ قرآنی آیات میں اس کا ذکر یوں آیا ہے:

''آپ نے فرمایا تم ہی ڈالو پس جب انہوں نے ڈالا تو جادو کر دیا۔ انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر اور خوفزدہ کر دیا انہیں اور مظاہرہ کیا انہوں نے بڑے جادو کا۔'' (الاعراف۔ 7:116)

ہم نے دیکھا کہ فرعون کے جادوگروں نے ہر شخص کو فریب دے دیا تھا سوائے حضرت موسیٰ ؑ اور ان کے ماننے والوں کے۔ مگر اس جادو کو حضرت موسیٰ ؑ نے اس وقت توڑ دیا تھا جب ان کا عصا جادوگروں کے سانپوں کو کھا گیا تھا۔ درج ذیل آیت میں اس کا ذکر یوں فرمایا گیا ہے: ''اور ہم نے وحی کی موسیٰ ؑ کو کہ ڈالئے اپنا عصا تو فوراً وہ نگلنے لگا جو فریب انہوں نے بنا رکھا تھا تو ثابت ہو گیا حق اور باطل ہو گیا جو (جادو) وہ کیا کرتے تھے۔ یوں فرعونی مغلوب ہو گئے وہاں (بھرے مجمع میں) اور پلٹے ذلیل وخوار ہو کر (الاعراف۔ 7:117-119)

ہم دیکھ سکتے ہیں کہ جب لوگوں کو یہ احساس ہوا کہ ان پر جادو چلا دیا گیا ہے اور جو کچھ وہ دیکھ رہے تھے وہ سب فریب نظر تھا اور یوں فرعون کے جادوگروں نے اپنا سارا

اعتماد کھو دیا تھا۔ آج وہ لوگ جو اسی طرح کے جادو سے مرعوب ہو جاتے ہیں اور سائنسی بہروپ میں ان مضحکہ خیز دعووں پر یقین کر لیتے ہیں اور عمر بھر ان کا دفاع کرتے رہتے ہیں، جب حق آ جاتا ہے تو باطل جو جادو کی شکل میں تھا رخصت ہو جاتا ہے، اور ان لوگوں کا یقین اٹھ جاتا ہے۔ دراصل برطانیہ کے ایک ادیب اور فلسفی میلکم مگرج نے بھی ایک جگہ لکھا ہے:

میں خود بھی اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ نظریۂ ارتقاء خصوصاً جس حد تک اسے استعمال کیا جاتا ہے مستقبل کی تاریخ کی کتب میں سب سے بڑا مذاق ہوگا۔ آنے والی نسلیں محض قیاس پر مبنی اس نظریے پر زیادہ عرصے تک یقین قائم نہیں رکھ سکیں گی۔

وہ دن دُور نہیں جب اس کے برعکس لوگ جلد یہ دیکھ لیں گے کہ ''اتفاق'' ایک معبود نہیں ہے اور نظریۂ ارتقاء کو ایک بہت بڑا فریب تصور کریں گے اور اسے دنیا کا بہت بڑا جادو سمجھیں گے۔ دنیا بھر کے لوگوں کے کندھوں سے یہ جادو اُترنا شروع ہو گیا ہے۔ جن لوگوں کو اس کا اصل چہرہ نظر آ جاتا ہے وہ حیرت زدہ ہو کر سوچنے لگتے ہیں کہ ان پر اس جادو کا اثر کیوں کر ہو گیا تھا۔

''عرض کرنے لگے ہر عیب سے پاک تُو ہی ہے کچھ علم نہیں ہمیں مگر جتنا تُو نے ہمیں سکھا دیا۔ بیشک تو ہی علم و حکمت والا ہے۔'' (البقرہ۔ 2:32)

☆......☆......☆

مُترجم کی دیگر تصنیفات، تالیفات اور تراجم

1۔ داستاں میری (آپ بیتی)

2۔ پتھر کی آنکھ (افسانے)

3۔ نسیم حجازی ...... ایک مطالعہ

4۔ واصف ؒعلی واصف ...... سوانح و افکار

5۔ نوادراتِ عرشی امرتسری

6۔ اقبال ...... پیامبر اُمید

7۔ Iqbal-A Cosmopolitan Poet

8۔ یوسف ظفر کی بات

9۔ جیلانی بی۔ اے کی کہانی

10۔ سید مودودیؒ ...... مردِ عصر وصورتِ گر مستقبل

11۔ "Life & Work of Nasim Hijazi" (Doctoral Thesis)

12۔ سیّدنا بلالؓ (ترجمہ: Bilal (RAU) - by H.A.L. CRAIG)

13۔ سرِ تسلیم خم ہے (ترجمہ: Struggling to Surrender By Dr. Prof. Jafrey Lang)

14۔ سید مکی مدنی العربی صلی اللہ علیہ وسلم (ترجمہ: The Life of Muhammad (SAW) The Prophet of Allah By Suleman Bin Ibrahim and A. Dinet.)

15۔ اللہ کی نشانیاں (ترجمہ: Allah is Known Through Reason by Haroon Yahya)

16۔ عقل والوں کے لیے (ترجمہ: For Men of Understanding by Haroon Yahya)

17۔ دنیا اور اسکی حقیقت (ترجمہ: The Truth of The Life of This World By Haroon Yahya

18۔ نظریۂ ارتقاء ...... ایک فریب (ترجمہ: Evolution Theory - A Deceit by Haroon Yahya)

19۔ تباہ شدہ اقوام (ترجمہ: The Perished Nations by Haroon Yahya)

20۔ معجزات قرآن (ترجمہ: Miracles of the Quran By Haroon Yahya)

21۔ مکہ مکرمہ کے ہزار راستے (ترجمہ: One Thousand Roads To Makkah by Haroon Yahya)

22۔ اسلام اور دہشت گردی (ترجمہ: Islam Denounces Terrorism by Haroon Yahya)

23۔ آخرت کی نشانیاں (ترجمہ: The Signs of the End Times by Haroon Yahya)

24۔ اسلام اکیسویں صدی میں (ترجمہ: Islam-2000 by Alfred Half Mann)